مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالی

تقریظ جلیل

علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلی شریف حفظہ اللہ تعالی

موضوع: تاریخ

عنوان: مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

تالیف: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

عددِ صفحات: ۲۵۶

سائز: 23×36

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: ادارۂ اہلِ سنّت کراچی

: idarakhutbatejuma@gmail.com

: 00971559421541

: 00923458090612

آن لائن/نشر اوّل

۱۴۴۶ھ/۲۰۲۵ء

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

مُعاوِن

مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی

شرفِ انتساب

اپنی اس کوشش کو اُن تمام علمائے اہلِ سنّت سے منسوب کرتا ہوں، جو اپنی دُور اندیشی اور خداداد صلاحیتوں کو حتَی المقدور بروئے کار لاتے ہوئے، دینِ متین کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہے، اسلام مخالف سازشوں کا قَلع قَمع کرتے رہے، اور وہ اپنی مَساعئ جمیلہ کے سبب آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ وجاوید ہیں!۔

ساتھ ہی اپنے والدین، اساتذہ، اور دوست اَحباب کی طرف نسبت کرتا ہوں، جن کی کرم فرمائیاں ہمیشہ میرے شاملِ حال رہتی ہیں!۔

اللہ ربّ العالمین علمائے اہلِ سنّت کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے، ان کے فیوض وبرکات سے ہمیں مالا مال کر دے، آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ!۔

وصلّى الله تعالى على خيرِ خَلقه ونورِ عرشِه، سيِّدنا ومولانا محمدٍ وعلى آله وصحبه أجمعين، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگوودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

یکم رجب المرجب ۱۴۴۶ھ/ ۲ جنوری ۲۰۲۵ء

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	اِجمالی تعارُف اور ایک تاثُر	۲۳
۲	پیش لفظ	۲۶
۳	شکرِ واجب	۲۸
۴	مختصر تاریخ ندوۃ العلماء	۳۳
۵	تنظیم ندوۃ العلماء اپنے قیام سے لے کر آج تک	۳۳
۶	قیامِ ندوہ میں اسلامیانِ ہند کا کردار	۳۳
۷	جنگِ آزادی اور ملک کے حالات	۳۳
۸	نصابِ تعلیم کی اِصلاح کے لیے تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک	۳۴
۹	مقاصد تنظیم ندوہ شیخ اِکرام صاحب "مَوجِ کوثر" کا بیان	۳۵
۱۰	ندوہ کے چار اَدوار	۳۶
۱۱	مدرسہ فیضِ عام	۳۶
۱۲	تنظیم ندوۃ العلماء کا قیام اور پہلا دَور	۴۴
۱۳	پہلے اِجلاس میں شرکت کرنے والے علماء کے اسماء	۴۵

۱۴	خانقاہ گنج مرادآباد، تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام میں شامل اَفراد کارُوحانی مرکز	۵۹
۱۵	تنظیم ندوۃ العلماء کے محرکین	۶۰
۱۶	مَفاسد تنظیم ندوۃ العلماء	۶۱
۱۷	تنظیم ندوۃ العلماء پر غیر مقلّدیت کا غلبہ	۶۱
۱۸	اُخوّت واتحاد کے نام پر تمام اسلامی قیود وضوابط نظر انداز	۶۱
۱۹	تنظیم ندوۃ العلماء میں روافض (شیعوں) کی نمائندگی	۶۳
۲۰	تنظیم ندوۃ العلماء اور مخالفتِ اہلِ سنّت	۶۴
۲۱	تنظیم ندوۃ العلماء کا دوسرا اِجلاس، مولانا مونگیری کی تقریر	۶۵
۲۲	تنظیم ندوۃ العلماء کا تیسرا اِجلاس بریلی میں	۶۶
۲۳	مولانا لُطف اللہ رامپوری اور امام احمد رضا ندوہ سے الگ ہو گئے	۶۶
۲۴	**ندوۃ العلماء کا دوسرا دَور**	۶۷
۲۵	ندوہ پر نیچریت کا غلبہ	۶۸
۲۶	شبلی نعمانی اور ندوہ	۶۹
۲۷	ندوہ کا پانچواں اِجلاس کانپور، مارچ ۱۸۹۸ء/۱۳۱۵ھ	۷۰
۲۸	ندوۃ العلماء کے دار العلوم کا سنگِ بنیاد	۷۱
۲۹	عیسائی فرمانروا کی امداد	۷۱
۳۰	رشید رضا کا شبلی نعمانی کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلماء کا دَورہ	۷۲

۳۱	محمد رشید رضا کے اَفکار و نظریات	۷۳
۳۲	شبلی نعمانی کے اَفکار و نظریات علماء کی نظر میں	۷۵
۳۳	شبلی نعمانی اور علمائے اہلِ سنّت	۷۶
۳۴	شبلی نعمانی اور علمائے دیوبند	۷۶
۳۵	شبلی نعمانی کی اَرکانِ اسلام کی بجاآوری میں بے پروائی	۷۶
۳۶	شبلی نعمانی کی انگریزوں کی خوشامد	۷۷
۳۷	شبلی نعمانی کا مضمون انگریزی حکومت کی اِطاعت و وفاداری میں	۷۷
۳۸	انگریز نواز علمائے سُوء	۷۹
۳۹	شبلی کا مُعاشقہ	۷۹
۴۰	شبلی نعمانی کی معشوقہ کا بیان	۸۰
۴۱	آزاد خیال عورتوں کے ساتھ میل جول اور اسلامی حجاب کی مخالفت	۸۰
۴۲	شبلی نعمانی کا افیون کھانا	۸۰
۴۳	والدین کی نافرمانی	۸۱
۴۴	انور شاہ کشمیری دیوبندی کا شبلی نعمانی پر فتوئ کفر	۸۱
۴۵	اشرف علی تھانوی دیوبندی کا شبلی نعمانی وغیرہ پر فتوئ کفر	۸۲
۴۶	اشرف علی تھانوی دیوبندی کی جانب سے شبلی نعمانی کی	

	کتاب "سیرت النبی" کا شدید رَد	۸۲
۴۷	کتاب "سیرت النبی" میں مُلحدانہ نظریات	۸۴
۴۸	شبلی نعمانی کا معتزلہ کی جانب رُجحان	۸۴
۴۹	شبلی نعمانی اور علمائے غیر مقلّدین	۸۵
۵۰	شبلی نعمانی کی قادیانیت نوازی	۸۵
۵۱	شبلی نعمانی اور علمائے ندوہ	۸۵
۵۲	شِہاب الدین ندوی دیوبندی کی جانب سے شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی وغیرہ کا رَد	۸۶
۵۳	دار العلوم ندوہ کی تردید و تعاقُب کی اصل وجہ	۸۷
۵۴	خلاصۂ کلام	۸۷
۵۵	**ندوہ کا تیسرا دَور**	۸۸
۵۶	اصلاحِ ندوہ کی تحریک	۸۸
۵۷	علّامہ وصی احمد سُورتی، اور خانقاہ گنج مراد آباد	۸۸
۵۸	لکھنؤ کا اِجلاس ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء اور مولانا وصی احمد سُورتی کی مَساعی	۸۹
۵۹	ندوہ کی اصلاح کا اِذن دربارِ گنج مراد آباد سے ملا	۸۹
۶۰	شاہ فضلِ رحمن گنج مراد آبادی اور ان کے مریدین بھی ندوہ سے علیحدہ ہو گئے	۸۹
۶۱	تحریک اصلاحِ ندوہ میں محدِّث سُورتی علمائے اہلِ سنّت کا	

	محوَر رہے	٩٢
٦٢	ندوہ کا تیسرا اِجلاس بریلی اور محدّثِ سُورتی	٩٢
٦٣	محدّثِ سُورتی اور امام احمد رضا	٩٤
٦٤	تحریکِ اصلاحِ ندوہ اور علماء و مشایخِ پیلی بھیت	٩٦
٦٥	محدّثِ سُورتی کا امام احمد رضا کے نام مکتوب	٩٨
٦٦	ندوہ کا چَوتھا اِجلاس میرٹھ اور محدّث سُورتی	٩٩
٦٧	محدّثِ سُورتی کا ندوہ کے رَد میں لکھے جانے والے رسائل پر تبصرہ	١٠٠
٦٨	"فتاوى السُنّة لإلجام الفِتنة"	١٠٠
٦٩	اُس دَور کے ندوہ کی حالت اور "فتاوى السُنّة لإلجام أهل الفِتنة"	١٠٢
٧٠	ندوہ کا پانچواں اِجلاس اور محدّث سُورتی	١٠٣
٧١	ندوہ اور حکیم عبد القیوم شہید بدایونی	١٠٤
٧٢	ندوہ اور قاضی عبد الوحید فردَوسی عظیم آبادی	١٠٥
٧٣	١٣١٨ھ/ ١٩٠٠ء ندوہ کا اجلاسِ پٹنہ	١٠٥
٧٤	انجمن نعمانیہ (دار العلوم نعمانیہ) اور تحریک اصلاحِ ندوہ	١٠٦
٧٥	مولانا محمد علی مونگیری کا ندوہ کی نظامت سے استعفی	١١٠

۷۶	**دیگر خانقاہ ومدارِس وعلمائے اہلِ سنّت اور اراکین وغیرہ کے اسمائے گرامی، جو تحریک اِصلاحِ ندوہ میں شریک رہے**	۱۱۲
۷۷	خانقاہ گنج مراد آباد	۱۱۲
۷۸	خانقاہ چشت مبارک	۱۱۲
۷۹	خانقاہ مارَہرَہ	۱۱۲
۸۰	خانقاہ اِمدادیّہ	۱۱۳
۸۱	خانقاہ داناپور	۱۱۳
۸۲	خانقاہ حضرت مخدوم شیخ شرف الحق والدِین یحیی منیری	۱۱۳
۸۳	خانقاہ پھلواری	۱۱۳
۸۴	خانقاہ مجدّد اَلفِ ثانی	۱۱۳
۸۵	خانقاہ نظامی فخری	۱۱۳
۸۶	خانقاہ بِریلی	۱۱۳
۸۷	خانقاہ شاہ فضل غَوث	۱۱۴
۸۸	خانقاہ بدایوں	۱۱۴
۸۹	خانقاہ شاہ جہان رفاعی	۱۱۴
۹۰	علمائے میرٹھ	۱۱۴
۹۱	علمائے عظیم آباد	۱۱۴
۹۲	علمائے رامپور	۱۱۵
۹۳	علمائے مدرسہ جرہوہ	۱۱۵

۹۴	مدرسہ جامع مسجد آگرہ	۱۱۵
۹۵	مدرسہ بمبئی	۱۱۵
۹۶	علمائے خیر آباد	۱۱۵
۹۷	علمائے بہار و پٹنہ	۱۱۶
۹۸	علمائے دہلی	۱۱۶
۹۹	علمائے بنارس	۱۱۶
۱۰۰	علمائے مراد آباد	۱۱۶
۱۰۱	علمائے شاہ جہانپور	۱۱۶
۱۰۲	علمائے اِلہ آباد	۱۱۷
۱۰۳	دار العلوم انجمن نعمانیہ و دیگر علمائے لاہور	۱۱۷
۱۰۴	دیگر علمائے اہلِ سنّت	۱۱۷
۱۰۵	اراکینِ ندوہ	۱۱۸
۱۰۶	ندوۃ العلماء، گنگوہی دیوبندی وغیرہ حضرات کی نظر میں	۱۱۹
۱۰۷	علمائے دیوبند وغیرہ کے اسماء	۱۲۵
۱۰۸	امام احمد رضا، علمائے بریلی اور ندوۃ العلماء	۱۲۵
۱۰۹	تحریک اِصلاحِ ندوہ میں تمام علماء امام احمد رضا کی قیادت میں متحد ہو گئے	۱۲۶
۱۱۰	ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کے امام احمد رضا کے بارے میں	

	تاثُرات	۱۲۷
۱۱۱	امام احمد رضا کا ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کو مَفاسدِ ندوہ سے متعلق ایک اہم خط	۱۲۸
۱۱۲	مولانا حقّانی دہلوی کے امام احمد رضا کے بارے میں تاثُرات	۱۳۰
۱۱۳	مولوی حقّانی کی طرف سے امام احمد رضا کی حمایت	۱۳۱
۱۱۴	تحریک اِصلاحِ ندوہ میں امام احمد رضا کو اسّی سے زائد علماء کی حمایت حاصل تھی	۱۳۲
۱۱۵	مَفاسدِ ندوہ کے بیان میں امام اہلِ سنّت کا فتوی "القُدوہ لکشف دفین الندوہ"	۱۳۳
۱۱۶	تحریک اِصلاحِ ندوہ اور حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکّی کے خلفاء	۱۳۴
۱۱۷	چند علمائے اہلِ سنّت ندوہ کے پُر فریب جال میں پھنس گئے	۱۳۶
۱۱۸	دعوی خیر خواہئ اسلام کا اور کام کچھ اَور	۱۳۷
۱۱۹	مفتی لُطف اللہ علی گڑھی سے تصفیہ کی آخری کوشش	۱۳۹
۱۲۰	مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کی ندوۃ العلماء سے علیحدگی	۱۴۰
۱۲۱	دیگر علمائے اہلِ سنّت جو شروع میں ندوہ میں شامل ہو گئے تھے، وہ بھی جلد ہی الگ ہو گئے	۱۴۲
۱۲۲	ندوہ برطانوی سازش کا شکار	۱۴۳
۱۲۳	امام احمد رضا کی اِصلاحِ ندوہ میں مَساعی کا اِجمالی خاکہ	۱۴۳

۱۲۴	"فتاوی الحرمین برَجفِ ندوة المَین" اور علمائے حرمین شریفین	۱۴۴
۱۲۵	مولانا عبدالقادر بدایونی اور امام احمد رضا خاں بریلوی نے ندوہ کی شرارت کا ڈَٹ کر مقابلہ کر کے، اسلام و مسلمین کی خیر خواہی کا حق ادا کیا	۱۴۵
۱۲۶	اراکینِ ندوہ کا برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں کٹ پتلی بن جانا	۱۴۹
۱۲۷	ندوہ کے ذمّہ دار اَراکین اپنی کاروائیوں سے آگاہ تھے	۱۵۰
۱۲۸	امام احمد رضا کا اراکینِ ندوہ کو مَفاسدِ ندوہ سے آگاہ کرنا	۱۵۲
۱۲۹	"ندوۃ العلماء" محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے	۱۵۴
۱۳۰	اراکینِ ندوہ کی اس سراسر نامعقول روِش پر مسلمانوں کا دل دکھتا تھا	۱۵۵
۱۳۱	امام احمد رضا کے اِصلاحِ ندوہ کے عظیم الشان کام کو غیروں نے بھی تسلیم کیا	۱۵۵
۱۳۲	امام احمد رضا نے جس ندوہ کے مفاسد کا رَد کیا، وہ باطل کو چمکانے اور حق کو دَبانے کا ایک خوشنما جال تھا	۱۵۶
۱۳۳	ندوہ اور اراکینِ ندوہ کے بارے میں علمائے اہلِ سنّت کا حکمِ شرعی	۱۵۸
۱۳۴	جلسۂ مدراس اور ندوۃ العلماء کے مَفاسد کا بیان	۱۵۸
۱۳۵	اِصلاحِ ندوہ میں امام احمد رضا نے کئی مقامات پر محدّث	

	سُورتی کی خدمات کا تَوصیفی انداز میں ذکر کیا	۱۵۹
۱۳۶	خانقاہ بریلی علمائے اہلِ سنّت کا محوَر	۱۶۲
۱۳۷	مجلس علمائے اہلِ سنّت کا قیام	۱۶۳
۱۳۸	مجلس علمائے اہلِ سنّت کا دستور العمل	۱۶۴
۱۳۹	ارکانِ مجلسِ علمائے اہلِ سنّت	۱۶۵
۱۴۰	مطبع کے قیام کا تاریخی پسِ منظر	۱۶۶
۱۴۱	مطبع اہلِ سنّت کا قیام	۱۶۷
۱۴۲	مطبع اہلِ سنّت کا دستور العمل	۱۷۱
۱۴۳	مطبع اہلِ سنّت کے مہتمم	۱۷۱
۱۴۴	**مطبعِ اہلِ سنّت کی اِشاعتی خدمات کے چار دَور**	۱۷۴
۱۴۵	پہلا دَور ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء تا ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء	۱۷۵
۱۴۶	دوسرا دَور ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء تا ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء	۱۷۵
۱۴۷	تیسرا دَور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تا ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء	۱۷۶
۱۴۸	چوتھا دَور اَز ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء تا زوالِ مطبع	۱۷۸
۱۴۹	خلاصۂ بحث	۱۷۹
۱۵۰	آخری بات	۱۸۰
۱۵۱	تحریک اصلاحِ ندوہ میں علمائے اہلِ سنّت کا تحریری کام	۱۸۱

۱۵۲	**ندوہ کا چوتھا دَور**	۱۸۴
۱۵۳	دیگر ناظمین	۱۸۴
۱۵۴	مصنّف "نزہۃ الخواطر" حکیم عبدالحی رائے بریلی اور ندوۃ العلماء	۱۸۵
۱۵۵	ابوالحسن علی ندوی، جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت	۱۸۷
۱۵۶	علمائے غیر مقلّدین کا تعلق و تعاوُن ندوۃ العلماء سے آج تک قائم ہے	۱۸۷
۱۵۷	ابوالحسن ندوی اور عرب دنیا	۱۸۸
۱۵۸	ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ابوالحسن علی ندوی	۱۸۹
۱۵۹	امام غزالی، شیخ عبد القادر جیلانی، مولانا رُوم اور شیخ احمد فاروقی سرہَندی، کی سیرت پر ابو الحسن ندوی کا دِمشق یونیورسٹی میں لیکچر، اور ان تصنیفات کا ذکر جو عرب دنیا سے شائع ہوئیں	۱۹۰
۱۶۰	شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی، ڈاکٹر اقبال، ابو الحسن ندوی اور علمائے عرب	۱۹۲
۱۶۱	ابن تیمیہ، ابوالحسن ندوی اور اہلِ نجد	۱۹۲
۱۶۲	مسئلۂ فلسطین اور ابوالحسن ندوی	۱۹۳
۱۶۳	عرب ممالک سے روابط، ابوالحسن ندوی اور ندوۃ العلماء	۱۹۴
۱۶۴	ابوالحسن ندوی کا صلح کُل روِیہ اور عرب دنیا	۱۹۵

۱۶۵	ابوالحسن ندوی اور جماعتِ اسلامی	۱۹۵
۱۶۶	سعودی عرب اور ابوالحسن ندوی کی کتاب پر پابندی	۱۹۶
۱۶۷	خطۂ نجد اور کویت میں ابو الحسن ندوی کا صلحِ کُل رویہ بے نقاب ہوا	۱۹۶
۱۶۸	ابوالحسن ندوی "تقویۃ الایمان" اور ندوۃ العلماء	۱۹۷
۱۶۹	شاہ ابو الحسن زَید فاروقی مجدّدی کی "تقویۃ الایمان" کے بارے میں رائے	۱۹۸
۱۷۰	مولانا ابو مالک انس کی "تقویۃ الایمان" کے بارے میں رائے	۱۹۹
۱۷۱	ڈاکٹر جبریل حدّاد صالحی نقشبندی اور "تقویۃ الایمان" کے عربی ترجمہ کا رَد	۱۹۹
۱۷۲	ملکِ شام کے علمی حلقوں میں "تقویۃ الایمان" کی ناپسندیدگی	۱۹۹
۱۷۳	ابوالحسن ندوی ابو عثمان کویتی وہابی کی نظر میں	۲۰۰
۱۷۴	ابوالحسن ندوی کی ایک اَور کارگزاری	۲۰۰
۱۷۵	"فتاوی الحرمَین برَجف ندوۃ المین" اور تحریک اصلاحِ ندوۃ العلماء	۲۰۱
۱۷۶	ابوالحسن ندوی کی دو قومی نظریہ کی مخالفت	۲۰۲
۱۷۷	سعودی عرب کی جانب سے دار العلوم دیوبند کو دس لاکھ	

	ڈالر کی اِمداد اور ابوالحسن ندوی کی مصالحت	۲۰۳
۱۷۸	ندوۃ العلماء کے جشنِ تعلیمی میں بیرونی مندوبین کی فہرست	۲۰۶
۱۷۹	سعودیہ	۲۰۶
۱۸۰	متحدہ عرب امارات	۲۰۷
۱۸۱	قطر	۲۰۸
۱۸۲	کویت	۲۰۸
۱۸۳	بحرین	۲۰۹
۱۸۴	مصر	۲۰۹
۱۸۵	عراق	۲۰۹
۱۸۶	شام	۲۰۹
۱۸۷	اُردن	۲۱۰
۱۸۸	الجزائر	۲۱۰
۱۸۹	ایران	۲۱۰
۱۹۰	رُوس	۲۱۰
۱۹۱	یوگنڈا	۲۱۰
۱۹۲	مشرقی افریقہ	۲۱۰
۱۹۳	ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء اور سعودی عرب	۲۱۰

۱۹۴	استعماری طاقتیں اور فرقہ واریت کا فروغ	۲۱۲
۱۹۵	ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء، اور حاکم شارقہ	۲۱۳
۱۹۶	ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء، اور حاکم ابوظبی	۲۱۳
۱۹۷	ڈاکٹر تقی الدین ہلالی منکِر تصوف اور ندوۃ العلماء	۲۱۴
۱۹۸	ابوالحسن ندوی اور شاہ فیصل ایوارڈ، دولاکھ ریال	۲۱۶
۱۹۹	آج کا ندوۃ العلماء دیوبندی و وہابی مکتبِ فکر کا عکّاس ہے	۲۱۹
۲۰۰	**واقعات وحالات اور تصنیفات**	۲۲۱
۲۰۱	**فہرست مآخِذ و مَراجع**	۲۳۱
۲۰۲	**ادارۂ اہل سنّت کی مطبوعات واِصدارات**	۲۴۵

اِجمالی تعارُف اور ایک تاثُر

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

زمانۂ طالب علمی سے یہ سنتا آیا ہوں کہ ایک زمانہ میں علمائے اہلِ سنّت و جماعت نے علومِ دینیہ کے فروغ واِستحکام اور نصابِ تعلیم کی اِصلاح کے سلسلہ میں کانپور میں ایک تنظیم بنائی تھی، جس میں متحدہ ہندوستان کے اکابر علماء و مشایخ شریک تھے، اُن میں استاذ العلماء حضرت علّامہ مفتی لُطف اللہ صاحب علی گڑھی -جن کو جگت استاذ بھی کہا جاتا تھا- اس کے صدرِ اعلیٰ منتخب ہوئے، اسی طرح دوسرے علمائے کانپور کے ساتھ تاج الفُحول حضرت علّامہ مولانا عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں بریلوی وغیرہم بھی شریک تھے۔

یہ تنظیم خالص علمائے اہلِ سنّت کا پلیٹ فارم تھی، لیکن تنظیم کے بعض اَرباب حل وعقد نے اس میں دیگر مکتبِ فکر کے لوگوں کو بھی شریک کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اُن لوگوں نے تنظیم کے جلسوں میں اپنے مذہب و مسلک کی ترجمانی بھی شروع کر دی۔ اس بے راہ رَوی پر تاج الفُحول، اعلیٰ حضرت اور دیگر بیشتر علمائے کرام نے نوٹس لیا اور بہت کچھ فہمائش کی، لیکن تنظیم کے خاص ارکان اس کا بندوبست نہیں کر سکے، لہٰذا اکثر علمائے اہلِ سنّت پہلے پہل تو اس تنظیم کی اِصلاح میں مصروف ہوئے، جب اِصلاح کی کوئی سبیل نہ بنی، تب اِس سے دُور ہوتے چلے گئے۔ اس طرح علمائے اہل سنّت، عامۃ المسلمین کو اس تنظیم کے منافقانہ روِیے اور بدمذہبیت سے محفوظ رکھنے

کے لیے میدان میں آئے، اور ایک طرح سے معرکہ آرائی شروع ہوگئی، دونوں طرف سے متعدّد اِجلاس ہوئے، تاج الفُحول اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ بہت سے علمائے اہلِ سنّت تقریر و تحریر کے ذریعہ تنظیم کی خامیوں کی نشاندہی کرتے رہے، آخر کار یہ تنظیم ایک تعلیمی ادارہ "دار العلوم ندوۃ العلماء" کے نام سے نمودار ہوئی اور اسی میں محدود ہو کر رہ گئی، جس پر اوّلاً وہابیوں غیر مقلّدوں، اور پھر دیوبندیوں کا مستقل تسلُّط ہوگیا!۔

یہ پس منظر جس کو راقم نے نہایت مختصر انداز میں پیش کیا، جن لوگوں کی نظر میں نہیں ہے اُن میں بعض کو یہ کہتے ہوئے سنتا آرہا ہوں کہ "ہندوستان کے بڑے بڑے علمائے کرام نے اگر ندوہ کی مخالفت کی تو اس سے کیا فرق پڑا! مخالفین تو ندوہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے! دیکھیے وہ تو ایک عظیم دار العلوم کی شکل میں موجود ہے جس کی ہند و پاک میں مثال نہیں!"۔

لیکن حقیقت یہ نہیں جو بہت سے لوگوں کی زبان پر ہے، دراصل یہ لوگ ندوہ کی تاریخ سے نابلد ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ ندوہ دراصل کیا تھا اور اس کے خاص بنیادی مقاصد کیا تھے! اور ہمارے علمائے کرام اور مشائخِ عظام نے اس تنظیم کی مخالفت کن وُجوہ کے تحت کی تھی، اور پھر انجام کیا سامنے آیا!۔

اِن تمام تفصیلات کو جاننے کے لیے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ندوہ کی منتشر تاریخ کا مطالعہ ناگزیر ہے، اس تنظیم کی خامیوں کو اُجاگر کرنے اور اس کے غیر اسلامی طَور طریقوں کو طشت اَز بام کرنے کے لیے ہمارے علمائے کرام، اَربابِ علم و دانش اور اصحابِ قلم و قرطاس نے تقریباً سو کتابیں لکھیں، اِن میں سیّدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدِّث بریلوی قدّس سرّہٗ کا ایک عظیم فتویٰ بھی تھا جو "القُدوہ لکشف

دفینِ الندوہ" [مطبوعہ نادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء] کے نام سے شائع ہوا، جس پر ہندوستان کے تقریباً پچپن ۵۵ علمائے کرام نے دستخط کیے تھے۔

تاریخ کے اِن منتشر اَوراق کو یک جا کر کے ایک لڑی میں پرَونا، اور جامع انداز میں تاریخی حقائق کو سپردِ قرطاس کرنے کی اشد ضرورت تھی؛ تاکہ جدید نسل اِن حقائق سے واقف ہو سکے!۔

چنانچہ محبِّ گرامی قدر، فاضلِ جلیل، ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی -زِیدَ مجدُہ- نے اپنا قلمِ حقیقت رقم اٹھایا، اور نہایت تحقیقی انداز میں تحریکِ ندوہ کے اصلی خدوخال قارئین کے سامنے پیش کیے، جس پر وہ اہلِ سنّت کی جانب سے بلاشبہ قابلِ صد مبارکباد ہیں!۔

راقم نے کتاب کو اَز اوّل تا آخر پڑھا ہے، جس پر میرا مختصر تاثُر یہ ہے کہ مولانا موصوف نے کتاب کے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے؛ کیونکہ تاریخ کا جو گوشہ بھی پیش کیا ہے وہ تحقیقی انداز لیے ہوئے ہے، نیز ضروری معلومات سے لبریز ہے، اور اختصار وجامعیت اس پر مستزاد ہے! امید ہے کہ علمی حلقوں کی نئی نسل اس کتاب سے مستفید ہوگی، اور متلاشیانِ حق کے لیے یہ معلومات سنگِ میل ثابت ہوں گی!۔

ربِ کریم اپنے فضل واِنعام سے مؤلِّف -زِیدَ مجدُہ- کی مَساعیٔ جمیلہ کو مشکور فرمائے اور سعادتِ دارَین سے نوازے، آمین بجاہ النبی الکریم، علیہ التحیۃ والتسلیم، والحمد للہ رب العالمین!۔

راقم الحروف: **محمد حنیف خاں رضوی بریلوی**

خادم امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف

۲۳ جُمادَی الآخرہ ۱۴۴۶ھ/ ۲۵ دسمبر ۲۰۲۴ء بروز جمعرات

پیش لفظ

الحمد لله، والصّلاةُ والسّلامُ على سيِّدنا رسول الله، وعلى آلِهِ وصَحبِهِ مَن والاه، وبعد:

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد برِ صغیر کے مسلمانوں پر بحیثیت قوم، ترقی کے تمام دروازے بند کر دیے گئے، چنانچہ سیاسی، مُعاشی اور تعلیمی اعتبار سے مسلمانوں کا عملی کردار صفر ہو گیا، جبکہ ہندو ہر میدان میں مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئے۔ اس صورتحال سے نکلنے اور مسلمانوں کو درپیش چیلنجز (Challenges) کے مقابلے کی غرض سے، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء کو "مدرسہ فیضِ عام" کانپور میں "ندوۃ العلماء" کا قیام عمل میں آیا؛ تاکہ مسلمانوں میں تعلیم کی اہمیت کو اُجاگر کیا جائے، ضرورتِ زمانہ کے مطابق نصابِ تعلیم کی اصلاح کی جائے، نیز علماء کے باہمی اختلافات کو رفع کیا جا سکے(۱)۔

"ندوۃ العلماء" کے بنیادی مقاصد کو تمام مَسالک کی طرف سے خُوب سراہا گیا، اور سب نے خوب بڑھ چڑھ کر اس میں شُمولیت اختیار کی، لیکن باہمی اختلافات نے تب جنم لیا جب اس تنظیم کا کنٹرول (Control) ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو بدمذہب تھے، اور برٹش گورنمنٹ (British Govt) کا آلۂ کار بن چکے تھے!۔

تاج الفُحول مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا لُطف الله رامپوری اور امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان رحمہم اللہ تعالیٰ تو اس تنظیم کے پہلے ہی جلسہ کی کارروائی سے اس قدر دل

---

(۱) دیکھیے: "موجِ کوثر" ندوۃ العلماء، ص۱۸۷، ملخصاً۔

برداشتہ ہوئے، کہ جلسہ کے اختتام پر ناظمِ ندوہ اور صدرِ جلسہ کی توجہ، اس فساد فی الدِین کی جانب مبذول کرائی، اور اظہارِ حق کر کے ندوہ سے علیحدہ ہو گئے[۲]۔

دیگر علمائے اہلِ سنّت نے بھی اصلاحِ ندوہ کی متعدّد ناکام کوششوں کے بعد، رفتہ رفتہ اس سے مکمل طَور پر علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے بعد ندوہ پر مختلف باطل فرقوں کا غلبہ وتسلُّط رہا، کبھی یہ تنظیم نیچریوں کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی، اور کبھی غیر مقلّد وہابیوں کی ترجمان وپہچان بنی رہی!۔

زیرِ نظر کتاب "مختصر تاریخ ندوۃ العلماء" میں اسی امر کو مَوضوعِ بحث بنایا گیا ہے، اور ندوہ کی تاریخ کو حسبِ ذیل چار اَدوار پر تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) پہلا دَور تنظیم ندوہ کے قیام کا پس منظر، تنظیم ندوۃ العلماء کی اَساس میں شریک علماء کا ذکر۔

(۲) دوسرا دَور تنظیم ندوۃ العلماء کے مفاسد کا ذکر، اس میں غیر مقلدیت، نیچریت کا غلبہ، پھر تنظیم ندوۃ العلماء کو دار العلوم ندوۃ العلماء بنایا جانا۔

(۳) تیسرا دَور علمائے اہلِ سنّت کی اُن کاوِشوں کا ذکر، جو انہوں نے تنظیم ندوۃ العلماء کی اصلاح کے لیے کیں۔

(۴) چوتھا دَور آج کے کا ندوہ، کس طرح اس کی اصل اَساس وبنیاد سے ہٹا کر ایک خاص مکتبۂ فکر کا عکّاس بنایا گیا۔

زیرِ نظر کتاب "مختصر تاریخ ندوۃ العلماء" متعدّد خصوصیات کی بناء پر منفرد اور مستند حیثیت کی حامل ہے، ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

---

(۲) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۶، بحوالہ "سیوف العنوہ علی زمائم الندوہ" ص۳۔

(۱) تاریخِ ندوۃ العلماء پر یہ پہلی ایسی کتاب ہے جس میں غیر جانبدارانہ طَور پر تاریخی حقائق کو پیش کیا گیا ہے؛ تاکہ انہیں مسخ ہونے سے بچایا جاسکے۔

(۲) اس کتاب میں معروضِی حقائق اور تاریخی سچائیوں کو پیش کرتے وقت غلط بیانی، بے جاستائش اور نام نہاد مصلحت پر مبنی سوچ کو آڑے نہیں آنے دیا گیا۔

(۳) اس کتاب کی تیاری میں انتہائی محنت اور جانفشانی سے کام لیا گیا ہے، اور مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد صرف مستند مواد شامل کیا گیا ہے۔

(۴) کتاب کا اندازِ تحریر انتہائی آسان، معتدِل، شائستہ اور شُستہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۵) علماء و محققین کی آسانی کے لیے عناوین کی مفصَّل فہرست، اور اصل مَصادر کی فہرست کا بطور خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

کتاب کی تیاری میں ہر ممکن کوشش کی ہے کہ غلَطی سے محفوظ رہے، لیکن اگر قاری کسی علمی یا فنی غلَطی پر مطلع ہو، تو ادارے کو ضرور آگاہ فرمائیں، ہم تہہِ دل سے آپ کے شکر گزار ہوں گے!۔

شکرِ واجب

اس کتاب کی مکمل تیاری، ترتیب، تصحیح اور حوالہ جات کی تخریج وغیرہ اُمور میں، ویسے تو ادارۂ اہل سنّت کراچی کی پوری ٹیم کا تعاوُن شامل حال رہا، مگر بطور خاص (۱) حضرت قبلہ مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانی فرمائی، اور خُوب عرق ریزی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کے جَوہر دکھائے!۔

اس کے علاوہ ہمارے دیگر کرم فرما حضرات جنہوں نے اس کتاب کے مطالعہ

کے بعد اپنے بہترین مشوروں، رَہنمائی اور بعض مواد کی فراہمی کے ذریعے ہماری سرپرستی فرمائی، ان میں بطور خاص (۲) حضرت علّامہ مفتی مطیع الرحمن صاحب (۳) حضرت علّامہ محمد حنیف رضوی صاحب (بریلی شریف) (۴) حضرت علّامۂ محقِق ابوحسن سہیل صاحب (امارات) (۵)عظیم تاریخ داں قبلہ جناب عابد حسین شاہ صاحب(چکوال) (٦) اور حضرت مولانا عبدالرحمن قادری ترابی صاحب میمن (ملاوی، افریقہ) حفظہم اللہ تعالٰی کے اسمائے گرامی ہیں۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کو دنیا وآخرت میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے، آمین یاربّ العالمین!۔

وصلّى اللهُ تعالى على خيرِ خَلقه ونورِ عرشِه سيِّدنا محمّدٍ، وعلى آله وصحبه أجمعين، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگوودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

یکم رجب المرجب ۱۴۴٦ھ/ ۲ جنوری ۲۰۲۵ء

مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء اپنے قیام سے لے کر آج تک

قیامِ ندوہ میں اسلامیانِ ہند کا کردار

مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

تنظیم ندوۃ العلماء اپنے قیام سے لے کر آج تک[١]

قیامِ ندوہ میں اِسلامیانِ ہند کا کردار

جنگِ آزادی اور ملک کے حالات

جہاد آزادی ١٨٥٧ء/ ١٢٧٤ھ کے بعد مسلمانانِ برصغیر شدید افراتفری اور زوال کا شکار ہوگئے تھے، فرنگی حکمرانوں کو اس خطہ کے ہندو باشندے یہ بات اچھی طرح باوَر کرا چکے تھے، کہ جہادِ آزادی میں صرف وصرف مسلمان شریک تھے، یہ جہاد صرف مسلمانوں اور ان کے علماء کے اِیماء پر کیا گیا تھا، جس

(١) اس کتاب کی مکمل تیاری میں جن کتب سے مدد لی گئی ان کے اسماء مع مصنفین یہ ہے: "مشعلِ راہ" عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری، ص٢٩٢ تا ٢٩٧، "رسائلِ رضویہ" مرتّبہ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری، ١/٩ تا ٢١، "حُدوث الفِتن وجهاد أعيان السُنن" علّامہ محمد احمد مصباحی، "تنقید معجزات کا علمی مُحاسبہ" علّامہ محمد احمد مصباحی، "استاذ العلماء مولانا مفتی محمد لُطف اللہ علیگڑھی" تکمیل وضمیمہ خواجہ رضِی حیدر، ص٦٤ تا ٧٠، "تذکرہ محدِّث سُورتی" خواجہ رضِی حیدر، ص١٠٠ تا ١٢٤، "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" پیرزادہ عابد حسین شاہ، ص٦٥ تا ٨٠، "تحقیق وتفہیم" مولانا اُسید الحق قادری، "تاریخ ندوۃ العلماء" اسحاق جلیس ندوی اور ڈاکٹر شمس تبریز خاں، "سیرت مولانا سیّد محمد علی مونگیری" سیّد محمد الحسنی، "نزهة الخواطر" عبد الحی ندوی، اور "رودادِ چمن" ایک دستاویز، ایک تاریخ، ایک پیغام، مرتّبہ سیّد محمد الحسنی۔

کی بناء پر مسلمانوں پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیے گئے، خصوصًا علماء کی کڑی نگرانی کی گئی، نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کے فقہی اختلافات[۱] کو ہوا دے کر، بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی اَساس اور بنیاد کو کمزور کرنے کی سازش کی گئی، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانانِ برصغیر شدید اِفتراق وانتشار کا شکار ہوگئے، اور جہادِ آزادی کے تقریبًا نصف صدی بعد تک اُن میں مرکزیت پیدا نہ ہوسکی۔

برصغیر کی ہندو آبادی نے کشیدہ صورتحال سے حتّی الاِمکان فائدہ اٹھایا، اور تعلیمی میدان میں وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ آگے نکل گئے، سرکاری ملازمتوں سے لے کر نجی کاروبار تک ہندو اثر غالب آگیا، اور مسلمان قطعی طَور پر اپنی اہمیت کھو بیٹھے، اس صورتحال کا چند حضرات نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا، اور محبت ویگانگت کو ان کے درمیان فروغ نہیں دیا جائے گا، اُس وقت تک یہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے!۔

نصابِ تعلیم کی اِصلاح کے لیے تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک

انگریزی تعلیم کو عام کرنے میں سرسیّد احمد خان بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے، جبکہ مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر اُستوار کرنے کے لیے چند

(۱) سیّد حسن مثنی ندوی نے اپنے مضمون میں جو بات کی ہے وہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے، جبکہ تاریخی شواہد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اُس دَور میں انگریزوں نے مقدّس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد ونظریات کی پیوندکاری کرکے، مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کیا۔ مزید تفصیل کے لیے مطالعہ کیجیے "مشعلِ راہ"۔

علمائے اُمّت مسلسل غور وفکر میں غرق تھے۔ ایسے میں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب کی اصلاح کے لیے ۱۸۹۳ء/ ۱۳۱۰ھ میں مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم "ندوۃ العلماء"[۱] کے قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ بقول سیّد حسن مثنیٰ ندوی: "اُصولی طَور پراس تحریک کا مرکز "مدرسہ فیضِ عام" کانپور تھا، جہاں مولانا سیّد محمد علی کانپوری ثم مونگیری، اور مولانا احمد حسن کانپوری درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر علماء نے، اس نئی تنظیم وتحریک کے مُعاملات سرگوشیوں میں طے کیے، اور "مدرسۂ فیضِ عام" کے سالانہ جلسۂ دستاربندی کو اس تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لیے استعمال کیا"[۲]۔

مقاصد تنظیم ندوہ شیخ اکرام صاحب "موجِ کوثر" کا بیان

وہ کونسی ضرورت یا مصلحت تھی جس کے تحت تنظیم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا؟ اس بارے میں شیخ اِکرام نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: "جدید علم الکلام بالعموم ان شخصوں نے ترتیب دیا جو عربی اور فارسی کے فاضل تھے، لیکن عام علماء کی جماعت سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا، اور بالعموم علماء نے ان کی مخالفت کی، مگر آہستہ آہستہ علماء میں بھی کچھ لوگ ایسے پیدا ہوگئے جنہیں اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اسلامی

---

(۱) ابتداء میں اس نئی مجلس کا نام "ندیۃ العلماء" مشہور ہوا تھا، لیکن بعد میں اسے بدل کر "ندوۃ العلماء" کر دیا گیا۔ (دیکھیے: "رُودادِ ندوۃ العلماء" حصّہ ا، ص۱۶۰)

(۲) سیّد حسن مثنیٰ ندوی، مضمون "مجلس ندوۃ العلماء کی بینَ الاَقوامی کانفرنس" مطبوعہ روز نامہ "حریت" کراچی ۳نومبر ۱۹۷۵ء۔

مدارس کا نصاب ضروریاتِ زمانہ کے مطابق بنایا جائے، اور قدیم علماء اور علیگڑھ پارٹی کے بین بین ایک تعلیمی اور مذہبی طریقۂ کار قائم ہو، چنانچہ اس مقصد کے لیے ۱۸۹۴ء/ ۱۳۱۱ھ میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا، اس کے مقاصد حسبِ ذیل تھے:

(۱) نصابِ تعلیم کی اِصلاح، علومِ دین کی ترقی، تہذیبِ اَخلاق اور شائستگیٔ اَطوار۔

(۲) علماء کے باہمی نزاع کا رَفع اور اختلافی مسائل کے رَد و کد کا پورا اِنسداد[1]۔

ندوہ کے چار اَدوار

یہاں ایک بات ذہن نشین رہے، کہ ندوۃ العلماء مجموعی طَور پر چار اَدوار پر منقسم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دَور	قیامِ ندوۃ ۱۳۱۰/۱۸۹۳ء تا ۱۳۱۱/۱۸۹۴ء (مدرسہ فیضِ عام)
دوسرا دَور	غیر مقلّدیت کا غلبہ، روافض (شیعہ فرقہ) کی نمائندگی، اور نیچریت ۱۳۱۱/۱۸۹۴ تا ۱۳۱۲/۱۸۹۵
تیسرا دَور	۱۳۱۲/۱۸۹۵ تا ۱۳۴۰/۱۹۲۱ء (تحریکِ اصلاحِ ندوہ)
چوتھا دَور	۱۳۴۰/۱۹۲۱ء تا حال (صلحِ کلیت اور پھر غلبۂ دیوبندیہ)

مدرسہ فیضِ عام

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ کی جنگ آزادی کے ایک رَہنماء اور صاحب کتاب "تواریخِ حبیبِ اِلہ" مفتی عنایت احمد کاکَوروی[2] نے ۱۲۷۷ھ /۱۸۶۰ء میں

---

(۱) "رُودادِ ندوۃ العلماء" حصّہ ا، ص۱۶، و۲۳، ۲۴۔ و"مَوجِ کوثر" ندوۃ العلماء، ص۱۸۷۔

(۲) مفتی عنایت احمد بن محمد بخش بن غلام محمد کاکوروی، ۹ شوّال ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء میں اپنے دادیہال دیوہ شریف میں پیدا ہوئے، بعد میں اپنے والد کے ننہال کاکوری شریف آگئے،
=

=

جہاں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی، بعد میں رامپور، دہلی اور علیگڑھ وغیرہ میں اپنے وقت کے جیّد علماء سے علوم حاصل کیے، ان علمائے کرام میں شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے شاگرد: حضرت مولانا بزرگ علی مارَہرَوی (م ۱۸۴۵ء/ ۱۲۶۱ء) بھی تھے، جو علیگڑھ میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے۔ مولانا مارَہرَوی کے انتقال کے بعد مفتی عنایت احمد یہاں مدرِّس ہوئے، پھر سرکاری ملازمت میں آکر مفتی مصنِّف اور صدر امین ہوئے۔ اس کے بعد اکبر آباد میں صدر الصُدور بناکر بھیجے گئے، ہندوستان کے مشہور اور نامور علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۳ء کے ہنگامے کے وقت بریلی میں صدر امین تھے، بریلی میں خان بہادر خاں کے مشیر اور جنرل بخت خاں کے ہمراہ رہے تھے۔ مولانا احمد اللہ شہید نے علماء کی جو جہاد کمیٹی بنائی تھی، آپ بھی ان حضرات میں تھے، جہاد میں حصہ لینے کی وجہ سے کالے پانی (Cellular Jail Andaman Island) کی سزا ہوئی۔ ان کی رہائی بھی عجیب طریقہ سے ہوئی، حاکمِ جزیرہ کو کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو جغرافیہ کی مشہور کتاب "تقدیم البلدان" للبلاذری کا اردو ترجمہ کر سکے؛ تاکہ اس کے بعد اس کو انگریزی میں منتقل کیا جا سکے، اس خدمت کے مُعاوضہ میں ان کو رہا کیا گیا۔ ۱۸۶۰ء/ ۱۲۷۷ھ میں وطن واپس آئے اور کانپور میں عبد الرحمن خاں مالک مطبع نظامی کی دعوت پر "مدرسہ فیضِ عام" قائم کیا، تین سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ ۱۸۶۳ء/ ۱۲۸۰ھ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، مگر جدّہ کے قریب ان کا جہاز ایک سمندری چٹان سے ٹکرایا اور نماز پڑھتے ہوئے، شوّال ۱۲۷۹ھ/ ۱۷ اَپریل ۱۸۶۳ء میں باوَن ۵۲ سال کی عمر میں مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ مفتی صاحب کی مشہور و معروف تصانیف: "علم الفرائض"، "علم الصیغہ"، "تصدیق المسیح ورَدع حکم القبیح"، "الکلام المبین فی آیات رحمۃ اللہ للعالمین"، "رسالۃ فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ"، "الاربعین مِن احادیث النبی الامین ﷺ"، "ترجمہ تقدیم البلدان"، "تواریخ حبیبِ اِلہ" وغیرہ۔ (اردو زبان میں سیرتِ نبوی ﷺ میں یہ پہلی قابلِ ذکر کتاب ہے، اس کتاب میں جہاں آپ نے سیرت کے نمایاں پہلو اُجاگر کیے، وہیں آپ نورانیتِ مصطفی، حیاتِ انبیاء، محفلِ مَولود اور قیامِ تعظیمی

=

چار سالہ قید وبند کی صُعوبتوں سے جزیرہ انڈمان (Andaman Island) سے رہائی کے بعد، کانپور شہر کو اپنا دینی وعلمی مرکز بنایا، اور "مدرسہ فیضِ عام" کا قیام عمل میں لاکر، ہمہ دم وہمہ تن درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ اس مدرسہ کا افتتاح وقت کی بزرگ وبرتر شخصیت حضرت مولانا فضلِ رحمن گنج مرادآبادی [1] کے ہاتھوں ہوا۔

=

کے بھی قائل رہے)۔ ("مشعلِ راہ" ص۱۲۵، ۱۲۶۔ و"کانپور نامہ" ص۸۹، ۹۰۔ و"نزہۃ الخواطر" ۷/۳۷۶ تا ۳۷۸)

(۱) مولانا شاہ فضل رحمن ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شاہ اہل اللہ مشہور بزرگ حضرت مولانا سیّد عبدالرحمن لکھنوی کے مرید تھے، حضرت کا نام مَولائے لکھنوی نے ہی فضلِ رحمن رکھا تھا، یہ نام تاریخی بھی ہے۔ حضرت کے اَجداد میں شیخ شِہاب الدین زاہد آٹھویں صدی ہجری کی ابتداء میں ہندوستان تشریف لائے، اور بہار میں سُکونت اختیار کی۔ آپ نے مولانا نور الحق ابن مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے پڑھنے کے بعد، مولانا حسن علی لکھنوی کی معیت میں دہلی کا سفر کیا، اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی کے درس میں شریک ہوکر بخاری شریف کی سماعت کی، اس کے بعد وطن لَوٹ آئے۔ شاہ عبدالعزیز محدِّث دہلوی کے انتقال (۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) کے بعد پھر دہلی گئے، اور حضرت شاہ محمد آفاق کے فیضِ صحبت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی، بیعت واِرادت کا تعلق قائم کیا اور اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ دہلی سے وطن واپس آئے اور عرصہ دراز تک ملاواں میں قیام کیا۔ بیگم صاحبہ کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد میں دوسری شادی کی اور وہیں رہنے لگے، گنج مرادآباد کی سُکونت کے بعد آپ زیادہ تر سفر میں رہے، عرصہ تک مطابع میں قرآنِ مجید کی تصحیح کا کام کرتے رہے، جب عمر مبارک زیادہ ہوئی تو ترکِ سفر کرکے مستقل گنج مرادآباد میں قیام کیا۔ عقید تمندوں کا ہجوم ہوا، بڑے بڑے علماء ومشایخ حاضرِ بارگاہ ہوئے۔ فاضل بریلی مولانا شاہ احمد رضا خان کے دادا مولانا رضا علی خان کو آپ سے بیعت واِرادت اور خلافت کا شرف حاصل تھا، نیز فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا خان بھی

=

ابتداءً خود درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، پچیس تیس روپے ماہوار تنخواہ لیتے تھے، اس وقت کے مسلمان تاجرانِ کانپور مصارفِ مدرسہ کے کفیل تھے۔ مفتی صاحب علمِ دین کی اِشاعت اور اسلامی علوم وفنون کی ترویج کے ساتھ کس قسم کے اَفراد تیار کرنا چاہتے تھے، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلّہ "علم وآگہی" کے خصوصی شمارے "ادارے" میں اس کا ذکر اِن الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے: "اس زمانے میں مفتی صاحب کی ساری توجہ "مدرسہ فیضِ عام" کی ترقی اور اسلامی علوم وفنون میں کامل تعلیم وتربیت سے مزّین، ایسے افراد کی تیاری پر مرکوز تھی، جو سائنٹیفک (Scientific) بنیادوں پر مختلف میدانوں میں اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی خدمات سرانجام دے سکیں"[1]۔

=

١٢٩٢ھ/ ١٨٧٥ء میں، شیخ المحدّثین مولانا وصی احمد محدّث سُورتی کی رفاقت میں گنج مرادآباد آپ کی ملاقات کو پہنچے۔ حضرت نے مولانا بریلوی کا قصبے سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور اپنے مخصوص حجرے میں مہمان ٹھہرایا، اور عصر کے بعد کی صحبت میں آپ کے بارے میں حاضرین سے مُخاطِب ہوکر فرمایا: "مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے" اور اپنی ٹوپی اُڑھادی اور اُن کی خود اوڑھ لی۔ طویل عمر میں ٢٣ ربیع الاوّل ١٣١٣ھ/ ١٨٩٥ء کو وفات پائی۔ ہر سال یوم وفات کے دن عرس وفاتحہ واِیصال ثواب کے لیے عقید تمندوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ("تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" ص٢٠٧، ٢٠٨۔ و "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص٥٦، ٥٧۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف الفا، ٣٩٠-مولانا فضل الرحمن الگنج مرادآبادی، ٨/٣٨٤ تا ٣٨٧۔ و"پاکانِ اُمت" ٢/٣٣٨۔ و"تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی" مولانا کے خلفاء ومریدین، ص١٤٤۔)

(١) "علم وآگہی" ١٩٧٤، ١٩٧٥، ص٣٣٣۔

اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے مفتی صاحب نے جس خصوصی اِنہماک اور محنت کا مُظاہرہ کیا، تاریخ میں اس کی کم ہی مثالیں ملتی ہیں، یہ آپ کے حُسنِ سیرت اور حسن اَخلاق کا فیض تھا، کہ اس مدرسے میں برصغیر کے نامَور علماء اور آپ کے شاگرد تعلیم وتدریس سے وابستہ ہوگئے، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے مولوی سیّد حسین شاہ[۱]، مولوی احمد حسن[۲]، واصف بخاری، مولانا لُطف اللہ

(۱)حسین شاہ حنفی کشمیری کا شمار اپنے وقت کے مشہور علماء میں ہوتا ہے، آپ کی پیدائش وپروَرش کشمیر میں ہوئی، صغرِسِنی میں کانپور تشریف لائے، یہاں مفتی عنایت احمد کاکوروی سے شریف تلمذ حاصل کیا، اور آپ سے درسی کتب کی تکمیل کی، بعدہ "مدرسہ فیض عام" میں مدرِّس کے منصب پر فائز ہوئے، جہاں طویل عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیے، اس کے بعد بھوپال چلے گئے، وہاں ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں وفات ہوئی۔("نزہۃ الخواطر" حرف الحا،۲۴۸-السیّد حسین شاہ الکشمیری، ۷/۱۶۰)

(۲) مولانا احمد حسن بنیادی طَور پر پیٹالہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے، کہاجاتا ہے کہ کسی بزرگ نے تنبیہ کی کہ کب تک تاریکی میں بھٹکوگے، اگر اپنی قبر منوّر کرنا چاہتے ہو تو حدیث پڑھو، چنانچہ یہ وطن چھوڑ کر علمِ حدیث کی تحصیل کے سلسلے میں مختلف شہروں میں رہے، لکھنو میں مولانا عبد الحی فرنگی محلی سے بھی علمِ حدیث حاصل کیا، پھر ارضِ مقدّس جاکر حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکّی سے بیعت ہوئے، واپسی میں کانپور آئے اور یہاں "مدرسہ فیضِ عام" میں مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کے شاگرد ہوئے، ان کے علیگڑھ جانے کے بعد "مدرسہ فیضِ عام" میں مَسند صدارت کو زینت دی ۔ کاشغر، شام، مُوصل، حلَب، بخارا، افغانستان، سرحد وغیرہ کے بکثرت علماء نے آپ سے درس لیا، درس وتدریس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مگر بعد میں کچھ اختلاف کی بناء پر اپنا مدرسہ الگ قائم کیا، اور آخر تک اس سے وابستہ رہے۔ منطق اور فلسفے کے بڑے ماہر تھے، آپ کی تصانیف میں "تفسیر قرآن"، "شرح حمد اللہ"، "اِفاداتِ احمدیہ"، "شرح ترمذی" اور "تنزیہ الرحمن" (ردِّ غیر مقلّدیت) جس میں اِمکانِ کذب باری تعالی کا ردِّ بلیغ اور اِمتناع کذب باری تعالی کو ثابت فرمایا۔ ۳ صفر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں آپ کا =

علیگڑھی(۱)، نواب عبد العزیز اور مولوی سیّد عزیز الدین شکارپوری نے، اپنے استاد محترم کے سامنے تدریسی فرائض انجام دینے شروع کر دیے۔

=

وصال ہوا۔ مولانا شاہ محمد عادل کانپوری نے نماز جنازہ کی امامت کی، بساطی قبرستان کانپور میں آپ کی قبر پر ایک قبہ بھی تعمیر کیا گیا۔ ("تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" ص۲۵، و۲۷، ملتقطاً۔ و"کانپور نامہ" ص۹۱۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف الالف، ۲۹-مولانا احمد حسن الکانپوری، ۴۸،۴۷/۸)

(۱) مولانا محمد لُطف اللہ بن اسد اللہ پلکھنہ ضلع علی گڑھ میں ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے، والد صاحب نے تاریخ کہی "چراغ غم"۔ حضرت شاہ جمال علیگڑھی سے نسلی سلسلہ وابستہ ہے، ابتدائی رسالے گھر میں پڑھ کر جلیسر اپنی ننہال میں گئے، وہاں مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی، ابتدائی کتابیں اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ سے پڑھیں۔ مدرسہ جامع مسجد علیگڑھ میں مفتی عنایت احمد کاکوروی کے شاگرد تھے، بعد میں استاد نے جب کانپور میں "مدرسہ فیضِ عام" قائم کیا تو علیگڑھ سے آپ کو بھی بلا لیا۔ ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں مدرسہ کا مدرِّسِ دُوم مقرّر کیا۔ مفتی عنایت احمد کے انتقال کے ۷ سال بعد تک "مدرسہ فیضِ عام" سے وابستہ رہے، بعد میں علیگڑھ واپس چلے گئے، جہاں مدرسہ علیگڑھ جامع مسجد میں بحیثیت مدرِّسِ اوّل آپ کا تقرر ہوا۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارت کی بناء پر کثیر علماء نے آپ سے استفادہ کیا اور "استاذ العلماء" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ فارغین کی پہلی جماعت میں حضرت استاذِ زَمن مولانا شاہ احمد حسن کانپوری جیسے اکابر عالم تھے۔ مولانا لُطف اللہ متصلب حنفی تھے، اور تقلیدِ ائمۂ اربعہ کو ملّتِ مسلمہ کے لیے ضروری تصوُّر کرتے تھے، آپ نے اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ترکِ تقلید کی مذمت کی، اور تقلید کی حمایت میں کئی رسالے تحریر کیے۔ متعدّد ایسے فتوؤں پر مُہرِ تصدیق ثبت کی جو ترکِ تقلید کے رَد میں لکھے گئے تھے، کانپور میں قیام کے دَوران غیر مقلّد عالم اسماعیل علیگڑھی سے تحریری مُناظرہ کیا، آپ کی اس سرگرمی سے غیر مقلّدین کو شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ ۲۳ محرّم الحرام ۱۳۱۲ھ/ ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک مولوی صاحب کی جانب سے زہر سے بھرے نکتی کے لڈو بھیجے گئے، جس کے کھانے سے طبیعت بہت زیادہ نازک ہوگئی کہ مُعالج بھی پریشان تھے۔ ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا اور اہلِ شہر نے

=

مؤلِّف "استاذ العلماء" لکھتے ہیں کہ "مفتی صاحب شاگردوں کی بہاریں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوتے تھے، بالآخر مولوی سیّد حسین شاہ صاحب کو مدرِّس اوّل، اور مولوی لُطف اللہ صاحب کو مدرِّس ثانی مقرّر فرما کر حج کو روانہ ہوئے "[۱]۔

اس مدرسہ کے قیام میں جو حضرات دامے درمے پیش پیش رہے، ان میں سر فہرست منشی عبد الرحمن شاکر کی ذات ہے، جو ایک مستند ادیب، ممتاز صحافی اور اچھے شاعر تھے، ۱۸۷۴ء/ ۱۲۹۱ھ میں کانپور میں "مطبع نظامی" کی بنیاد ڈالی، جس کے تحت قرآن حکیم کی طباعت کے ساتھ ساتھ مختلف علوم کی کتابیں، صحت وصفائی کے ساتھ شائع کیں، حضرت فضلِ رحمن گنج مرادآبادی سے خصوصی رابطہ تھا، سر سیّد احمد خان کی انگریزی تعلیم کی کوششوں، اور ان کے مذہبی اَفکار کے سخت مخالف تھے، چنانچہ سر سیّد کے "تہذیب الاَخلاق" کے جواب میں "نور الاَنوار" اور "نور الاَخلاق" جیسے اخبار نکالے، اور سر سیّد کی مخالفت میں کھل کر لکھا[۲]۔

قیام مدرسہ کے دو برس بعد مفتی عنایت احمد کاکوروی صاحب سفرِ حج پر روانہ ہوئے، تو مدرسہ کو اپنے شاگرد مولوی لُطف اللہ علیگڑھی کے سپرد کر گئے، ۷ برس اس

=

مسرّت وشکر اس طرح کیا، کہ چندہ کر کے جامع مسجد میں شب کو مجلسِ میلاد مبارک منعقد اور رَوشنی کی گئی، صبح کو شیرنی تقسیم ہوئی۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ/ ۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو علیگڑھ میں اس دارِ فانی سے عالَمِ جاودانی کی طرف رخصت ہوئے۔ ("نزہۃ الخواطر" ۸/۴۰۳، ۴۰۴۔ و"کانپور نامہ" ص۹۱۔ و"علمائے اہلِ سنّت" ص۲۲۰۔ و"استاذ العلماء")

(۱) "استاذ العلماء" ص۱۴۔

(۲) "کانپور نامہ" ص۸۷۔

مدرسہ سے وابستہ رہنے کے بعد مولوی لُطف اللہ علیگڑھی واپس چلے گئے، مدرسہ کے مدرِّس اعلی مولوی احمد حسن ہوئے، مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد کچھ اختلافات کی بناء پر انہوں نے الگ مدرسہ "احسن المدارس" قائم کیا اور یہاں سے الگ ہوگئے، پھر مولوی اشرف علی تھانوی نے اس مدرسہ کی باگ دوڑ سنبھالی، مگر انہوں نے بھی کچھ عرصہ بعد اسے چھوڑ کر "جامع العلوم" کی بنیاد ڈالی، اور "مدرسہ فیضِ عام" کے صدر مدرِّس مولانا یحییٰ ہزاروی (۱) ہوئے۔ دھیرے دھیرے اس مدرسہ کی دینی ومذہبی شناخت بدلنے لگی، اور آج یہ "فیضِ عام انٹر میڈیٹ کالج" کے نام سے طالبانِ علم کو فیضاب کر رہا ہے (۲)۔

---

(۱) مولانا غلام یحیی ہزاروی ۱۸۷۳ء/ ۱۲۹۰ھ صوبہ سرحد کے ضلع ایبٹ آباد ہزارہ کے گاؤں "مور کلاں" میں پیدا ہوئے، یہ خاندان قدیم سے ہی علم وادب میں بہت محترم اور مکرّم تھا، مولانا یحیی نے ۱۷ سال کی عمر تک اپنے والد سے اکتساب علم کیا، پھر طلب علم میں دہلی، بھوپال، لکھنو، رامپور، اَمروہہ، خیر آباد اور ٹونک کے جیّد علماء کے سامنے زانوئے ادب تہ کیے، آخر میں کانپور آئے اور یہاں مولانا احسن کے شاگرد ہوئے، پھر یہاں کا علمی ماحول ایسا پسند آیا کہ ہمیشہ کے لیے یہیں رک گئے، پہلے "مدرسہ فیضِ عام" پھر "مدرسہ الٰہیات" کے صدر مدرِّس عرصہ دراز تک رہے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں اپنے وقت کے ماہرِ فن تھے۔ ان کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں چند آسمان علم وادب پر آفتاب بن کر چمکے، ان کے صاحبزادوں میں مولانا اسمٰعیل ذبیح تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے، یہاں کانپور میں دوسرے صاحبزادے مولانا اِسحاق علمی تھے، جنہوں نے آزادی کے بعد روزنامہ "سیاست جدید" کا اِجراء کیا، اور اپنی صحافتی سُوجھ بُوجھ کے سبب بہت نام کمایا، یہ اخبارات بھی مولانا اِسحاق علی کے صاحبزادے ارشاد علمی کی ارادت میں نکل رہا ہے، مولانا یحیی ہزاروی کے تیسرے صاحبزادے یوسف علوی صاحب ہیں، جو کانپور کی مجلسی زندگی کو رَونق بخشتے رہے۔("کانپور نامہ" ص۹۵)

(۲) "تذکرہ مصنّفین درس نظامی" ص۱۸۱۔ و"تواریخ حبیب اِلہ" ص۱۵،۱۶۔ و"کانپور نامہ" ص۹۰،۹۱۔

تنظیم ندوۃ العلماء کا قیام اور پہلا دَور

اسی مدرسہ کا فیض بالآخر "تنظیم ندوۃ العلماء" کی شکل میں عیاں ہوا، بعد اَزاں اس مدرسہ [مدرسہ فیضِ عام] کے پہلے طالب علم اور ان کے شاگرد مولانا محمد علی مونگیری[1] اس [تنظیم ندوۃ العلماء اور مدرسہ فیضِ عام] کے ناظم ومدرِّس

(۱) مولانا محمد علی بن عبد العلی حنفی نقشبندی کانپوری ثم مونگیری، ۳شعبان ۱۲۶۲ھ/ ۲۸ جولائی ۱۸۴۶ء میں کانپور میں اِحاطہ کمال خاں میں پیدا ہوئے، جہاں ان کا خاندان مسجد دلاری کے پاس قیام پذیر تھا۔ آپ کا سلسلۂ نَسَب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے، ان کے آبائے کِرام میں حضرت شاہ بہاء الحق مخدوم حبیب اللہ ملتانی، اور ان کے نامور فرزند حضرت شاہ ابوبکر چَرم پوش جیسے کبار اولیاء اللہ اور آسمان رُشد وہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ پورا خانوادہ شریعت وطریقت کی صراطِ مستقیم پر گامزن رہا، اور گم گشتہ راہ اس کی ضیاپاشیوں سے فائدہ اٹھاتے رہے، شیخ عبد القادر سے لے کر مولانا محمد علی مونگیری تک یہ سلسلۃ الذہب منقطع نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید اپنے چچا ظہور علی سے پڑھا، اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا سیّد عبد الواحد بلگرامی سے، درسیات کی تکمیل استاذ الاساتذہ مولانا لُطف اللہ علیگڑھی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی سے کی، نیز "شرح ملّا جامی" اور منطق کی بعض کتابیں سیّد حسین شاہ سے پڑھیں۔ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں "مظاہر علوم" چلے گئے، جہاں ۹ ماہ تک مولانا احمد علی سہارنپوری کی خدمت میں رہ کر ان سے "صحاح ستّہ"، "موطّا امام محمد" اور "موطّا امام مالک" پڑھیں۔ "مدرسہ فیض عام" کے اوّلین شاگردوں میں ان کا نام ہے۔ پہلے شاہ کرامت اللہ قادری اور بعد میں حضرت شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی کے حلقۂ اِرادت میں داخل ہوئے، یہاں جذب وسُلوک کی ان منزلوں سے گزرے کہ حضرت فضلِ رحمن نے انہیں خلافت تفویض کی۔ مولانا کی ساری زندگی علم کی ترویج وترقی میں گزری، ردِ عیسائیت، ردِ قادیانیت اور ردِ غیر مقلدیت میں آپ کی خدمات دینی کی مثال نہیں ملتی! چنانچہ ندوہ کے قیام کے سلسلے میں بھی پیش پیش رہے، اور اس کے ناظم اوّل رہے، مگر بعد میں کچھ اختلافات کی بناء پر مستعفی ہوکر ۱۹۰۳ء/ ۱۳۲۱ھ مونگیر واپس چلے گئے، جہاں اپنی خانقاہ قائم کی۔ آپ کے مریدین کی تعداد تقریبًا ۴ لاکھ کے قریب بتائی گئی ہے، ایک مطبع بھی وہیں قائم کیا، جس کے تحت مفید اور علمی =

رہے، انہی کے ہاتھوں "مدرسہ فیضِ عام" میں ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء میں "تنظیم ندوۃ العلماء" کا قیام عمل میں آیا۔

پہلے اِجلاس میں شرکت کرنے والے علماء کے اسماء

اس موقع پر اور پھر پہلے سالانہ اِجلاس میں تمام اسلامی مَکاتبِ فکر: سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت، روافض (شیعہ)، وہابیہ، نیچریہ کے اکابر نے شرکت کی اور بعض نے خطاب کیا، اور [ندوہ کے] قیام کو خوش آئند قرار دیا، شرکاء میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد علی مونگیری

(۱) مولانا عبدالقادر بدایونی[1]

=

کتابوں کی اِشاعت ہوتی تھی۔ آپ کی تصانیف میں: "پیغامِ محمدی" (ردّ عیسائیت)، "فیصلۂ آسمانی" (ردِّ قادیانیت)، "اِرشادِ رحمانی" (تصوّف) "غایۃ التنقیح فی اِثبات التراویح" (ردّ غیرمقلدیت) قابلِ ذکر ہیں۔ علم ومعرفت کا یہ سورج ایک عالَم کو اپنی ضیاپاشی سے منوّر کرکے ۹ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ/ ۱۳ستمبر ۱۹۲۷ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ ("نزہۃ الخواطر" ۸/۴۰۷تا۴۷۴۔ و"کانپور نامہ" ص۹۲۔ و"سیرت مولانا محمد علی مونگیری")

(۱) مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، ۱۷ رجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے، تقریب بسم اللہ دادا بزرگوار نے ادا کرائی، اس کے بعد مولانا شاہ نور احمد عثمانی بدایونی سے تحصیل علم شروع کیا، اَلوَر اور دہلی میں رہ کر حضرت علّامہ فضلِ حق خیرآبادی سے علومِ عقلیہ کی بکمال وتمام تحصیل کی، علّامہ فضلِ حق خیرآبادی کے شاگردوں میں چار شاگرد عناصرِ اَربعہ مانے جاتے تھے، اور عبدالقادر بدایونی ان میں سرفہرست شمار کیے جاتے تھے۔ آپ نے تکمیلِ علوم کے بعد والد ماجد سے سندِ حدیث حاصل کی، اور انہی کے دست شریف پر بیعت سے مشرّف ہوئے۔ سن ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں پہلی بار حج وزیارت کی حاضری کے

=

(۲) مولانا احمد حسن کانپوری

(۳) مولانا محمد حسین اِلٰہ آبادی اجمیری[1]

=

وقت خلافت واجازت سے سرفراز کیے گئے، مکہ مکرّمہ میں حضرت شیخ جمال عمر مکّی سے سندِ حدیث حاصل کی، ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں بغداد مقدّس کا سفر کیا، دربارِ غوث اعظم سے سرفراز وشاد کام ہوئے، ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں "مجلس ندوۃ العلماء" کانپور میں قائم کی گئی، اور بانیوں نے اہلِ سنّت کے ساتھ شیعوں، اور غیر مقلّد مولویوں کو شامل کیا توآپ نے سخت اختلاف کیا۔ آپ کی تصانیف میں: "حقیقۃ الشفاعۃ علی طریق اہل السُنّۃ" (مولوی نذیر حسین دہلوی کے رد میں)، "شفع السائل بتحقیق المسائل" (مسائل فقہیہ واعتقادیہ کی تحقیق وتصریح)، "سیف الاسلام" (مسئلہ قیام میں بشیر قنّوجی کا رد)، "ہدایۃ الاسلام" (ردِ روافض میں)، "عقائد الاسلام" (بزبان عربی عقائد کے بیان میں)، "تاریخ بدایوں" (مشاہیر علماء ومشائخ، اُدباء وشعراء کاتذکرہ)۔ ۱۷ جُمادَی الآخرہ کو اتوار کادن گزار کر شبِ دوشنبہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں بعد ادائے نماز مغرب ایک ہفتہ کی علالت کے بعد واصل بحق ہوئے، والد ماجد کے پہلو میں مدفون ہیں۔ ("تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۱۲۵تا۱۲۷۔ و"تذکرہ علمائے ہند" حرف العین المہملہ، ص۱۲۷۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف العین، ۹۔ ۲۷۷۔الشیخ عبدالقادر البدایونی، ۸/۲۹۴)

(۱) شاہ محمد حسین بن تفضل حسین اِلٰہ آبادی نامور عالم، عربی کے زبردست ادیب اور مرشد کامل تھے، آپ ۱۸۵۳ء/ ۱۲۷۰ھ محلّہ بہادر گنج اِلٰہ آباد میں پیدا ہوئے، مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ابوالحسنات عبد الحی فرنگی محلی، اور قاری عبد الرحمن پانی پتی سے تعلیم پائی، تکمیلِ درسیات کے بعد حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، اور شیخ الاسلام علّامہ سیّد احمد دَحلان مکی سے سندِ حدیث حاصل کی، حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی سے ارادت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ ہندوستان کے رُوحانی وعلمی حلقوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، ندوۃ العلماء کے بانیوں میں تھے، شبلی نعمانی کی آزاد رَوی اور مجلس میں نیچریت وبدعقیدگی کے اثر ونُفوذ کو بڑھتا دیکھ کر، اہلِ سنّت کے علماء کی فہمائش پر اصلاحِ ندوہ پر آمادہ ہوئے اور جلدی ندوہ چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اِکرام نے

=

(۴) مولانا لطُف اللہ رامپوری[۱]

(۵) مولانا لُطف اللہ علیگڑھی

(۶) مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی[۲]

=

"یادگارِ شبلی" مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور میں لکھا ہے کہ "شاہ محمد حسن اِلہ آبادی کی ندوہ سے علیحدگی ایک بڑی محرومی ہے"۔ ۹ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء کو سماع کی ایک محفل میں عالَمِ وَجد میں رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ("تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۲۴۶، ۲۴۷۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف المیم، ۴۵۳-مولانا محمد حسین الاِلہ آبادی، ۴۴۸/۸ تا ۴۵۲، ملتقطاً)

(۱) مولانا محمد لُطف اللہ ابن مولانا سعد اللہ رامپوری، ۱۲۵۴ھ میں لکھنو میں پیدا ہوئے، تعلیم والد ماجد اور علماء رامپور سے پائی، مدرسہ عالیہ میں مدرِّس اوّل ہوئے، پھر بھوپال چلے گئے، اِشاعت علومِ دینیہ کا بے حد شَوق تھا، "مدرسہ انوار العلوم" قائم کیا، جس کی تعمیر میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امام احمد رضا بریلوی کے فتاوی پر بکثرت تائیدی دستخط کیے۔ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء دوشنبہ کے دن انتقال ہوا، اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں: "حل الدقائق فی تحقیق صبح صادق"، "ضمیمۂ فتاوی اسعدیہ"، "رسالہ دَر بیان نکاح سُنّی بازَنِ شیعہ" فارسی (یہ ۱۸ صفحات کا فتوی قلمی کتب خانہ رامپور میں موجود ہے)۔ ("تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۲۲۱۔ و"تذکرہ کاملان رامپور" حرف اللام، ص۳۳۸، ۳۳۹، ملتقطاً۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف اللام، ۴۰۸-المفتی لُطف اللہ الرامپوری، ۴۰۴/۸، ۴۰۵)

(۲) مولانا شاہ وصی احمد ابن مولانا محمد طیّب، ۱۸۳۶ء/ ۱۲۵۲ھ میں بعہدِ معین الدین اکبر شاہ ثانی، راندیر ضلع سُورت میں پیدا ہوئے، آپ کے اَجداد مدینہ منوّرہ کے ساکن تھے، تسمیہ کی رسم دادا بزرگوار نے ادا کرائی، والد ماجد سے تحصیل علم میں مصروف ہوئے۔ ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۳ھ کے غدر میں انگریزوں کے ہاتھوں آپ کے خاندان کے متعدّد افراد مارے گئے، تو آپ اپنے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ کئی دن رُوپوش رہنے کے بعد کسی طرح عراق

=

(۷) مولانا احمد رضا خان بریلوی[1]

=

پہنچ گئے، ۳سال کے بعد وہاں سے حج وزیارت کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے، حج کے بعد چند ماہ مدینہ منوّرہ میں مقیم رہے۔ پھر راندیر واپس آرہے تھے کہ والد ماجد نے سفرِ آخرت اختیار کیا، راندیر پہنچنے کے کچھ عرصے بعد والدہ ماجدہ نے بھی داغِ جُدائی دیا، والدہ کی رحلت کے بعد چھوٹے بھائی کو لے کر تحصیل وتکمیلِ علوم کی غرض سے دہلی کے "مدرسہ حسین بخش" میں پہنچے، اس کے بعد علیگڑھ میں مولانا محمد لُطف اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر دونوں بھائیوں نے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ ۱۸۶۵ء/ ۱۲۸۲ھ میں سہارنپور محشّی بخاری مولانا احمد علی (المتوفّی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) کے پاس پہنچے، اور ان کے درسِ حدیث میں شرکت کرکے سندواجازت حاصل کی۔ بعدہ مولانالُطف اللہ کے اِیماء ومشورہ سے گنج مرادآباد پہنچ کر، حضرت مولاناشاہ فضلِ رحمن سے بیعت وارادت کاتعلق قائم کیا،اور سندِ حدیث کے ساتھ سندِ خلافت بھی پیرومرشد نے مرحمت فرمائی۔مجلسِ ندوہ(جواپنے قیام کے بعداپنے مقاصد سے ہٹ گئی تھی،اُس)کی اصلاح میں آپ امام احمد رضا بریلوی کی خواہش پر پیش پیش رہے۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء ۸ جُمادَی الآخرہ کوآپ کا انتقال ہوا۔ تصانیف میں: "حاشیہ سنن نَسائی" (مطبوعہ مطبع نظامی) "حاشیہ طحاوی" (مطبوعہ مصر) "تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی" (مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنو) "حاشیہ جلالَین"، "حاشیہ مشکاۃ"، "جامع الشواہد فی اِخراج الوہابیین عن المساجد"۔ ("تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۲۵۷-۲۶۱، ملتقطاً۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف الواو، ۷ ۵۴۲- المولوی وصی احمد السُورتی،۸/ ۵۴۲،۵۴۳)

(۱) مولانااحمد رضاخان ابن مولانانقی علی خان،۱۰شوّال المکرّم ۱۲۷۲ھ/ جون۱۸۵۶ءمیں بریلی میں پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم اپنےوالدماجد سے حاصل کی،۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ءتیرہ برس کی عمرمیں والدماجد سے درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ءکے بعد تھوڑے دنوں رامپور میں قیام کرکے مولانا عبد العلی ریاضِی داں سے "شرح چغمینی" کے چند سبق پڑھے۔ ۵ جُمادَی الآخرہ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ءمیں مولاناعبدالقادر بدایونی کی معیت میں مارَہرہ حاضرہوکر مخدوم آلِ رسول مارَہرَوی سے مرید ہوئے، اسی وقت اجازت وخلافتِ مطلق پیر مرشد کی طرف سے مرحمت ہوئی، اور

=

=

انہوں نے آپ کی بیعت پر مسرّت کا اظہار فرمایا۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں والد ماجد کی معیت میں پہلی بار حج وزیارت کے لیے گئے، شیخ عبد الرحمن سراج مفتیٔ حنفیہ مکہ نے فقہ کی اجازت وسند دی، شیخ الاسلام علّامہ احمد زینی دَحلان نے حدیث کی اجازت بخشی، حضرت حسین صالح جمل اللیل شافعی امام مسجدِ حرام بغیر کسی سابقہ تعارُف کے، مغرب کے بعد مقام ابراہیم سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، اور دیر تک آپ کی پیشانی کو تھامے ہوئے "إنّي لأجدُ نورَ الله في هذا الجبين"، "میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں" فرماتے رہے، اور ضیافت کے بعد صحاح ستّہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت وسند دے کر رخصت کیا۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء میں دوسری بار حاضری دی، اس حاضری میں دیارِ عرب کے علماء ومشائخ کبار نے آپ سے استفادہ کیا، اجازت وخلافت حاصل کی اور آپ کے علمی تبحر کا اعتراف کیا۔ فقہ حنفی کے عظیم المرتبت عالم علّامہ صالح کمال کے پیش کردہ ۵ سوال متعلقہ بعلم غیب کا بغیر مُراجعتِ کتب، دو دن کی مختلف نشستوں میں ساڑھے آٹھ ۸ گھنٹے میں، جامع ومانع کتاب "الدولة المكية بالمادّة الغَيبيّة" کے نام سے جواب لکھا۔ شیخ الخطباء احمد ابو الخیر مِرداد نے مذکورہ کتاب کی سماعت کے بعد حُسنِ انشاء، طرزِ استدلال اور جامعیت کی بے حد تحسین کی، اور علومِ خمسہ کے اضافہ کا مشورہ دیا، نیز کتاب پر اَز خود تقریظ لکھی، اور آپ کی شان میں امام ومجدّد جیسے بلند کلمات لکھے۔ شیخ الخطباء کے فرزند شیخ عبد اللہ مِرداد قاضیٔ مکۂ مکرّمہ، اور شیخ حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے بارے میں استفتاء کیا، آپ نے اس کا مبسوط و مفصَّل جواب تحریر فرمایا، جو بعد میں "كفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهم" کے نام سے مطبوع ہوا۔ معمّر بزرگ شیخ الدلائل محدّث جلیل علّامہ عبد الحق اِلہ آبادی مہاجر نے، جن کو مکہ مکرمہ میں مَرجعت اور قبولِ عام حاصل تھا، چند بار آپ کی قیام گاہ پر آپ سے ملاقات فرمائی۔ مدینہ طیّبہ کے علماء نے بھی اِکرام کیا، اور سندِ حدیث وتفسیر اور خلافت وطریقت حاصل کی، اور بکثرت عمائد وساکنانِ مدینہ طیّبہ نے آپ سے بیعت کا تعلق قائم کیا۔

=

=

۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء کے پیدا شدہ فتنۂ ندوہ کا مقابلہ فرمایا، فتنۂ تفضیلیت کے اِنسداد میں سعیٔ بلیغ فرمائی، قادیانیت کے بڑھتے ہوئے کفری اثرات کو روکا، تصوُّف کی غلط ترجمانی پر ضرب کاری لگائی، ترکِ تقلید کی وَبائے عام کا سدِّباب کیا، اور دیوبندیت کی طاغوتی قوّت کو پوری طاقتِ ایمانی سے روکا، اور تحریکِ خلافت کی غیر اسلامی روِش وطریقہ پر تنقید فرمائی، اور کتابیں اور رسالے تالیف کیے۔

آپ کی ذات عشقِ رسول میں پگھلتی ہوئی ایسی شمعِ فروزاں تھی، جس سے نگر نگر عشق رسول کا اُجالا پھیلا، حفاظت وصیانتِ دین کی انہی مَساعی کے پیشِ نظر ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء کے جلسۂ اِصلاح ندوہ العلماء پٹنہ میں اکابر علماء ومشایخ کی موجودگی میں، حضرت شاہ عبد المقتدِر بدایونی نے اپنی تقریر کے دَوران آپ کو مجدِّدِ مأۃِ حاضرہ کے لقب سے یاد کیا، اور موجود وغیر موجود اکابر نے اس پر اتفاق کیا۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کو بریلی میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی شخصیت کمال ذَہانت کے مالک تھی، آپ نے ۱۱ برس کی عمر میں "ہدایۃ النحو" کی شرح لکھی، یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے، اس کے بعد پچاسوں موضوعات پر سینکڑوں کتب ورسائل تصنیف فرمائے، جن میں چند ذکر کی جاتی ہیں: "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن"، حاشیہ "تفسیر بیضاوی"، حاشیہ "مَعالم التنزیل"، حاشیہ "تفسیر خازِن"، حاشیہ "صحیح البخاری"، حاشیہ "صحیح مسلم"، حاشیہ "ترمذی"، حاشیہ "نَسائی"، حاشیہ "ابن ماجہ"، "جد الممتار" (فتاوی شامی پر تعلیقات مطبوع دار اہل السنّۃ) حاشیہ "فواتح الرحموت"، حاشیہ "کتاب الخراج"، حاشیہ "ہدایہ"، حاشیہ "فتح القدیر"، حاشیہ "جَوہرہ نیّرہ"، حاشیہ "مَراقی الفلاح"، حاشیہ "البحر الرائق"، حاشیہ "طحطاوی"، حاشیہ "عالمگیری"، "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" (مطبوع دار اہل السنّۃ) "فتاوی افریقہ"، "الزُلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" (مطبوع دار اہل السنّۃ)، "شمائم العنبر فی ادب النداء اَمام المنبر" (مطبوع دار اہل السنّۃ) "فتاوی الحرمین برَجف ندوۃ المین" (آن لائن دار اہل السنّۃ) "الرَوض البہیج فی آداب التخریج"، "مدارج طبقات الحدیث" وغیرہ۔ ("تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۴۲-۴۶، ملخّصاً۔ و"الملفوظ" حصہ دُوم، ص۱۰۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف الالف، ۳۲- المفتی احمد رضا خان البریلوی، ۴۹/۸-۵۲، ملتقطاً۔ و"حیاۃ الامام احمد رضا")

(۸) مولوی ظُہور الاسلام فتح پوری [۱]

(۹) مولوی نور محمد [۲] مدرِّس مدرسہ اسلامیہ فتح پور

(۱۰) حکیم محمد فخر الحسن گنگوہی [۳]

---

(۱) ظہور الاسلام بن حسن علی حسینی کاظمی فتح پوری، رائے بریلی کے ایک گاؤں دلموؤ میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا، علیگڑھ میں مفتی لُطف اللہ سے درسی کتب کی تعلیم حاصل کی، حدیث اور بعض دیگر کتب علّامہ عبد الحی لکھنوی سے پڑھیں، قاری عبد الرحمن پانی پتی سے سندِ حدیث حاصل کی، شہر فتح پور میں "مدرسہ عربیہ" کی بنیاد رکھی، اور مدّتوں درس دیا، مجلس ندوۃ العلماء کے بنیادی اراکین میں رہے۔ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں فتح پور میں انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الظاء، ۱۹۰- مولانا ظہور الاسلام فتح پوری، ۸/۲۲۰، ۲۲۱)

(۲) نور محمد ابن شیخ احمد حنفی فتح پوری پنجاب کے شہر شاہ پور میں ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے، چند کتب درسیہ مولوی عبد الرحمن بن عبید اللہ ملتانی سے پڑھیں، پھر دہلی میں عبد اللہ ٹونکی سے تحصیل علم کیا، بعدہ علیگڑھ جاکر تمام کتب درسیہ نقلیہ و عقلیہ لُطف اللہ بن اسد اللہ کوئلی [علیگڑھی] سے پڑھیں، اور فضلِ رحمن مرادآبادی سے طریقت و تصوُّف اور سندِ اجازت حاصل کی، فتح پور کے مدرسہ اسلامیہ کے صدر مدرّس رہے۔ ۸ رجب ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء کو انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف النون، ۵۴۱- مولانا نور محمد فتح پوری، ۸/۵۳۷)

(۳) فخر الحسن بن عبد الرحمن حنفی گنگوہی، ۱۸۴۶ یا ۱۸۴۷ء / ۱۲۶۲ یا ۱۲۶۳ھ دہلی میں پیدا ہوئے، اپنی زندگی کے ابتدائی ۱۲ سال اپنے نانا اور والد کی زیر نگرانی میں گزارے، اور یہیں اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔ رشید احمد گنگوہی سے علمِ حدیث پڑھا، پھر مدرسہ عربیہ "دار العلوم دیوبند" میں داخلہ لیا اور قاسم نانَوتوی سے اعلی کتابیں پڑھیں۔ قاسم نانوتوی کے ممتاز و منتخب تلامذہ میں سے تھے، سفر و حضر میں اپنے استاذ نانوتوی کے ساتھ رہتے تھے۔ مناظرہ سے بڑی دلچسپی تھی، ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۴ء کے اَواخر یا ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۵ء کے اوائل میں مدرسہ عربیہ "قاسم العلوم" جامع مسجد نگینہ ضلع بجنور میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں دہلی کے "مدرسہ عبد الربّ" میں ملازمت مل گئی، ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء تا ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء خورجہ

=

(۱۱) شبلی نعمانی (۱)

=

ضلع بلند شہر کا سفر اختیار کیا، اور اپنے استاد کے قائم کردہ مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا، اپنے استاد کے علوم واِفادات کی حفاظت اور ترتیب وتحریر اور اِشاعت میں نہایت گرانقدر خدمات انجام دیں۔ نانَوتوی صاحب کی متعدّد اہم ترین تالیفات کے ابتدائی اور صحیح ترین نسخے فخر الحسن گنگوہی کی توجہ اور کوشش سے چھپے۔ فخر الحسن گنگوہی اپنی بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے گنگوہ سے سُکونت ترک کرکے کانپور چلے گئے تھے، اور وہیں مطب اور مستقل طَور پر سُکونت اختیار کرلی تھی۔ کانپور میں ان کے مکان میں آگ لگ گئی، جس میں کتابوں کے ساتھ "سوانح عمری نانَوتوی" کا مسودّہ بھی جل گیا۔ عمر کے آخری ایام میں ندوۃ العلماء کی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ تصانیف: ابوداوٗد کا ایک مبسوط حاشیہ "التعلیق المحمود" کے نام سے لکھا، یہ حاشیہ مطبع مجیدی کانپور میں چھپا، "ابن ماجہ" کا بھی حاشیہ لکھا جو مطبع نامی کانپور سے چھپا، ان کا ایک حاشیہ "تلخیص المفتاح" پر بھی ہے، "مباحثہ شاہ جہانپور"، "تقریر دل پذیر"، "قبلہ نما" وغیرہ۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں کانپور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الفاء، ۳۸۲-فخر الحسن گنگوہی، ۳/۸/۶۔ ۳۷۳ و "سوانح علمائے دیوبند" ۵۲۵/۲-۶۵۴، ملتقطاً)

(۱) شبلی بن حبیب اللہ بندولی، ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں بندول میں پیدا ہوئے، عربی کی تعلیم مولانا فاروق بن علی عباسی چڑیاکوٹی سے حاصل کی، اس کے بعد انہی سے منطق وحکمت کی تعلیم پائی، پھر رامپور کا سفر اختیار کیا اور فقہ واُصول اِرشاد حسین رامپوری سے حاصل کیا، اس کے بعد لاہور چلے گئے اور فنون ادبیہ فیض الحسن سہارنپوری سے حاصل کیا، پھر سہارنپور آئے اور لُطف اللہ سہارنپوری سے علم حدیث حاصل کیا۔ علیگڑھ یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دیے، مختلف اَمصار کے تبلیغی دَورے کیے، جن میں رُوم، شام، مصر بھی ہیں، اور اہل علم وحکمرانوں سے ملاقاتیں کیں، پھر ہندواپس آئے تو انگریز سرکار نے ان کو "شمس العلماء" کا لقب دیا۔ پھر مجلس ندوۃ العلماء سے اوّل دن سے منسلک ہوئے، اور اس کے بنیادی بانیاں میں ہوئے، شروع میں اپنے خاندانی اثر کے مطابق مذہبی لحاظ سے مضبوط فکر کے

=

(۱۲) مفسّرِ قرآن کریم مولوی عبد الحق حقّانی دہلوی(۱)

=

حامل تھے، سر سیّد احمد خان کی صحبت میں رہ کر اُن کے اَفکار ونظریات سے بے حد متاثر ہوئے، فکر واعتقاد میں اکثر تذبذُب کا شکار رہتے، اُصول میں معتزلی تھے اور اَشاعرہ کا شدید رَد کیا کرتے۔ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء اَعظم گڑھ میں انتقال کیا۔ تصانیف: "سیرۃ الغزالی"، "سیرۃ عمر الفاروق"، "اِزالۃ اللَوم فی ذکر اَعیان القوم"، "السیرۃ النبویۃ"۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الشین، ۱۶۷- شبلی بن حبیب اللہ البندولی، ۸/۱۸۹-۱۹۱، ملتقطاً)

(۱) مولوی عبد الحق حقّانی ابن محمد امیر حنفی صوبہ پنجاب کے شہر اَنبالہ کے قریب "گمتھلہ" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، ۲۷ رجب ۱۲۶۷ھ/ مئی ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بزرگ اَورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں کابُل سے ہندوستان آئے تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد کانپور منتقل ہوئے، اور وہاں پر انہوں نے مولانا عبد الحق بن غلام رسول حسینی کانپوری، اور مولانا لُطف اللہ بن اسد اللہ کوئلی [علیگڑھی] سے بعض درسی کتب کی تعلیم حاصل کی، پھر مراد آباد جاکر مولانا عالَم علی شاہ سے صحاح کی بعض کتابیں پڑھیں، مرادآباد کے بعد دہلی میں بالخصوص نذیر حسین دہلوی سے بھرپور استفادہ کیا، اور اس طرح تعلیمی سفر کی تکمیل کرکے "مدرسہ فتح پوری" دہلی سے بحیثیت مدرّس وابستہ ہوگئے، اور وہاں طویل عرصہ تک درس وتدریس میں رہے۔ پھر تدریس کو ترک کرکے تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے۔ مولانا عبد الحق حقّانی کو نظام الملک آصف جاہ میر محبوب علی خاں بہادر کے عہدِ اِقتدار میں حیدرآباد سے وظیفہ جاری کیا گیا، اس کا فائدہ یہ ہوا کے مولوی عبد الحق حقّانی کو یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مصروف ہونے کا موقع مل گیا، اور پھر آپ نے متعدّد کتابیں تصنیف کیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں: "التعلیق النامی علی الحُسامی"، "عقائد اسلام" (اردو) "البرہان فی علوم القرآن" (اردو) "فتح المنّان فی تفسیر القرآن"، "شرح حجۃ اللہ البالغہ" وغیرہ۔ آپ کے علمی مقام ومرتبہ کی وجہ سے پورے ہند میں آپ کی شہرت پھیل گئی، اور پھر حکومت برطانیہ کی جانب سے "شمس العلماء" کے لقب سے ملقّب کیے گئے۔ سر سیّد نے عقلیت پسندی کا حد درجے اظہار کیا، اس لیے اپنی تفسیر کے مقدّمہ

=

(۱۳) محمود حسن دیوبندی(۱)

(۱۴) مولوی شاہ محمد سلیمان پھلواروی(۲)

=

میں ان کا جابجا تعاقُب کیا اور ان کی انتہاء پسندی کی شدید مخالفت کی۔ ۱۲ جُمادَی الاُولی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی نمازِ جنازہ مولانا آخوند محمد عمر نے پڑھائی۔ ("نزہتہ الخواطر" حرف العین، ۲۱۲-مولانا عبد الحق الدہلوی، ۲۴۱/۸، ۲۴۲۔ و"سر سیّد کے آراء واَفکار کا مولانا عبدالحق حقّانی کی تفسیر کی رَوشنی میں تنقیدی وتحقیقی جائزہ" ص۴۴)

(۱) محمود حسن بن ذوالفقار علی دیوبندی، ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز ٦ سال کی عمر ہوا، قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کتابیں مولانا عبد اللطیف سے پڑھیں، تعلیم وتربیت مولوی احمد دہلوی، مولوی یعقوب بن مملوک العلی نانَوتوی اور مولوی قاسم نانَوتوی سے پائی، طویل مدّت تک مولوی قاسم کی صحبت میں رہے، دار العلوم دیوبند کے اوّلین طلباء میں شمار ہوتا ہے، ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں "دار العلوم دیوبند" کا مُعاوِن مدرّس بنایا گیا، پھر ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں "مدرسہ عربیہ دیوبند" کے صدر مدرّس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، ہندوستان میں تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا، جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی آپ کی تحریک سے وابستہ ہوئے، مہندر پرتاب اور گاندھی اور دیگر آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء/ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ کو دہلی کے علاقے دریا گنج میں انتقال ہوا۔ تصانیف: "حاشیہ سنن ابی داوٗد"، "جُہد المقل فی تنزیہ المعز والمذِل"۔ ("نزہتہ الخواطر" حرف المیم، ۴۹۵-محمود حسن دیوبندی، ۴۹۱/۸ تا ۴۹۵)

(۲) مولوی سلیمان بن داوٗد پھلواروی، ۱۲۷٦ھ/ ۱۸۵۵ء میں پھلوار صوبہ بہار میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، پھر علّامہ عبد الحی لکھنوی، احمد علی سہارنپوری اور نذیر حسین دہلوی سے درسیات کی تکمیل کی، ابتدائی ایام میں حدیث پر اعتماد کرتے تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے نذیر حسین دہلوی کی کتاب "معیار الحق" پر تقریظ لکھی، پھر صُوفیت کی طرف مائل ہوئے اور گنج مرادآباد کا سفر اختیار کیا، مولانا فضلِ رحمن گنج مرادآبادی کی صحبت اختیار کی، بعدہ سندِ اجازت حاصل کی، حرمین شریفین کی حاضری کے وقت اِمداد اللہ

=

(۱۵) اشرف علی تھانوی [1]

(۱۶) ابو محمد ابراہیم آروی [2] مہتمم مدرسہ احمدیہ آرہ

=

مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور طریقت کی تعلیم اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ مجلس ندوۃ العلماء کے اکابر مؤیّدین میں ان کا شمار ہوتا ہے، کئی کانفرنسز میں خطاب کیا، اور اس کے اَغراض ومقاصد کی تائید ومُعاوَنت کرتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں: "شجرۃ السعادۃ وسلسلۃ الکرامۃ"، "آداب الناصحین"، "ذکر الحبیب"، "شرح قصیدۃ الغوثیہ"، "شمس المعارف"، "رسالہ صلاۃ وسلام" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف السین، ۱۶۲- مولانا سلیمان بن داؤد پھلواروی، ۸/۱۸۳ تا ۱۸۵)

(۱) اشرف علی بن عبد الحق حنفی تھانوی، ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ/ ۹ ستمبر ۱۸۶۳ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی، فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں، اور حافظ حسین دہلوی سے قرآن پاک حفظ کیا، پھر تھانہ بھوَن آکر مولانا فتح محمد سے عربی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی اکثر کتابیں پڑھیں، پھر تحصیل وتکمیل علوم دینیہ کی غرض سے "دار العلوم دیوبند" گئے، جہاں معقولات اور بعض منقولات، فقہ اور اُصول کی کتابیں محمود حسن دیوبندی سے پڑھیں، فنون ریاضِی اور علم میراث احمد دہلوی، اور حدیث وتفسیر کی کتب یعقوب بن مملوک علی نانَوتوی سے پڑھیں۔ زیارتِ حرمین کے لیے گئے اور اِمداد اللہ مہاجر مکی سے طریقت واجازت حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد کانپور آگئے اور "مدرسہ فیض عام" میں پڑھانا شروع کیا، بعدہ کانپور چھوڑ کر وطن واپس آئے اور "مدرسہ اشرفیہ" کی بنیاد رکھی۔ تصنیف میں: "بیان القرآن"، "التکشُّف عن مہمات التصوُّف"، "بہشتی زیور"، "حفظ الایمان"، "اِمداد الفتاوی"، "رسالہ الاِمداد"، "الاِفاضات الیومیہ من الافادات القومیہ"، "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" ہیں۔ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ/ ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کو تقریبًا ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا، اور تھانہ بھوَن میں دفن ہوئے۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الالف، ۵۵- اشرف علی تھانوی، ۸/۶۴ تا ۶۸)

(۲) ابو محمد ابراہیم بن عبد العلی آروی ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے، ملکی محلّہ آرہ کے ایک معزّز گھرانے کے چشم وچراغ تھے، ابتدائی کتابیں مولوی حکیم ناصر علی وقاضِی مولوی محمد کریم

=

(۱۷) ابو سعید محمد حسین بٹالوی [۱]

=

ومولوی نورالحسن (آروی) اور مولانا الٰہی بخش خان صاحب بہاری سے پڑھیں، اس کے بعد متوسطات اور اکثر معقولات کی بڑی کتابیں مولانا لُطف اللہ علیگڑھی سے پڑھیں، اور تکمیل مولانا سعادت حسین بہاری سے کی، انہی سے سند فراغت حاصل کی۔ دیوبند اور علیگڑھ میں بھی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوری کے حلقہ میں شامل ہو گئے اور سند حدیث حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ نے آرہ میں عمل بالحدیث کو رَواج دیا، اور وہاں پر ایک جامع مسجد اور بہت بڑے پیمانے پر "مدرسہ احمدیہ" کے نام سے ایک جامعہ دِینیہ کا سنگ بنیاد رکھا، اور "مطبع خلیلی" کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کیا، اس مدرسہ میں "مذاکرہ علمیہ" کے نام سے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے اور دُور دُور سے مشاہیر تشریف لاتے، جن میں نذیر حسین دہلوی، شبلی، مولوی ذکاء اللہ، ڈپٹی نذیر احمد قابل ذکر ہیں، ان کے اور شیخ امانت اللہ غازی پوری کے درمیان مسئلۂ تقلید ورَفض میں کئی مُناظرے ہوئے، یہاں تک کہ دونوں "مجلس ندوۃ العلماء" لکھنو میں جمع ہوئے، تو اراکینِ مجلس ندوۃ نے ان دونوں کے درمیان صلح کرادی۔ متعدّد تصانیف تحریر کیں جن میں: "طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح مِن المشکاۃ"، "فقہ المحمدی"، "اَرکان الاسلام"، "القول المزید فی اَحکام التقلید" وغیرہا۔ ٦ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الالف، ٦- مولانا ابراہیم بن عبد العلی آروی، ۱۲/۸، ۱۳)

(۱) ابو سعید محمد حسین بن رحیم بخش بٹالوی، ۱۷ محرّم ۱۲۵٦ھ/ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، پھر دہلی، لکھنو، علیگڑھ وغیرہ کا سفر اختیار کیا، اور مفتی صدر الدین دہلوی، مولوی نور الحسن کاندھلوی وغیرہما سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی، پھر طویل عرصہ نذیر حسین دہلوی کی صحبت میں رہ کر حدیث کی تکمیل کی، ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں ماہنامہ "اِشاعۃ السُنۃ" جاری کیا، جس کا بنیادی مقصد اہلِ حدیث [غیر مقلّد] مسلک کی اِشاعت تھا، جس میں ائمۂ اربعہ کے مقلدین، خصوصاً اَحناف کا شدید رَد کرتے ہوئے تعصب کا مظاہرہ کیا، مرزا غلام قادیانی، سر سیّد احمد خان اور عبد اللہ چکڑوالی کے افکار ونظریات کا کھل کر رَد کیا۔ تصانیف میں: "البرہان الساطع"، "منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری"، "البیان فی رَد البرہان"، "الاقتصاد فی حکم

=

(۱۸) خلیل احمد سہارنپوری (۱)

(۱۹) ثناء اللہ امرتسری (۲)

=

الشہادۃ والمیلاد"، "المفاتیح فی بحث التراویح" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۸ھ بٹالہ میں انتقال ہوا، ثناء اللہ امرتسری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف المیم، ۴۵۴-مولای محمد حسین بٹالوی، ۴۵۰/۸ تا ۴۵۲۔ و"ہندوستان میں اہلِ حدیث کی علمی خدمات" صـ۱۰۰۔ و"حیات میاں نذیر حسین دہلوی" صـ۷۶۔ و"سیرت ثنائی" صـ۴۵۳)

(۱) خلیل احمد بن مجید علی انبھٹوی سہارنپوری اَواخر صفر ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے، مدرسہ دیوبند میں اپنے ماموں یعقوب بن مملوک علی اور مظہر نانَوتوی وغیرہ سے پڑھا، پھر "مظاہر العلوم" سہارنپور میں علوم اَدبیہ کی تعلیم فیض الحسن سہارنپوری سے حاصل کی، تحصیل علم کے بعد رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعت کی، مدرسہ مظاہر العلوم میں بطور مدرّس اپنی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ناظمِ اعلی مقرّر ہوئے۔ تصانیف میں: "المہند علی المفند"، "ہدایات الرشید اِلی افحام العنید"، "مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الاِمامۃ" (دونوں کتب شیعہ امامیہ کے رَد میں لکھیں) "بذل المجہود فی شرح سنن ابی داوٗد" ہیں۔ ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء مدینہ منوّرہ میں انتقال ہوا، جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الخاء، ۱۳۰-خلیل احمد سہارنپوری، ۱۴۵/۸ تا ۱۴۸)

(۲) ثناء اللہ بن محمد خضر جو کشمیری امرتسری، ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء امرتسر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورَش ہوئی، آباء واَجداد کا تعلق کشمیری پنڈتوں کی ایک شاخ منٹو خاندان سے تھا، یہ لوگ دَوڑ کے رہنے والے تھے، جو تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر میں واقع ہے، جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ احمد اللہ رئیس امرتسر کے "مدرسہ تائید الاِسلام" میں علوم اسلامیہ کی ابتدائی کتب پڑھیں، اس کے بعد وزیر آباد کے استاد عبدالمنّان محدّث وزیر آبادی سے علم حدیث، فقہ اور دوسرے علوم حاصل کیے، بعدہ دیوبند کا سفر اختیار کیا اور وہاں کے اساتذہ سے منطق، حکمت، اُصول اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر کانپور چلے گئے وہاں "مدرسہ فیض عام" میں مولانا احمد حسن کانپوری سے بڑی کتب درسیہ پڑھیں، پھر امرتسر واپس آئے،

=

(۲۰) مولوی حافظ محمد عنایت اللہ علیگڑھی[۱]

(۲۱) سیّد تجمل حسین بہاری[۲]

(۲۲) شیعہ مجتہد حکیم غلام حسنین کنتوری[۳]

=

تصنیف وتذکیر ومُناظرہ میں مشغول ہوگئے، اور دار الطباعت کے نام سے ایک مطبع کی بنیاد ڈالی، اور ہفتہ وار مجلّہ "اہلِ حدیث" کے نام سے جاری کیا۔ جمعیت علمائے ہند کی بانی شخصیات میں سے تھے، اور تاحیات "مجلس ندوۃ العلماء" کے رکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اور مرزا غلام قادیانی کا شد ومد کے ساتھ ردِ بلیغ کرتے رہے۔ تصانیف میں: "تفسیر القرآن بکلام الرحمن" (عربی) "تفسیر ثنائی" (اردو) "اسلام ومسیحت"، "تقابُل ثلاثہ" قابل ذکر ہیں۔ ۱۴ جُمادی الاُولی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں مقام سرگودھا میں انتقال کیا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الثاء، ۱۰۰-ثناء اللہ امرتسری، ۸/۱۰۵تا۱۰۶)

(۱) عنایت اللہ بن لُطف اللہ حنفی کوئلی [علیگڑھی] ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۶ء میں علیگڑھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اور تکمیلِ علم اپنے والد سے کیا، مدرسہ علیگڑھ میں طویل عرصہ تک درس وتدریس کے منصب پر فائز رہے، پھر بھوپال چلے گئے جہاں سرکاری ملازمت اختیار کی، مجلس ندوۃ العلماء کے رکن رہے، والیۂ بھوپال سلطان جہان بیگم کے ساتھ حج وزیارت سے مشرّف ہوئے، اور علمائے حرمین سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۰۶ء میں دارِ فانی سے کوچ کیا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف العین، ۳۶۰-عنایت اللہ کوئلی علیگڑھی، ۸/۳۵۶، ۳۵۷)

(۲) سیّد تجمل حسین بہاری۔ ان کے حالاتِ زندگی پر رَسائی تو نہیں ہوسکی، البتہ اتنا معلوم ہوا کہ یہ قاسم نانَوتوی کے شاگرد اور عقید تمند تھے۔

(۳) غلام حسنین بن محمد بخش حسینی مُوسوی کنتوری، مشہور شیعہ عالم، ۱۷ ربیع الاوّل ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء میں کنتور میں پیدا ہوئے، ۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء میں عازمِ لکھنؤ ہوئے، "مدرسہ شاہی" میں ابتدائی کتب پڑھیں، اساتذہ میں سیّد حسین، و سیّد محمد تقی کے نام قابلِ ذکر ہیں، ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء میں فیض آباد میں انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الغین، ۳۷۰-الحکیم غلام حسنین الکنتوری، ۸/۳۶۹، ۳۷۰)

(۲۳) محمد محی الدین اسسٹنٹ پروفیسر میور کالج اِلٰہ آباد[۱]۔

مولانا محمد علی مونگیری، مولانا لُطف اللہ علیگڑھی اور مولانا احمد حسن کانپوری "تنظیم ندوۃ العلماء" کے رُوحِ رواں تھے[۲]۔ اُن میں اوّلُ الذِکر دونوں، مفتی عنایت احمد کاکوروی کے شاگرد، جبکہ مولانا کانپوری، مولانا علیگڑھی کے شاگرد تھے۔

اس مجلس کے قیام کی جب خبر عام ہوئی، تو عرصے سے گھٹن اور حبس کی زندگی گزارنے والے مسلمانوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ مجلس کے قیام کا خیر مقدَم کیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اِکرام نے "یاد گارِ شبلی" میں "تنظیم ندوۃ العلماء" کے بانی کے عنوان سے ایک تفصیلی بحث کا آغاز کیا ہے[۳]۔

خانقاہ گنج مرادآباد، تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام میں شامل اَفراد کا رُوحانی مرکز

سیّد سلیمان ندوی "حیاتِ شبلی" میں لکھتے ہیں کہ "تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام میں شامل اَفراد کا رابطۂ عقیدت، ایک رُوحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا، جس کا نامِ نامی اسمِ گرامی حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی تھا۔ تیرھویں صدی کے آخر، اور چَودھویں صدی ہجری کے اوائل میں، یہ ذاتِ گرامی سارے ہندوستان کی رُوحانی عقیدت کا مرکز تھی، سنّتِ سَنیّہ، فقر وغنا، علم

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۲۔ و"رُودادِ ندوۃ العلماء" حصّہ ۱، ص۳، ۴، و۲۲، ۲۳، و۹۲، ۹۳، و۹۶، ۹۷۔ و"سیرت مولانا مونگیری" ص۱۱۶۔ و"استاذ العلماء" ص۶۵۔

(۲) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۰۳، ۱۰۴۔

(۳) "یادگار شبلی" ص۲۸۲تا۲۸۵۔

وعمل، نُور ومعرفت کی تمام خُوبیاں اس ایک ہستی میں جمع ہو گئی تھیں"[۱]۔

سیّد سلیمان ندوی کا یہ تجزیہ حقیقت پر مبنی ہے؛ کیونکہ مولانا لُطف اللہ علیگڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کی عقیدت کا مرکز حضرت شاہ فضلِ رحمن کی ذات تھی، بلکہ مؤخَّر الذِکر دونوں بزرگ: مولانا مونگیری اور محدِّث سُورتی، حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی کے مرید وخلیفہ بھی تھے۔

تنظیم ندوۃ العلماء کے محرکین

شیخ محمد اِکرام صاحب نے قیامِ ندوہ کے بارے میں اپنی تحقیق یوں پیش کی ہے کہ "اس عمدہ خیال کے محرِک مولوی عبد الغفور ڈپٹی کلکٹر (Deputy Collector) تھے، مگر اس کی تکمیل مولوی سیّد محمد علی صاحب کانپوری، خلیفۂ حضرت مولانا فضلِ رحمن صاحب گنج مرادآبادی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی، جو اس کے بانی اور ناظمِ اوّل تھے۔ مولوی شبلی اور مولوی عبدالحق دہلوی صاحبِ "تفسیر حقّانی" نے اس کے قواعد وضوابط مرتَّب کیے، اکابرِ قوم مثلاً سرسیّد، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک نے بھی اس کے اَغراض ومقاصد کو پسند کیا، اور تحریر وتقریر کے ذریعے سے اس کا خیر مَقدم کیا[۲]۔

---

(۱) "حیات شبلی" ص۳۰۲۔

(۲) "موجِ کوثر" "ندوۃ العلماء، ص۱۸۷، ۱۸۸۔

مَفاسدِ تنظیم ندوۃ العلماء

تنظیم ندوۃ العلماء پر غیر مقلّدیت کا غلبہ

قیامِ ندوہ کے دوسرے سال "مدرسہ فیضِ عام" کانپور ہی میں پہلے باقاعدہ سالانہ اِجلاس منعقدہ ١۵، ١٦، ١٧ شوّال ١٣١١ھ/ ٢٢، ٢٣، ٢۴ اَپریل ١٨٩۴ء میں "ندوۃ العلماء" کے خدو خال ہی بدل گئے۔ ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری، مولانا لُطف اللہ علیگڑھی اور مولانا احمد حسن کانپوری "ندوۃ العلماء" کے رُوحِ رواں تھے، اور تینوں اشخاص ردِ وہابیت اور عدمِ تقلید میں ایک عرصہ تک سرگرمِ عمل رہ چکے تھے، اس لیے غیر مقلّدوں اور دیگر فرقوں کے علماء کو تشویش لاحق ہو گئی۔ جب انہوں نے اس تنظیم کی ہندوستان گیر مقبولیت کا مشاہدہ کیا، تو اتحاد بینَ المسلمین کا نعرہ لگا کر پہلے باقاعدہ سالانہ اِجلاس میں "ندوۃ العلماء" پر بڑی تعداد میں چھاپہ مارا، اور اس کو اپنے مسلک اور عقائد کی ترجمانی کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا، وہابی اور رافضی اَفراد نے کار پردازانِ ندوہ سے اس قدر قربت حاصل کرلی کہ "ندوہ" کے منشور کے خدوخال نمایاں تبدیل ہو گئے![1]۔

اُخوّت واتحاد کے نام پر تمام اسلامی قیود وضوابط نظر انداز

اُخوّت واتحاد کا کچھ اس انداز سے پرچار کیا، کہ تمام اسلامی قُیود وضوابط نظر انداز کر دیے گئے، اس اِجلاس کی رُوداد کے مطابق شبلی نعمانی، غلام حسنین کنتوری، اور ابراہیم آروی نے، نہ صرف اس اِجلاس میں تقریریں

---

(١) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص١٠۴ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۴۔

کیں، بلکہ بنیادی اراکینِ ندوہ میں بھی شامل کیے گئے۔ مولوی ابراہیم آروی جو عدمِ تقلید کے پرچار میں سرِفہرست تھے[۱]، انہوں نے اپنا رسالہ "اتفاق" ندوہ کی کارروائیوں کے لیے وقف کر دیا، اس رسالہ کو "ندوۃ العلماء" نے بھی پاس کیا اور تمام اراکینِ ندوہ اس کے خریدار قرار پائے۔

ایک اَور غیر مقلّد محمد احسن بہاری نے بھی اپنا رسالہ "تحفۂ محمدیّہ" جو کانپور سے شائع ہوتا تھا "ندوہ" کے لیے وقف کر دیا، ان دونوں رسالوں میں مقلّدین کی تذلیل کی گئی، اور ائمۂ اربعہ کے باہمی اختلافات پر بحث ومُباحثہ کر کے یہ ثابت کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی، کہ مقلّدینِ ائمۂ اربعہ پر خود

---

(۱) موصوف اپنی زندگی کے آخری ایام میں مذہب غیر مقلدیت سے تائب ہوگئے تھے، جیسا کہ سیّد تجمل حسین بہاری نے اپنی کتاب "کمالات رحمانی" میں ذکر کیا ہے: "ایک غیر مقلّد عالم صاحب مسمّی مولوی محمد ابراہیم آرہ، کہ آخر میں انہوں نے تصوُّف کا رنگ پکڑا تھا، مراد آباد کی مسجد میں آکر بلند آواز میں تکبیر کہی، لوگوں نے غل مچایا کہ ایک فتنہ باز غیر مقلّد کدھر سے آگیا، حضرت قبلہ نے سب کا رَد کیا اور کہا کہ حدیث کے ساتھ بے ادبی نہ کرو، ابوداؤد میں ایسی بھی ایک روایت آئی ہے، کسی نے کہا کہ حضرت! یہ غیر مقلّد لوگ امام ابوحنیفہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں، ارشاد ہوا کہ ان کو بھی چھوٹا رافضی سمجھو"۔ مزید فرماتے ہیں: "افسوس ہمارے طریقہ ومشرب سے ہندوستان میں بہت فتنہ ہوا"۔ مزید لکھتے ہیں: "چنانچہ مولانا ممدوح سے مولوی صاحب نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں خواب میں میری حاضری ہوئی، اور مجلس مبارک میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے، جناب رسالت مآب ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ان سے یعنی امام ابوحنیفہ سے بدظن ہو، قصور مُعاف کراؤ، میں نے امام صاحب کے قدموں میں گر کر اپنا قصور مُعاف کرایا"۔

("کمالاتِ رحمانی" ص۱۷)

ایک دوسرے کی تکفیر واجب آتی ہے"[١]۔

حسین بٹالوی کی تحریک سے ندوۃ العلماء کے دستور العمل پر، غور کرنے کے لیے علماء کی ایک مجلس تشکیلِ عمل میں آئی[٢]۔ ثناء اللہ اَمرتسری نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس پودے (ندوہ) کی آبیاری کی کوشش کی، اس کے اجتماعات اور پروگراموں میں شرکت اور تقریریں کرتے رہے، ذاتی طَور پر مالی تعاوُن بھی پیش کیا، اور اپنے حلقۂ اَحباب سے بھی تعاوُن کراتے، اپنے جریدہ اہلِ حدیث اَمرتسر کے صفحات کو ندوہ کے اعلانات، اپیلوں اور تعاوُن کی گزارشات کے لیے ہمیشہ فیاضی کے ساتھ کھولے رکھا[٣]۔

اسی طرح ندوہ کے مختلف اَدوار میں سب سے زیادہ مالی تعاوُن کرنے والوں میں، نواب علی حسن خاں، نور الحسن خاں اور یونس رئیس دتاوَلی وغیرہم غیر مقلّدین کے نام نمایاں نظر آتے ہیں[٤]۔

تنظیم ندوۃ العلماء میں روافض (شیعوں) کی نمائندگی

شیعہ مجتہد غلام حسنین کنتوری نے بھی پہلے اِجلاس میں تقریر کی، اور علمائے اہلِ سنّت کی موجودگی میں حضرت علی کی خلافت کو بلافصل ثابت کرنے کے سلسلے میں ایسے دلائل دیے، جن سے شیخَین کی توہین ہوتی تھی، جلسہ کی

---

(١) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص١٠٤ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص٤۔

(٢) "مجموعہ مقالات عبد الحمید رحمانی" ٢/٢٨٤۔

(٣) ایضاً ص٢٩١۔

(٤) ایضاً ص٢٨٩۔

رُوداد کے مطابق غلام حسنین کنتوری کے بیان سے حاضرینِ جلسہ کو فی الجملہ تکدُّر ہوا، اور بعض حضرات نے کچھ بولنا بھی چاہا، مگر چونکہ یہ بات قرار پاچکی تھی کہ مجلس میں کسی قسم کی رَد وقَدح نہ ہو، اس لیے خاموشی اختیار کی گئی۔ "ندوۃ العلماء" کی کاروائی اس وقت ختم ہو گئی تھی، مگر مجتہد صاحب کا بیان تنگیٔ وقت کی وجہ سے ختم نہ ہوا تھا، چنانچہ سہ پہر کو بھی جلسہ ہوا، بیان ختم ہونے کے بعد ابراہیم آروی نے بڑے شاندار الفاظ میں مجتہد صاحب کا شکریہ ادا کیا[۱]۔

تنظیم ندوۃ العلماء اور مخالفتِ اہلِ سنّت

اس جلسے کی رُوداد میں ہے کہ ہم مقلّدان اور اہلِ حدیث ایک دوسرے کو مُوَحّد اور مؤمن جانتے ہیں، اور کسی مؤمن کو مشرک اور بدعتی کہنا سخت گناہ سمجھتے ہیں، اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا بلاکراہت جائز جانتے ہیں[۲]۔ اسی اِجلاس میں شبلی نعمانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "فُروعاتِ دین پر ہمارا اعتقاد نہیں، علم سے ہمارا مذہبی تعلق ہے؛ کیونکہ مسلمانوں میں کوئی خصوصیت نہیں، جس کو کلمۂ توحید پر اعتقاد ہے وہ مسلمان ہے"[۳]۔

---

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۴ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۳، ۴۔
(۲) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۵ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۵۔
(۳) "تذکرہ محدث سورتی" ص۱۰۵ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۳۔

تنظیم ندوۃ العلماء کا دوسرا اجلاس

مولانا مونگیری کی تقریر

حد تو یہ ہے کہ مولانا محمد علی مونگیری نے بھی، جو حضرت شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی کے مرید وخلیفہ تھے، اپنا لَب ولہجہ بدل لیا، اور انہوں نے "تنظیم ندوۃ العلماء" کے دوسرے اِجلاس قیصر باغ لکھنؤ، منعقدہ اَپریل ۱۸۹۵ء/ ۱۳۱۲ھ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "مقلّد اور غیر مقلّد کا اختلاف ایسا ہے، جیسا حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کا اختلاف ہے، ایک شَے شافعیہ کے نزدیک فرض یا واجب ہے، وہی حنفیہ کے نزدیک حرام ومکروہ۔ اب خیال کیجیے کہ بلحاظ عمل واعتقاد دونوں فریقوں کے یہاں کس قدر فرق ہے! اگر اس پر خیال کیجیے کہ فرض کو ممنوع اعتقاد کرنے والا، اور حرام کو حلال جاننے والا کیسا ہے؟ تو ایسا سخت حکم نکلے گا کہ ان چاروں گروہوں میں اسلامی شرکت بھی نہ رہے گی"[۱]۔

جلسۂ لکھنو میں ایک طویل نظم پڑھی گئی، جس میں غیر مقلّد نذیر حسین دہلوی، شیعہ مجتہد غلام حسنین کنتوری اور حکومتِ وقت کی مدح کی گئی تھی، نظم کے کچھ اَشعار بطور نمونہ یہاں درج کیے جا رہے ہیں:[۲] ؏

وہ ذی علم وفَن مجتہد فخرِ دَوراں — غلامِ حسنین پر جو ہے نازاں

ہوا مجلسِ ندوہ پر جن کا اِحساں — کیا متحد قوم کو جس نے اے جاں

---

(۱)"تذکرہ محدث سورتی" ص۱۰۵ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۸۔

(۲)"تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۰۵ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۹،۱۰۔

الٰہی رہے اُس کی توفیق یاوَر
کرے اب کے سال اَور کچھ اس سے بڑھ کر[۱]

گورمنٹ وِکٹوریا شاد بادا دِلش خرم وملکش آباد بادا
فلک پر ہیں جب تک ستارے چھٹکتے زمیں پر رہیں جگنو جب تک چمکتے
گلستاں میں جب تک رہیں گُل مہکتے درختوں پہ جب تک ہیں طائر چہکتے
رہے لارڈا لگن کا اقبال یاوَر مدارِج ہوں لفٹنٹ صاحب کے برتر[۲]

تنظیم ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس بریلی میں

"ندوہ" کے تیسرے اِجلاس منعقد بریلی میں مولوی عبدالحق مصنّفِ "تفسیر حقّانی" نے مدارسِ اسلامیہ کے نصاب پر شدید نکتہ چینی کی، اور کہاکہ اگر ناگوار خاطرِ علماء نہ ہو تو صاف صاف عرض کردُوں، کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم یا مولوی کا ہر علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے! فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ مُعاملات کا فیصلہ کر سکے، وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اُس کو کہیں کا جج بنا دیا جائے[۳]۔

مولانا لُطف اللہ رامپوری اور امام احمد رضا ندوہ سے الگ ہوگئے

علمائے اہلِ سنّت کو جو پہلے مرحلہ سے ہی "ندوۃ العلماء" میں شریک تھے،

(۱) "مجموعۂ مضامینِ نظم ونثر" ص۹۱۔
(۲) ایضاً، ص۱۰۷۔
(۳) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۶ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۳۱۔

اس قسم کی باتوں سے تکدُّر ہوا، خصوصًا عدمِ تقلید کے مسئلے کی اِشاعت اور تقلید کے خلاف "ندوۃ العلماء" کی تقریروں اور تحریروں میں دلائل نے، اُن کو سخت تذبذُب میں ڈال دیا، مولانا لُطف اللہ رامپوری اور مولانا احمد رضا خان بریلوی تو پہلے ہی جلسہ کی کاروائی سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے، کہ انہوں نے جلسہ کے اختتام پر ناظمِ ندوہ اور صدرِ جلسہ کی توجہ فساد فی الدِین کی جانب مبذول کرائی، اور اظہارِ حق کر کے ندوہ سے علیحدہ ہو گئے![1]۔

ندوۃ العلماء کا دوسرا دَور

"ندوۃ العلماء" اپنے قیام کے فوراً بعد ہی برطانوی سازش کا شکار ہوا، اور جن حالات کے پیشِ نظر اس کے قیام کی ضرورت محسوس کی گئی تھی وہ بدل گئی، اس میں ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کی شُمولیت نے اس کو متنازع بنا دیا۔ الغرض "ندوہ" جس حالت میں قائم ہوا اور جن خطوط پر چل رہا تھا، اس کے پیشِ نظر کسی جماعت اور فرقے کے علماء نے بھی اُسے نظرِ استحسان سے نہیں دیکھا تھا، صرف وہی علماء اس کے مدّاح تھے جو برطانوی سازش کا شکار ہو کر اس کے کارندے بن چکے تھے۔ اتفاق کرنے والوں میں سے بھی کتنے ہی علماء صورتحال ظاہر ہونے پر اُس سے نفرت کرنے لگے، اور فوراً علیحدہ ہو گئے[2]۔

---

(۱) "تذکرہ محدث سورتی" ص۱۰۶ بحوالہ "سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ" ص۳۔

(۲) "رسائل رضویہ" ۱/۱۳۔

ندوہ پر نیچریت کا غلبہ

ندوہ اپنے یومِ تاسیس سے شبلی نعمانی کی وفات تک نیچری مکتبِ فکر کا علمبردار، اور برطانوی شکاریوں کا بچھایا ہوا ایک ایسا پُر اَسرار جال تھا، جو اہلِ حق کو گرفتار کرنے، اور علمائے اہلِ سنّت کا شکار کرنے کے لیے بچھایا گیا تھا۔ اس ادارے کا کرتا دھرتا جن لوگوں کو بنایا گیا وہ زیادہ تر بدمذہب تھے، بعض علمائے اہلِ سنّت جو اس کے خوشنما اَغراض ومقاصد سے خوش ہو کر ندوہ میں شامل ہو گئے تھے، انہوں صورتحال کا انکشاف ہونے پر باری باری علیحدگی اختیار کرلی، اور آخر کار اس میں وہی لوگ رہ گئے جو برٹش گورنمنٹ (British gov) کے اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے، حکومت کے ہاتھوں میں "چُوں قلم دَر دستِ کاتب" بن چکے تھے! یہ حضرات حق وباطل کا فرق مٹانے، اور اہلِ حق کو اِقتدار کی چَوکھٹ پر جھکانے کا فرض، پوری وفاداری اور خیر خواہی سے ادا کرنے میں شب وروز کوشاں رہتے تھے! وہ صرف برٹش گورنمنٹ کی خوشنودی کے خواہاں تھے، جس کے باعث نہ وہ اہلِ حق کو اس برطانوی جال میں پھنسانے پر کوئی عار محسوس کرتے تھے، اور نہ انہیں بدمذہبوں اور گمراہ گروں کو قوم وملّت کے رَہنما اور پیشوا باوَر کروانے میں، خَوفِ خدا و خطرۂ روزِ جزاء کا ذرا بھی احساس ہوتا تھا![1]۔

ندوہ کی مضرّت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ اس کے اَراکین میں نیچری، غیر مقلّد، دیو بندی اور روافض تک موجود تھے، بلکہ ستم ظریفی کی انتہاء

---

(۱) ایضًا ص۹،۱۰۔

ملاحظہ ہو کہ برٹش گورنمنٹ کا بنایا ہوا، قمر الانبیاء یعنی مرزا غلام قادیانی (المتوفّٰی ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ) جیسے دَجّال کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود[۱] بھی اس ادارے کا باقاعدہ ممبر تھا۔ غرضیکہ جملہ باطل پرستوں کے ہاتھ میں اس ادارے کی کلید تھی، اور اس کے اَغراض ومقاصد ساحرینِ برطانیہ کے اشارۂ چشم وآبُرو کے مرہونِ منّت تھے، گویا اس مشین کو چلانے والی طاقت حکومتِ وقت تھی، اور اس کے کَل پُرزے وہ مولوی تھے جنہوں نے اپنی ملّت فروشی کو جبّوں اور عماموں میں چُھپایا ہوا تھا![۲]۔

شبلی نعمانی اور ندوہ

یہاں شبلی کا تفصیلی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ شبلی نعمانی واحد شخصیت تھے جن کی ذات علمائے اہلِ سنّت کے لیے وجہِ تنازع بنی ہوئی تھی، علمائے اہلِ سنّت ندوہ میں شامل افراد کو پابندِ صَوم وصلاۃ دیکھنا چاہتے تھے، جبکہ

---

(۱) مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا غلام احمد قادیانی ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۶ھ بروز ہفتہ قادیان میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں پائی، ابتدائی ایام میں دنیاوی تعلیم کے حصول میں رغبت نہ ہونے کی وجہ سے ہر جماعت میں ترقی پاتے ہوئے، مڈل اور میٹرک کے امتحان میں فیل ہوئے، یوں دنیاوی تعلیم ختم ہوئی۔ درسی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں "انجمن احمدیہ" کا قیام عمل میں آیا، تو والد نے مجلس معتمَدین کا رکن بنایا، ۱۹۱۱ء/ ۱۳۲۹ھ میں "مجلس انصار اللہ" قائم کی، اور ۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ میں اَخبار "الفضل" جاری کیا، ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۲ھ کو خلیفہ ثانی منتخب ہوا۔ تصانیف میں: "تفسیر کبیر"، "تفسیر صغیر"، "خطبات محمود" ہیں۔ ۷ اور ۸ نومبر ۱۹۶۵ء/ ۱۳۸۵ھ کی درمیانی شب انتقال ہوا۔ (دیکھیے: https://www.askahmadiyyat.org)

(۲) "رسائل رضویہ" ص۱/۱۰۔

شبلی عالمِ دین ہونے کے باوُجود پابندِ شرع نہیں تھے، اُن پر عدم پابندیٔ نماز، عورتوں سے میل ملاقات، اور دینی مُعاملات میں آزاد خیالی کے اِلزامات عائد ہوتے تھے!۔

یہی شبلی نعمانی ہیں جنہوں نے اپنے دورِ نظامت (۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء) میں "تنظیم ندوۃ العلماء" کو "دار العلوم ندوہ العلماء" سے بدلا، اور اسے اسلامی ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی مرکز قرار دیتے رہے۔

ندوہ کا پانچواں اِجلاس کانپور، مارچ ۱۸۹۸ء/۱۳۱۵ھ

ندوہ کے پانچویں اِجلاس کانپور، منعقد مارچ ۱۸۹۸ء/ ۱۳۱۵ھ میں "دار العلوم ندوۃ العلماء" کے لیے مناسب زمین، اور مناسب مکان کے انتخاب کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی گئی، اس میں حفیظ اللہ اعظمی، اور نواب محمد یونس رئیس دتاؤلی کو نمایاں مقام حاصل ہے[۱]۔

نواب صدیق حسن خاں کے اَخلاف نواب علی حسن خاں، نواب نور الحسن خاں اور ان کے بعد نواب شمس الحسن خاں وغیرہم نے، نواب صدیق حسن خاں کا پورا کتب خانہ "دار العلوم ندوۃ العلماء" میں اِستفادہ کے لیے منتقل کر دیا[۲]۔

۱۸۹۸ء/ ۱۳۱۵ھ میں "دار العلوم ندوۃ العلماء" کے کچھ ابتدائی درجے کھولے گئے، ۱۸۹۹ء/ ۱۳۱۶ھ میں رُوسائے شاہ جہانپور کی فیاضی سے کچھ زمینداری بطور وقف "دار العلوم ندوۃ العلماء" کو حاصل ہوئی"[۳]۔

---

(۱) "مجموعہ مقالات عبد الحمید رحمانی" ۲/ ۲۸۶، ۲۸۷۔
(۲) ایضاً ص ۲۹۱۔
(۳) "موجِ کوثر" ندوۃ العلماء، ص ۱۸۷، ۱۸۸۔

ندوۃ العلماء کے دار العلوم کا سنگِ بنیاد

سنگِ بنیاد رکھے جانے اور حکومت کی مالی اِمداد کے بارے میں شیخ صاحب [محمد اِکرام الدین] یوں رقمطراز ہیں: "ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اس سال صوبہ کے گورنر نے دار العلوم کی وسیع عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا، اور حکومت کی طرف سے "ندوہ" کو بعض مقاصد کے لیے ۵۰۰ روپیہ ماہوار اِمداد ملنی شروع ہوئی"[۱]۔

عیسائی فرمانروا کی امداد

جب گورنر صاحب نے "ندوہ" کا سنگِ بنیاد رکھا تو اُس وقت شبلی نعمانی صاحب کے تاثُرات یہ تھے: "یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ مقدّس علماء، عیسائی فرمانروا کے سامنے دلی شکرگزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ شیعہ وسنّی ایک مذہبی درسگاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے، یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگِ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جارہا تھا، غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ، سُنّی، حنفی، وہابی، رند، صُوفی، واعظ، خَرقہ پوش اور کجکلاہ سب جمع تھے"[۲]۔

لیکن دار العلوم کی چہار دیواری میں مذہب کا جو حال تھا، اُس کے بارے میں خود شبلی ایک مکتوب میں حبیب الرحمن شیروانی کو لکھتے ہیں کہ

---

(۱) "شبلی نامہ "ندوۃ العلماء ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ تک، ص۱۶۸۔

(۲) ایضاً ص۱۳۰۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طلباء میں تقدُس کا اثر نہیں ہے، آپ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ ندوہ کے لڑکے ڈیپوٹیشن (Deputation) کے طَور پر بھیکن پور بھی گئے تھے، اُن کی وضع سے آپ نے سمجھا کہ علیگڑھ کے لڑکے آئے ہیں، یہ میری موجودگی سے قبل کا زمانہ تھا، اس کی وجہ میں نے بہت سوچی، اس کے سوا اَور کوئی نہیں کہ ابتداء سے آج تک کوئی پرنسپل مقدّس اور بااثر نہیں ملا"[۱]۔

اس صورتحال کے باوُجود شبلی نعمانی "الندوہ" کے صفحات میں دعویٰ کرنے لگے کہ "ندوۃ العلماء" تمام ہندوستان میں سب سے بڑی مقتدر جماعت ہے، چنانچہ اہلِ دیوبند کو شبلی کا یہ دعوی گراں گزرا، اور دیوبند نے ندوہ کے مضرّات کو اُچھالنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ میں ندوہ کا ڈنکہ چاروں طرف بج رہاتھا، لیکن ندوہ کے حریف دیوبند کا رسالہ "القاسم" بار بار لکھتا تھا کہ "آواز دہل شنیدن اَز دُور خوش است" والا مُعاملہ ہے، اور فی الواقع اگر مولانا کے اپنے خطوط غور سے پڑھیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ طعن بےبنیاد نہ تھا"[۲]۔

رشید رضا کا شبلی نعمانی کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلماء کا دَورہ

شبلی نعمانی کی دعوت پر ہی قاہرہ مصر میں وہابی فکر کے اہم مبلّغ محمد

(۱) "مکاتیب شبلی" حصہ ۱، ص۱۹۵۔
(۲) "یادگارِ شبلی" ص۳۵۷۔

رشید رضا[۱] نے ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں "دار العلوم ندوۃ العلماء" لکھنؤ کا دَورہ کیا[۲]۔

محمد رشید رضا کے اَفکار ونظریات

یہاں اس بات کا ذکر ضروری ٹھہرا کہ جس محمد رشید رضا کو شبلی نعمانی ندوۃ العلماء میں مدعو کر رہے ہیں، ان کے اَفکار ونظریات کیا تھے؟ جس کے جاننے کے بعد قارئین کو

---

(۱) محمد رشید رضا بن علی رضا القلمونی البغدادی، ۲۷ جُمادَی الاُولی ۱۲۸۲ھ/ ۲۳ ستمبر ۱۸۶۵ء کو، لُبنان کے شہر قلمون کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم طرابُلس میں حاصل کی، ابتدائی ایام میں تصوُّف کی طرف مائل تھے، اور امام محمد غزالی کی کتاب "اِحیاء العلوم" سے متاثِر تھے، نیز طریقۂ صُوفیہ پر عمل پیرا تھے، اور سلسلۂ نقشبدیہ کے طریقہ پر تھے۔ ۱۳۱۵ھ /۱۸۹۷ء میں مصر منتقل ہوئے، جہاں مشہور عقل پسند و مصری قَومیت کے داعی شیخ محمد عبدہُ کے افکار ونظریات سے متاثِر ہو کر ان کی شاگردی اختیار کی۔ شیخ محمد عبدہُ کی وفات کے بعد ان کے طریقہ سے بھی ہٹ گئے، اس کے بعد بیروت چلے گئے، جہاں سے دینی اِصلاح کے لیے ایک رسالہ "المنار" نکالا، اس میں عصری تعلیم پر بہت زور دیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی ممالک کے تبلیغی سفر کیے، دِمشق شام میں جامع الاُموری میں خطاب کیا، مصر، حجاز اور یورپ کا سفر کیا۔ شبلی نعمانی کی دعوت پر ہندوستان آئے، اور ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ میں خطاب کے ساتھ ساتھ لاہور وغیرہ مقامات کے دَورے کیے، یہاں کا سفر نامہ مطبوع ہے۔ یہ ملک مصر میں پہلے وہابی مبلغ ہوئے۔ مشہور تصانیف میں: "مجلّۃ المنار" (۳۴ جلدیں) "تفسیر القرآن" (۱۲ جلدوں میں نامکمل) "شبہات النصاری و حجج الاسلام"، "تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہُ" (۳ جلدیں) "الوحی المحمدی"، "یُسر الاسلام واُصول التشریع العام"، "الخلافۃ"، "الوہابیون والحجاز"، "مُحاورات المصلح والمقلد" وغیر ذلک۔ ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء/ ۱۳۵۴ھ کو ۷۰ سال کی عمر میں قاہرہ میں انتقال ہوا اور قاہرہ میں ہی تدفین کی گئی۔ ("اَعلامِ زِرکلی" ۱۲۶/۶۔ و"دراستہ منہج الشیخ محمد رشید رضا فی العقیدہ" ص۳۰-۱۰۴۔ و"عربی مولود ناموں کی تاریخ" ص۲۳۸، ۲۳۹)

(۲) "رحلات محمد رشید رضا" صـ٦٣.

علم ہو گا کہ ندوۃ العلماء کا قیام تو اتحاد بین المسلمین اور اِصلاحِ نصاب کے مقاصد کے تحت ہوا، لیکن شبلی نعمانی نے محمد رشید رضا کے ساتھ مل کر کس طرح ندوۃ العلماء کے اَفکار ونظریات کو بدلنے، اور اس کو اپنے اصل مقاصد سے ہٹانے میں اہم کردار ادا کیا!۔

(ا) محمد رشید رضا مصری اپنی کتاب "شُبُہات النصاری وحُجج الاسلام" میں لکھتے ہیں: "انبیاء میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں، سب برابر ہیں"[1]۔

(۲) اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں: "انبیاء معصوم نہیں"[2]۔

(۳) محمد رشید رضا مصری وُجودِ ملائکہ کے منکِر تھے[3]۔

(۴) محمد رشید رضا مصری حجیتِ حدیث کے منکِر تھے[4]۔

(۵) محمد رشید رضا مصری نے اپنے "مجلّہ" اور تفسیر القرآن "المنار" میں نُزول عیسی -علیہ السلام- کا انکار کیا[5]۔

(۶) محمد رشید رضا مصری نے ظُہور امام مَہدی کا انکار کیا[6]۔

محمد رشید رضا مصری کے عقائد ونظریات کا مصری علماء کے ساتھ ساتھ، وہابی مکتبِ فکر کے علماء نے بھی شدّ ومد سے رَد کیا۔ ان کا رد لکھنے والوں میں حسین

---

(۱) "شُبهات النصاري وحجج الإسلام" صـ٤٦.
(۲) المرجع نفسه صـ٣٦، و٤٧.
(۳) "دراسة منهج الشيخ محمد رشيد رضا في العقيدة" صـ٦٤٤، ٦٤٥. و"تفسير المنار" ١/ ٢٢٣.
(٤) "تفسير المنار" ٢/ ٣٠، و٦/ ٥٦٢.
(٥) "تفسير المنار" ٣/ ٣١٧. و"مجلّة المنار" ٢٨/ ٧٥٥، ٧٥٦. و"دراسة منهج الشيخ رشيد رضا في العقيدة" صـ٧٩٠، ٧٩١.
(٦) "مجلّة المنار" ٧/ ٣٤٠، ٣٤١، و٣٩٤. و٢٨/ ٧٥٥، ٧٥٦.

عبد الکریم مصری[۱]، شیخ عبد اللہ غُماری[۲]، شیخ یوسف نَبہانی[۳]، شیخ عبد الرافع نصر دجوی[۴]، شیخ یوسف دجوی[۵]، شیخ زاہد کوثری[۶]، وہابیہ میں سے ناصر الدین اَلبانی[۷]، شیخ غزالی مصری[۸] اور شیخ ربیع مدخلی[۹] وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شبلی نعمانی کے اَفکار ونظریات علماء کی نظر میں

شبلی نعمانی کی زندگی اور عقائد ونظریات کے بارے میں، نہ صرف علمائے اہلِ سنّت بلکہ دیوبندی وہابی علماء بھی اختلاف رکھتے تھے، شبلی نعمانی کی زندگی کے چند پہلوؤں کا ذکر سابق میں گزر چکا، کچھ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے؛ تاکہ شبلی نعمانی کی زندگی کے وہ حقائق منکشِف ہوں جو اختلاف کی وجہ بنے!۔

---

(۱) دیکھیے: https://islamonline.net/الشيخ-رشيد-رضا-سلفي-بنزعة-عقلية/۔

(۲) دیکھیے: https://shaykhgillessadek.com/ بم-تعريف-الشيخ-المحدّث-عبد-الله-الغُماري/۔

(۳) شیخ یوسف نبہانی نے ایک مستقل قصیدہ لکھا، جس کا نام "الرائية الصُغرى في ذَمّ البدعة ومدح السُنّة الغرّا" رکھا، اس کی قسم رابع (ق۱۸-۲۴ مخطوط) میں رشید رضا کا ردِ بلیغ کیا۔

(۴) شیخ عبد الرافع نصر دجوی نے محمد رشید رضا کے عقائد ونظریات کے رَد میں ایک مستقل رسالہ "صواعق من نار في الرد على صاحب المنار" تصنیف کیا۔

(۵) شیخ یوسف دجوی نے محمد رشید رضا کے عقائد ونظریات کا جابجا رَد کیا، اس سلسلے میں "ملاقات وفتاوی الشیخ یوسف دجوی" کا مطالعہ مفید رہے گا، مثلاً: ۲/۵۰، و۲/۵۳، و۲/۵۴، و۲/۵۵۔

(٦) انظر: "نظرة عابرة على مَن يُنكِر نزولَ عيسى عليه السلام قبل الآخرة" صـ٤٥، و٨٦. و"مقدّمات الإمام الكوثري" صـ١٢٧، و٢٨٨. و"مقالات الكوثري" ٢٥٧.

(۷) دیکھیے: https://al-fatawa.com/fatwa/29893/رد-على-محمد-رشيد-رضا-الذي-وضع-قاعدة-اذا-تعارض-العقل-مع-النقل-قدم-العقل-على-النقل-الالباني/۔

(۸) دیکھیے: https://www.aljazeera.net/blogs/2018/3/21/رأي-الغزالي-في-رشيد-رضا-ونقد-الغزالي/۔

(۹) دیکھیے: https://www.tasfiatarbia.org/vb/showthread.php?t=17598۔

شبلی نعمانی اور علمائے اہلِ سنّت

شبلی نعمانی کے سیرت نگاروں نے یہ بات بطور خاص لکھی ہے، کہ ان کے مزاج میں مستقل مزاجی نہیں تھی، ان کے اَفکار و نظریات وقت کے ساتھ بدلتے رہتے تھے، شروع ایام زندگی میں ایک مضبوط مذہبی فکر کے حامل تھے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے اَفکار و نظریات میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں، مثلاً:

(۱) نبوّت کے کسبی ہونے کے قائل تھے

(۲) خَرقِ عادت وکرامات کو نہیں مانتے تھے

(۳) قربانی کو غیر ضروری قرار دیا

(۴) تقلیدِ ائمۂ اربعہ کے منکِر ہوگئے تھے

(۵) ذَوقِ مُجرار کھتے

(۶) سر سیّد اور ابنِ تیمیہ کے اَفکار و نظریات سے بے حد متاثِر تھے

(۷) معتزلی نظریات کی حمایت کیا کرتے تھے، اپنے آخری ایام میں دَہریت کی طرف مائل ہوتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں... وغیر ذلک[۱]۔

شبلی نعمانی اور علمائے دیوبند

شبلی نعمانی کی اَرکانِ اسلام کی بجاآوری میں بے پروائی

شبلی کے سیرت نگار شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ "مولوی محمد فاروق کی صحبت و تعلیم نے ہونہار شاگرد کے ذہن کو جِلا دے دی، لیکن شبلی کا وہ رنگِ طبیعت جس پر بعد میں محتاط اور متقی علماء کی جماعت معترِض ہوئی، اسی صحبت میں پروَرش پاتا رہا، اور شاگرد

---

(۱) دیکھیے: "حیاتِ شبلی" "الکلام"۔ "ذکرِ آزاد" ص۱۳۲، ۱۳۳۔ و "معتزلہ اور ان کا عروج وزوال" ص۹۰۔

کے علاوہ استاد میں جلوہ نما تھا، مولوی فاروق اس زمانے کے مشہور عالم تھے، لیکن شبلی کی فطرت کی ثنویت[۱] اور بوقلمونی[۲] ان میں بھی موجود تھی، وہ بیک وقت مذہبی عالم اور عدالتی وکیل تھے، مذہبی درسگاہوں کی بھی رَونق تھے، اور فنِ موسیقی پر بھی فریفتہ تھے، شمعِ علم کے بھی وہ شیدا تھے، اور عشقیہ شعر بھی خُوب لکھتے، مذہبی بحثوں میں بڑے جوش سے حصہ لیتے تھے، لیکن اَرکان مذہب کی بجاآوری میں بقول شبلی خود بے پروا تھے"[۳]۔

شبلی نعمانی کی انگریزوں کی خوشامد

شیخ محمد اِکرام صاحب نے لکھا ہے کہ "مولانا(شبلی نعمانی) کی اس زمانے کی اردو غزلوں میں کوئی خاص بات نہیں، رسمی عاشقانہ اَشعار ہیں" (مزید لکھتے ہیں): "ایک طویل نظم اَعظم گڑھ کے کسی انگریز افسر کو خوش کرنے کو لکھی گئی، اس میں انگریزوں کی فتح کابُل وقندھار کا حال ہے"[۴]۔

شبلی نعمانی کا مضمون انگریزی حکومت کی اِطاعت ووفاداری میں

اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "مولانا نے "الندوہ" کی ایک اِشاعت میں ایک مضمون لکھا، جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی وفاداری سیاسی حیثیت سے ہی نہیں، بلکہ مذہبی اَحکام کی رُو سے بھی فرض ہے"[۵]۔

---

(۱) یعنی دورنگی/دوہرا مزاج۔["فیروز اللغات" ص۴۶۸]

(۲) یعنی رنگارنگی، تنوُّع۔["فیروز اللغات" ص۲۳۲]

(۳)"شبلی نامہ" ص۲۶،۲۷۔

(۴) ایضًا ص۴۱۔

(۵) ایضًا ص۱۳۸۔

اس کے حاشیہ میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ "سیّد سلیمان ندوی "حیاتِ شبلی" میں لکھتے ہیں کہ یہ مضمون لکھ کر گویا مولانا نے گورنمنٹ کو اس کے اس چھ ہزار سالانہ اِمداد کی قیمت ادا کی، جو اُس نے دار العلوم کو دینا منظور کی تھی، لیکن یہ مضمون ستمبر ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا، اور گرانٹ (Grant) ۱۰ نومبر ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ کو جاری ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ مضمون ایک احسان کا مُعاوضہ نہ تھا، بلکہ اگر مضمون اور سرکاری گرانٹ میں کوئی تعلق ہے، تو زرِ اِمدادی کو اس وفادارانہ فتویٰ کا انعام سمجھنا چاہیے۔

"ندوہ کے مُعاوِن اور شبلی کے دوست منشی مشیر حسین قدوائی نے ایک انگریزی اخبار میں، ایک مضمون لکھ کر محکمۂ تعلیمات سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ندوہ کو اِمداد دے، اس مضمون کے جواب میں محکمۂ تعلیمات کے آفیسر نے منشی صاحب کو لکھا کہ اگر ندوہ کو مدد کی ضرورت ہے تو وہ گورنمنٹ کے پاس درخواست بھیج سکتا ہے! چنانچہ ندوہ سے "مالی اور اِعزازی" اِمداد کی درخواست بھیجی گئی، اور طرفین کی خط وکتابت کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے ندوہ کو ۵۰۰ روپے ماہوار کی اِمداد، اس شرط پر دینی قبول کی کہ یہ رقم مدرسہ کی غیر مذہبی تعلیم، یعنی انگریزی، ریاضی، عربی، ادب وغیرہ پر خرچ ہو"[۱]۔

شیخ اِکرام نے شبلی نعمانی کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں: "۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ میں مَیں نے "الندوہ" میں ایک مستقل مضمون کے ذریعے یہ ثابت کیا، کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اِطاعت ووفاداری مذہباً فرض ہے، اور اسی سال ندوہ کے سالانہ جلسہ میں وفاداری کا ایک رزولیشن (Resolution) بھی پاس کروایا"[۲]۔

---

(۱) ایضاً ص۱۳۸، ۱۳۹۔

(۲) ایضاً ص۲۴۵، ۲۴۶۔

انگریز نواز علمائے سُوء

شیخ محمد اکرام نے لکھا کہ "مقدّس علماء عیسائی فرمانروا کے سامنے دلی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے"[(۱)]۔

شبلی کا مُعاشقہ

"سیرت النبی" کے مؤلِّف کو (جنہیں معجزاتِ رسول سے تو خدا واسطے کا بیر تھا) اَدھیڑ عمر میں ایک لڑکی کے ساتھ عشق ہو گیا تھا، اس کی کچھ تفصیل شیخ محمد اکرام کی کتاب "شبلی نامہ" سے ذَیل میں نقل کی جاتی ہے: "خطوطِ شبلی میں عطیہ بیگم صاحبہ اور زہرا بیگم صاحبہ دونوں کے خطوط ہیں، لیکن زیادہ تر عطیہ[(۲)] صاحبہ سے خطاب ہے، اور مولانا کو اس قابل اور باکمال لڑکی نے جس طرح مسحور و بے خود کر دیا تھا، اس کا اندازہ خطوطِ شبلی کے صفحے صفحے سے ہوتا ہے! وہ عطیہ بیگم کی بعض خُوبیوں کا ذکر کر کے انہیں لکھتے ہیں کہ "ان باتوں کے ساتھ اگر موسیقی سے بھی واقف ہو، تو اجازت دو کہ لوگ تم کو پُوجیں، و أنا أوّلُ العابدین![(۳)] (اور میں سب سے پہلا پُجاری ہوں گا)"[(۴)]۔

---

(۱) ایضاً ص۱۴۰۔

(۲) یہ آزاد خیال عورت آغا خانی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتی تھی، بعد میں اس نے ایک ہندوستانی یہودی سامیول فیضی رحمین سے شادی کی، جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مسلمان ہو گیا تھا۔(https://en.wikipedia.org/wiki/Atiya_Fyzee)

(۳) یہ کلمۂ کفر ہے۔

(۴) "شبلی نامہ" ص۱۵۴، ۱۵۵۔

شبلی نعمانی کی معشوقہ کا بیان

شیخ محمد اکرام صاحب نے لکھا کہ "خوش قسمتی سے پچھلے دنوں عطیہ بیگم صاحبہ کے قلم سے، مولانا شبلی اور خاندانِ فیضی کے تعلقات پر ایک مختصر سا مضمون شائع ہوا ہے، جسے ہم اس کی اہمیت کے لحاظ سے ضمیمہ کے طَور پر تمام کا تمام نقل کرتے ہیں؛ تاکہ غلط فہمیوں کی کوئی گنجائش نہ رہے! عطیہ بیگم صاحبہ کے مضمون کا حاصل یہ ہے، کہ ان کے گھر میں مولانا کا استقبال بطور ایک عالم، ایک بزرگ اور ایک بہت بڑے مذہبی مشن کے مبلّغ کی طرح ہوا، لیکن ان کے دل میں اَور ہی جذبات بھڑک اُٹھے جن کی تُندی و تیزی سے وہ بے خبر تھیں "[۱]۔

آزاد خیال عورتوں کے ساتھ میل جول اور اسلامی حجاب کی مخالفت

شیخ محمد اکرام نے شبلی کی زندگی کے اس پہلو سے متعلق لکھا ہے کہ "وہ نہایت آزاد خیال عورتوں کی سوسائٹی میں بے تکلف شرکت کرتے تھے، رسمی ورواجی پردے کے علمی و عملی طَور پر مخالف تھے "[۲]۔

شبلی نعمانی کا افیون کھانا

شیخ محمد اکرام نے "شبلی نامہ "میں شبلی نعمانی مؤلِّف "سیرت النبیؐ" سے متعلق لکھا ہے کہ "نومبر ۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ میں انہوں نے اَفیون کھانی شروع کر دی تھی "[۳]۔

---

(۱) ایضًا۔

(۲) ایضًا ص۲۷۴۔

(۳) ایضًا ص۲۶۸۔

والدین کی نافرمانی

شیخ محمد اکرام نے شبلی کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "والد کی تقسیم جائیداد سے تووہ اتنے جِزبِز[۱] ہوئے، کہ شریعت کے اَحکام اور والدین کی اِطاعت کے اُصولوں کو بھی بھول گئے"[۲]۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی کا شبلی نعمانی پر فتویٰ کفر

دیوبندیوں کے محدّثِ اعظم انور شاہ کشمیری کی طرف سے شبلی نعمانی پر فتویٰ کفر ذَیل میں ملاحظہ کریں، جس میں لکھا ہے کہ "أتعجب من المؤرِّخ الشهير بالهند شبلي نعماني صاحب كتاب "سيرة النّبي" و"الفاروق" وغيرهما، أنّه كيف يعتقد في ذلك الرجل ....هل هي مُداهنةٌ دِينيةٌ لمصالح مشتركة؟ أو ذلك من ائتلاف أرواحهما واشتراك مَقاصدهما في العلم والفهم؟ .....وإنّما أبوح به على أعيُن الناس؛ إذ ليس من الدِّين أن يغمضَ عن كافر"[۳].

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ "بے شک شبلی سرسیّد کے بارے میں اَز حد خوش اعتقادی رکھتا ہے....پس یا تو یہ مُداہنت فی الدِین ہے، اور دونوں (سرسیّد و شبلی) کی رُوحیں علم ومقاصد میں یک جاہیں....اور ہم نے لوگوں کے سامنے شبلی کا یہ پول اس لیے ظاہر کیا ہے؛ کہ دینِ اسلام میں کافر کے کفر سے چشم پوشی کرنا جائز نہیں!"۔

---

(۱) خفا، ناراض، آزردہ۔ ["فیروز اللغات" ص۴۸۷]

(۲) "شبلی نامہ" ص۱۳۶۔

(۳) "يتيمة البيان لمشكلات القرآن" صـ۵۲، ملتقطاً.

اشرف علی تھانوی دیوبندی کا شبلی نعمانی وغیرہ پر فتوئ کفر

عبد الماجد دریاآبادی نے اپنی کتاب "حکیم الاُمت" میں لکھا ہے کہ "مولوی تھانوی کا فتوی شائع ہوگیا: مولوی شبلی اور مولوی حمید الدین کافر ہیں، اور چونکہ مدرسہ انہی دونوں کا مشن ہے، اس لیے مدرسۃ الاِصلاح مدرسئہ کفر وزَندقہ ہے، اور اس کے تمام متعلقین کافر وزِندیق ہیں، یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسہ کے جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحِد وبے دین ہیں!"[1]۔

اشرف علی تھانوی دیوبندی کی جانب سے شبلی نعمانی کی کتاب "سیرت النبی" کا شدید رَد

اشرف علی تھانوی نے شبلی کی کتاب کا رَد کرتے ہوئے لکھا کہ "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ "فُلاں صاحب نعمانی (یہ نعمانی خُوب لگایا جس سے دھوکہ ہوتا ہے کہ شاید امام صاحب کی اَولاد میں ہوں) یہ بھی سر سیّد احمد خان کے قَدم بقدم ہی ہیں! "سیرت النبی "لکھی ہے جس پر آج کل کے نیچری فریفتہ ہیں، حضور ﷺ کی دو شانیں ہیں: (۱) نبوّت (۲) سلطنت، ان میں سے صرف ایک شان سلطنت کو ان لوگوں نے لیا، اسی کو شبلی نے بھی لیا ہے، دوسری شان کو قریب قریب چھوڑ دیا! یہ لوگ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل شانِ نبوّت ہے، مُلکیت [ملوکیت وسلطنت] اس کے تابع ہے، مگر اس کا کہیں نام ونشان نہیں! یہ سب نیچریت کا اثر ہے، ان لوگوں کے قلوب میں نہ دین ہے نہ کسی کی دینی عظمت، خود انبیاء –علیہم السلام– کی نہیں، اَولیاء کی تو کیا ہوتی! نمونہ کے طَور پر معراج ہی کو لیجیے،

---

(۱) "حکیم الاُمت" ص۴۵۷، ۴۵۸۔

اس میں کس قدر گڑبڑ مچا رکھی ہے! حالانکہ موٹی بات ہے: اگر حضور کو خواب ہی میں معراج ہوتی بیداری میں نہ ہوتی، تو جس وقت کفّار نے تکذیب کی اور کہا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کرو، اور فُلاں فُلاں چیزیں بتلاؤ، تو حضور فرما دیتے کہ وہ تو ایک خواب تھا، اس سوال سے آپ کو خاص اہتمام کیوں ہوتا؟ اور یہ اختلاف ہی نہ پڑتا! اسی حالت میں ان لوگوں کا اقرارِ شرائع ایسا ہی ہے جیسے کسی سر پڑی چیز کا نباہنا پڑ جاتا ہے! جو جی میں آیا لکھ مارا، نہ اُصول ہیں نہ نُقول، محض عقل سے کام لینا چاہتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ جب سلَف کا اتنا بڑا طبقہ کسی چیز کا قائل ہے، یہ اتنا ہی سمجھ لیتے! خدا معلوم ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ جب اس قدر فہم اور عقل اور سمجھ نہیں تو پھر اپنے منصب سے زیادہ مَباحث میں کیوں دخل دیتے ہیں! عقلاً و نقلاً محقَق ہے، نُصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوتے ہیں، جب تک کوئی قوی صارِف نہ ہو! ورنہ پھر نُصوص کوئی چیز ہی نہ رہیں گے! جو جس کے خیال میں آیا یا اپنی رائے میں آیا کہہ دیا، پھر یہ کہ تمہاری کوئی کس طرح ماننے لگا؟ جبکہ سلَف کے اتنے بڑے طبقہ کی تم نہیں مانتے! پھر تو سب مُعاملہ ہی درہم برہم ہو جائے گا! پھر جب بزعم تمہارے، حضور ﷺ اور صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین کسی مسئلہ کو نہ سمجھ سکے، تو تم بدعقل بدفہم کیا سمجھو گے! چہ نسبت خاک را بعالم پاک! اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی نظر بالکل سطحی ہوتی ہے، گو کسی کی وسیع بھی ہو؛ کیونکہ وسعت تو تبحر ہے، مگر خود تبحر کی دو قسمیں ہیں جو ایک مولوی صاحب نے بیان کی تھیں کہ ایک کدو تبحر ہے، ایک مچھلی تبحر۔ سو کدو تو اُوپر اُوپر پھرتا ہے، اور تمام سمندر کو دیکھ لیتا ہے، مگر اس کو قَعر دریا کی خبر نہیں، اور مچھلی عُمق پر پہنچتی ہے۔ سو یہ آجکل کے اس قسم کے لوگ اگر متبحر بھی ہوں تو کدو متبحر ہیں، اُوپر اُوپر پھرتے ہیں، حقیقت کی کچھ خبر نہیں! پس ان لوگوں کو چند چیزیں یاد ہیں، وہ بھی کہیں

کی اینٹ، کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا! نہ مَبادی ہیں، نہ اُصول، نہ فُروع، مَن گھڑت جو جی چاہا جو منہ میں آیا بک دیا یا لکھ مارا! ساری دنیا کو اپنی طرح اندھا سمجھتے ہیں! اس کا بھی توان لوگوں کو خیال نہیں کہ آخر اَور بھی تو دنیا میں پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں! وہ ہماری ان لچر اور بیہودہ تحریرات کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟! یہ سب قُلوب میں دِین نہ ہونے کے آثار ہیں، اللہ بچائے بددینی اور جہل سے! یہ دونوں بُری بلائیں ہیں"[۱]۔

کتاب "سیرت النبی" میں مُلحدانہ نظریات

مولوی مجاہد الحسینی دیوبندی نے اپنی کتاب "علمائے دیوبند عہد ساز شخصیات" میں دیوبندی مولوی عتیق الرحمن عثمانی کا ایک مضمون شامل کیا ہے، اس مضمون میں "سیرت النبی" کے بارے میں لکھا ہے کہ "جون ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۲ھ کی بات ہے کہ "سیرت النبی" کا مقدّمہ ملک کے ایک شہرۂ آفاق ہفتہ وار اَخبار میں شائع ہونا تھا، کہ بعض اہلِ علم نے جن میں شاید کچھ دیوبندی خیال کے اصحاب بھی شامل تھے، منظّم طریقے پر بیگم صاحبہ بھوپال تک یہ شکایت پہنچائی، کہ آپ جس چیز کی اِعانت کر رہی ہیں وہ دِین میں اِلحاد کی اِعانت ہے"[۲]۔

شبلی نعمانی کا معتزلہ کی جانب رُجحان

دَورِ حاضر کے مشہور دیوبندی ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹری نے شبلی نعمانی کے متعلق لکھا کہ "اکابر دیوبند اور شبلی نعمانی کا کئی باتوں میں شدید اختلاف تھا، مولوی

---

(۱) "الافاضات الیومیہ" ۶/۳۹۲، ۳۹۳۔

(۲) دیکھیے: "تنقید معجزات کا علمی محاسبہ" شبلی نعمانی کے متعلق کچھ حقائق، صـ۱۱، ۱۲، بحوالہ "علمائے دیوبند عہد ساز شخصیات" صـ۱۱۵۔

شبلی کی فکر بعض تعبیرات میں معتزلہ کے قریب جارہی تھی"[۱]۔

شبلی نعمانی اور علمائے غیر مقلّدین

شبلی نعمانی کی قادیانیت نوازی

محمد داؤد ارشد غیر مقلّد نے شبلی نعمانی کی قادیانیت نوازی کے بارے میں لکھاکہ "مولاناشبلی نعمانی تو اس بات کے خواہاں تھے کہ مرزا محمود احمد جو اُس وقت قادیانی خلافت پر متمکّن تھے، اُن کے ساتھ مل کر اسلام کی اِشاعت کا کام لیا جائے"[۲]۔

اس کے بعد مزید لکھاکہ "مولاناشبلی نعمانی خواجہ کمال الدین[۳] کی مبلّغانہ صلاحیتوں اور کاروائیوں کا وسیع ظرفی سے اعتراف فرماتے ہیں، کہ انہوں نے ۱۹۱۲ء/ ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۹۳۲ء/ ۱۳۵۱ھ تک اپنی پوری ۲۰ برس زندگی، اسلام کی تبلیغ اور اس کے مَحاسن کی اِشاعت، اور یورپ میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی میں صَرف کی۔ افسوس کہ ان کی موت سے دنیاکی مذہبی بزم میں ایک اہم جگہ خالی ہوگئ!"[۴]۔

شبلی نعمانی اور علمائے ندوہ

شبلی نعمانی کے اَفکار و نظریات اور آزاد خیالی کی مخالفت، صرف علمائے اہلِ سنّت

---

(۱) "ماہنامہ الرشید "دار العلوم دیوبند نمبر، ۴۴۹، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء۔

(۲) دیکھیے: "تنقید معجزات کا علمی محاسبہ "شبلی نعمانی کے متعلق کچھ حقائق، ص۱۱، ۱۲، بحوالہ "القول الفصیح فی احوال نداء مسیح" ص۸۔

(۳) خواجہ کمال الدین پیشے کے لحاظ سے وکیل، لاہور قادیانی تحریک کے ایک رکن اور قادیانی تحریک کے بارے میں متعدّد مطبوعات کے مصنّف تھے۔

(https://ur.wikipedia.org/wiki/خواجہ_کمال_الدین)

(۴) دیکھیے: "تنقید معجزات کا علمی محاسبہ "شبلی نعمانی کے متعلق کچھ حقائق، ص۱۱، ۱۲، بحوالہ "القول الفصیح فی احوال نداء مسیح" ص۸، ۹۔

نے نہیں کی، بلکہ اس مخالفت میں علمائے دیوبند کے ساتھ خود اہلِ ندوہ بھی پیش پیش نظر آتے ہیں! شیخ محمد اِکرام "شبلی نامہ" میں ذکر کرتے ہیں کہ "شبلی کے عقائد اور ان کی علمی زندگی پر اعتراض کرنے والوں میں مولوی خلیل الرحمن سہارنپوری سب سے آگے تھے، چنانچہ مولوی خلیل الرحمن نے ان کی صحبت کو طلباء کے لیے سخت مضِر قرار دیا، اور ندوہ کے دیگر اَرکان اور بہی خواہ (مثلاً شاہ سلیمان پھلواری) بھی شبلی کو قریب سے دیکھنے کے بعد، مولوی خلیل الرحمن کے ہم خیال ہو گئے"[1]۔

شِہاب الدین ندوی دیوبندی کی جانب سے شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی وغیرہ کا رَد

احمد رضا بجنوری دیوبندی نے شبلی نعمانی کی اَغلاط کے بارے میں لکھا کہ "مولانا شِہاب الدِین ندوی نے جو نقد، علمائے مصر شیخ محمد عبدہ وغیرہ، اور سر سیّد و علّامہ شبلی اور مولانا آزاد و مولانا سیّد سلیمان ندوی کی روِش پر کیا ہے، وہ نہایت اہم ہے"[2]۔

اس کے بعد احمد رضا بجنوری دیوبندی نے مزید لکھا کہ "اس مضمون کو پڑھ کر علمائے مصر محمد عبدہ وغیرہ، اور ہندوستان کے مولانا آزاد، مولانا سیّد (سلیمان ندوی) صاحب، علامہ شبلی اور سر سیّد و ڈاکٹر اقبال کی مُسامَحات پر مطلع ہو کر بڑا افسوس ہوا اور حیرت بھی، غالباً ڈاکٹر اقبال کی غلط فہمی تو حضرت شاہ صاحب سے استفادہ سے پہلے کی ہو گی، واللہ تعالیٰ اعلم"[3]۔

---

(۱) "شبلی نامہ" "ندوۃ العلماء ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ تک، ص۱۹۱۔

(۲) "ملفوظات محدّث کشمیری" ص۱۹۱۔

(۳) ایضاً، ص۱۹۳۔

دار العلوم ندوہ کی تردید و تعاقُب کی اصل وجہ

۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ میں آغا خاں کا ندوہ میں آنا، اور ۵۰۰ روپے سالانہ اِمداد منظور کرنا۔ اسی طرح ۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ میں جب مولوی عبد الکریم مدرّس ندوۃ العلماء نے جہاد پر ایک مضمون لکھ کر شائع کیا، تو اس کی پاداش میں ان کو معطّل کر دیا گیا۔ الغرض اَربابِ ندوہ نے اپنے پچھلے مذہب سے رُجوع فرما کر ایک نیا مذہب اختراع کیا، عقائد سے لے کر عملیات تک مخالفتِ اہلِ سنّت پر تُلے ہوئے تھے[1]۔

خلاصۂ کلام

ان حالات میں علمائے اہلِ سنّت سے توقُّع رکھنا کہ وہ ندوہ کی حمایت کریں، کس طرح ممکن تھا؟! کیونکہ اہلِ سنّت تو پابندیٔ مذہب میں تمام اُمّت پر سبقت حاصل کیے ہوئے تھے، وہ کس طرح سے اس مذہبی کج رَوی پر مُہرِ تصدیق ثبت کر سکتے تھے؟!

بالجملہ یہ وہ حقائق ہیں جن کے باعث علمائے اہلِ سنّت "تنظیم ندوۃ العلماء" میں پائے جانے والے مَفاسِد کی اِصلاح، اور مذہبِ اہلِ سنّت پر کاربند رہنے کی تبلیغ میں مصروفِ عمل ہوئے، لہٰذا یہاں سے علمائے اہلِ سنّت کی اُن تمام تر کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جو انہوں نے "تنظیم ندوۃ العلماء" کی اصلاح میں کیں:

---

(۱) "رد اَرباب الشقاق واصحاب النفاق" ص۶، ۷۔ و"مظہر الحق" ص۳۔ و"اظہار مکائدِ اہلِ ندوہ" ص۳۳، ۳۴۔ و"فتاویٰ السُنّۃ لِاِلجام الفتنہ" ص۱۳، ۱۴ و۱۶۔ و"موجِ کوثر" ص۱۸۸۔ و"شبلی نامہ" ندوۃ العلماء ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ تک، ص۱۶۸۔

ندوہ کا تیسرا دَور

اصلاحِ ندوہ کی تحریک

علّامہ وصی احمد سُورتی، اور خانقاہ گنج مرادآباد

جلسۂ دستار بندی میں چونکہ ندوۃ العلماء کے قیام کا اچانک فیصلہ کیا گیا تھا، لہذا اختلافی مسائل سامنے نہ آسکے، صرف خیر مقدمی تقاریر ہوئیں، جیسا کہ اس جلسہ کی رُوداد سے ظاہر ہے، لیکن دوسرے سال کے منعقدِ اجلاس سے پہلے ہی کچھ علمائے اہلِ سنّت ندوہ کے خد وخال بدلنے کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہوگئے، جبکہ دیگر علماء اِصلاح کے انتظار میں ندوہ سے تعاوُن کرتے رہے۔ مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی چونکہ ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کے تلامذہ میں سے تھے، اس لیے ابتداء میں خاموش رہے، لیکن دوسرے جلسۂ لکھنو میں بھی وہی کچھ ہوا جو پہلے جلسے میں ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے اظہارِ حق کو ضروری تصوُر کرتے ہوئے، اصلاحِ ندوہ کی جانب توجہ دی۔ حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی تک بھی (جو اُن دنوں شدید اِستغراق کے عالَم میں تھے) ندوہ کی کاروائیاں پہنچیں، اور آپ سخت کبیدہ خاطر ہوئے، چنانچہ آپ کے صاحبزادے مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی جب جلسۂ لکھنو میں شرکت کی اجازت لینے آپ کی خدمت میں پہنچے، تو آپ نے فرمایا کہ "وہ مُعاملاتِ نفس ہیں، لہذا وہاں جانے کی کچھ ضرورت نہیں"[1]۔

---

(۱) "مکتوبات علماء وکلام اہل صفا" مکتوب جناب مولوی سیّد محمد رضا صاحب سندَیلوی، ص۹۳۔

لکھنؤ کا اِجلاس ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء اور مولانا وصی احمد سُورتی کی مَساعی ندوہ کی اصلاح کا اِذن دربارِ گنج مراد آباد سے ملا

حضرت شاہ فضلِ رحمن گنج مراد آبادی کو مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کی حق پرستی ہمیشہ عزیز رہی، بحیثیت خلیفہ مولانا وصی احمد محدّث سُورتی کے لیے یہ ضروری تھا کہ آپ ندوہ سے علیحدگی اختیار کرنے سے قبل، یا اُس کے خلاف کوئی فتوی دینے سے پہلے، اپنے پیرو مرشد شاہ فضلِ رحمن سے رجوع کریں، چنانچہ آپ نے لکھنؤ کے اِجلاس منعقدہ ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء کے بعد گنج مرادآباد حاضری دی، اور تمام رُوداد اپنے پیر ومرشد کے گوش گزار کی، چنانچہ شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی نے مولانا محمد علی مونگیری کو طلب کیا، اور مَفاسدِ ندوہ کے سلسلے میں باز پُرس کی، لیکن اُن کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی اَور جواب نہیں تھا؛ کیونکہ ندوہ پر تو تمام غیر مقلّد، رافضی اور نیچری پوری طرح قبضہ کر چکے تھے، یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کو اِذنِ اظہارِ حق ملا، اور آپ اصلاحِ ندوہ میں مصروف ہو گئے[1]۔

شاہ فضلِ رحمن گنج مراد آبادی اور ان کے مریدین بھی ندوہ سے علیحدہ ہو گئے

پروفیسر انصار حسین نے لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کو ابتداء ہی سے قومی اور مذہبی مَشاغل سے خاص لگاؤ تھا، وہ ملک میں مذہبی علوم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاہ عبد الحق محدِّث دہلوی[2]

(۱) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۰۷۔

(۲) شیخ عبد الحق بن سیف الدین ترک دہلوی بخاری، آپ کی ابو المجد کنیت تھی، آپ ماہِ محرّم ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء شہر دہلی میں پیدا ہوئے، اپنے زمانے کے فقیہ، محقق، محدِّث، مدقق، بقیۃ =

اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی[1] کی جلائی ہوئی شمع کی رَوشنی کو دُور دراز مقامات تک پھیلا دیا جائے! یہی وجہ ہے کہ آپ علم کے نام پر ہر مذہبی

=

السلَف، حجۃ الخلف، موَرِّخِ اَضبط، فخرِ ہندوستان، جامع علوم ظاہری وباطنی، مستندِ مُوافق ومخالف تھے۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے پہلے پہل حدیث کا علم عرب سے لاکر اُس سے ہندوستان کو منوّر کیا، اور اپنی تصنیفات سے علمِ حدیث کو ہند کے ہر ایک خطہ وقطعہ میں پھیلایا۔ ۲۲ سال کی عمر تک حفظ قرآن اور اکثر علومِ دِینیہ، عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرکے مَسندِ اِفادت پر تمکن واِجلاس فرمایا۔ عین عالَمِ شَباب میں حرمین شریفین کا قصد کیا، اور عرصۂ دراز تک وہاں قیام فرماکر اولیاء کبار اور اَقطاب زمانہ، خصوصاً شیخ عبدالوہاب متقی، خلیفہ شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کرکے۔ فنِ حدیث کی تکمیل کرکے وطن واپس لوٹے۔ آپ کی تصنیفات میں: "لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح" (عربی) "اَشعۃ اللمعات" (فارسی) "مدارِج النبوّۃ"، "شرح سفر السعادت"، "شرح فتوح الغیب"، "شرح اَسماء الرِجال بخاری"، "اَخبار الاَخیار"، "جذب القلوب الی دیار المحبوب"، "زُبدۃ الآثار منتخب بَہجۃ الاَسرار"، "جامع البرکات"، "فتح المنّان فی تایید مذہب النعمان"، "ماثبت بالسُنّۃ"، "تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان" مقبول خاص وعام اور شہرت تمام رکھتی ہیں۔ ۳ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ/یکم جون ۱۶۴۲ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ آپ کا مزار حضرت قطب صاحب مہرولی واقع دہلی میں حوض شمسی کے کنارہ واقع ہے۔ ("حدائق حنفیہ" ص۴۳۰-۴۳۲۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف العین، ۳۲۰-الشیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی، ۲۱۹/۵-۲۲۹)

(۱) احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی، قطب الدین لقب، آپ کا سلسلۂ نسَب تیس ۳۰ واسطوں سے حضرت عمر فاروق خلیفۂ ثانی تک پہنچتا ہے۔ چار شنبہ کے روز بوقت طلوعِ آفتاب ماہِ شوّال ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۲ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ پانچویں سال میں مکتب میں بیٹھے اور ساتویں سال میں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو نماز میں کھڑا کیا، اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور اس سال کے آخر میں قرآن شریف ختم ہوگیا، اور کتبِ فارسیہ پڑھنی شروع کیں۔ دسویں سال میں "شرح ملّا" شروع کی، چودہویں سال نکاح ہوا، پندرہویں سال اپنے والد ماجد سے بیعت
=

تحریک کو آگے بڑھانے میں خاص حصہ لیا کرتے، "ندوہ" کے قیام کی تحریک میں اپنے پیر ومرشد شاہ فضلِ رحمن گنج مراد آبادی کے ساتھ شریک ہو کر گہری دلچسپی کا اظہار کیا، اور اس کے استحکام کے لیے سعئ بلیغ فرمائی، مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ شبلی نعمانی اور ان کے بعض رُفقاء کے مذہبی خیالات سے آپ متفِق نہیں ہوسکے، اور "ندوہ" سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ نیز شاہ فضلِ رحمن گنج مراد آبادی اور اُن کے مریدین نے بھی "ندوہ" سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے[1]۔

=

کی، اور طریقہ صُوفیائے کرام خصوصًا نقشبندیہ میں مشغول ہوئے۔ اسی سال جملہ علومِ متداوِلہ اور فنون متعارِفہ سے فراغت حاصل ہوئی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد تقریبًا ۱۲ سال تک تدریس کتبِ دینیہ وعقلیہ میں مشغول رہے، بعدازاں آپ ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۱ء کے آخر میں حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے، اور وہاں ایک سال قیام فرما کر شیخ ابو طاہر مدنی وغیرہ مشایخ سے حدیث کی روایت کی، اور وہاں کے علماء وفضلاء کی صحبت سے مستفیض ہوئے، اور شیخ ابوطاہر مدنی سے جو حاوی جمیع فِرق صوفیہ تھے، خرقہ جامعہ پہن کر اور دوسرا حج ادا کرکے، ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۲ء میں وارِدِ دہلوی ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں: "حجۃ اللہ البالغہ"، "اِزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء"، "مصفّی" (شرح فارسی "موطّا") "مسوّی" (شرح عربی "موطّا") "فیوض الحرمین"، "دُرا لثمین"، "انتباہ"، "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر"، "عقد الجید فی اَحکام الاجتہاد والتقلید"، "قول الجمیل"، "ہمعات"، "الاِنصاف فی بیان سبب الاختلاف"، "فتح الرحمن" (ترجمۂ فارسی قرآن) "اَنفاس العارِفین"، "قرۃ العینَین فی تفضیل الشیخین" وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔ ہفتہ کے دن ماہِ محرّم الحرام ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء بعمر ۶۲ سال دہلی میں وفات پائی، اور اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ("حدائق حنفیہ" ص۴۶۵-۴۶۷۔ و"نزہۃ الخواطر" حرف الواو، ۷۵۵- شیخ الاسلام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی، ۶/۴۱۰-۴۲۸)

[1] "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۷، ۱۰۸ بحوالہ "ہمارے گنج گرانمایہ مضمون" مطبوعہ ماہنامہ

=

تحریک اصلاحِ ندوہ میں محدِّث سُورتی علمائے اہلِ سنّت کا محوَر رہے

اس وقت تک علمائے اہلِ سنّت نے کھل کر "ندوۃ العلماء" سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی تھی، اور نہ ہی "ندوہ" کی حمایت سے عوام الناس کو منع کیا تھا؛ کیونکہ علمائے اہلِ سنّت کو اس بات پر یقین تھا کہ "ندوۃ العلماء" کے طریقۂ کار میں ضرور تبدیلی واقع ہوگی، مگر یہ تمام خوش فہمیاں اُس وقت کافُور ہوگئیں، جب ندوہ کے سرکردہ اَفراد نے "ندوۃ العلماء" کا تیسرا اِجلاس بریلی میں منعقد کرنے کا اعلان کیا[1]۔

ندوہ کا تیسرا اِجلاسِ بریلی اور محدِّث سُورتی

محدِّث سُورتی نے ندوہ کا اِجلاس بریلی میں منعقد ہونے سے قبل اختلافات کو دُور کرنے کی متعدّد تدبیریں کیں، مولانا محمد علی مونگیری اور محدِّث سُورتی میں استاد اور شاگرد کا رشتہ ہونے کی وجہ سے حد درجہ قربت تھی، لہذا علمائے اہلِ سنّت کو اس بات کا یقین تھا کہ اصلاحِ ندوہ کے سلسلہ میں مولانا محمد علی مونگیری سے کوئی کاروائی صرف محدِّث سُورتی ہی کرا سکتے ہیں! مولانا محمد علی مونگیری کی کیفیت سے محدِّث سُورتی بخوبی واقف تھے، جیسا کہ آپ نے مولانا احمد رضا خان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ "ناظمِ ندوہ برائے نام ہیں، قابو اَور ہی لوگوں کا ہے!"۔ اس لیے یہ طے کیا

=

"پیامِ حق" کراچی، جولائی ۱۹۸۵، صـ۱۹۔

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" صـ۱۰۹۔

گیا کہ مولانا محمد علی مونگیری کو ندویوں کے حصار سے رہائی دِلا دی جائے، مگر اس وقت تک مولانا مونگیری ندوہ کے تنخواہ دار ملازِم قرار پا چکے تھے، چنانچہ مولانا احمد رضا خان نے یہ تجویز پیش کی کہ اُن کو بریلی کے مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرِّس بُلا لیا جائے، محدِّث سُورتی نے اس تجویز سے اتفاق کیا، اور آپ شوّال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں پھر کانپور پہنچے؛ تاکہ مولانا مونگیری سے مذاکرات کر سکیں، مگر محدِّث سُورتی کے کانپور پہنچنے کے بعد اس تجویز کی اطلاع اُن اراکینِ واَربابِ ندوہ کو ہوگئی، جو مولانا محمد علی مونگیری کی شخصیت کی آڑ میں اہلِ سنّت کو دھوکہ دے کر اپنے عقائد کو عام کر رہے تھے، چنانچہ انہوں نے مولانا محمد علی مونگیری کے گرد اپنا دائرہ تنگ کر دیا، اور اس تجویز کو ایک حد تک ناکام بنا دیا، محدِّث سُورتی نے ایک مکتوب کے ذریعہ مولانا احمد رضا خان کو ان حالات کی اطلاع دی جس کا متن درج ذیل ہے:

"بعد اِہدیٰ ہدیۂ سَنیّہ! میں نے حسبِ ارشادِ صواب بنیاد محض بنظرِ خیرخواہیِ اسلام، تدابیرِ اصلاح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا، حتی کہ جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کو حضور کی ملازمت کے لیے آمادہ کیا، بلکہ اُن سے عہدِ وثیق لیا، چنانچہ تاریخِ روانگی سے بھی میں حضور کو اطلاع دے چکا، مگر افسوس کہ بوُجوہِ عدیدہ شاہد مقصود منصۂ ظُہور پر جلوہ گر نہ ہوا، انا اللہ وانا الیہ راجعون -وصی احمد حنفی اَز کانپور - ۱۵ شوّال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء"[۱]۔

---

(۱) "مکتوبات علماء وکلام اہلِ صفا" ص۱۰۹۔

اِدھر علمائے اہلِ سنّت کی جانب سے اصلاحِ ندوہ کی کوششیں جاری تھیں، اور اُدھر اَربابِ ندوہ بریلی میں اِجلاس منعقد کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، اَربابِ ندوہ کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ کہیں اِجلاسِ ندوہ درہم برہم نہ ہو جائے! چنانچہ انہوں نے اِجلاس سے قبل بریلی اور اُس کے قرب وجوار میں آباد شہروں میں وُفود بھیجے، جن کو خاص تاکید کی گئی کہ وہ خود کو سُنّی ظاہر کرتے ہوئے ندوہ کا پرچار کریں، اور عوامِ اہلِ سنّت کو (جو علماء حق پسندی کی بناء پر مخالفِ ندوہ ہو گئے ہیں) ندوہ کے حق میں ہموار کریں۔ اس سلسلہ میں شاہ سلیمان پھلواروی پیلی بھیت پہنچے، اور تائید ندوہ میں پیلی بھیت کے عوام[کی رائے] کو ہموار کرنے کے لیے کئی ایک تقاریر کیں[1]۔

محدِّث سُورتی اور امام احمد رضا

۱۳ ذیقعد ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء کو مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی نے ایک خط میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا کہ "گزشتہ جمعہ کو شاہ سلیمان صاحب بغرض اِشاعتِ ندوہ مع چند ندویوں کے وارِد پیلی بھیت ہوئے، پیشتر امام اور خوش عقیدہ لوگوں، مثل حکیم خلیل الرحمن خان صاحب وغیرہ نے قبل اَز خطبہ اُن کی فہمائش کی کہ ندوہ کے بارے میں آپ کچھ نہ فرمائیں، بندہ نے بھی اتنا کہا کہ مجھ کو ندوہ والوں سے ڈر معلوم ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ نہ کہوں گا، مگر بطور تدبیر ماتقدّم کے، میں حضور کے اِفادات اور اُن کا خط مطبوع اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا؛ کہ ان کا کچھ اعتبار نہیں! اگر اس کے خلاف گفتگو

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۱۲، ۱۱۳۔

کی تو فوراً مُؤاخذہ کروں گا! مگر -بحمد اللہ- صراحۃً تو کیا، اشارۃً بھی انہوں نے ندوہ کا ذکر نہ کیا۔ شاہ محمد شیر[1] صاحب سے ملے، انہوں نے بھی چٹکیاں لیں، چنانچہ شاہ صاحب سے ناخوش بھی ہوئے"[2]۔

مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی نے اِجلاسِ بریلی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء کے دَوران بھی اختلافات کو دُور کرنے کے سلسلے میں حتَیٰ الاِمکان کوشش کی، آپ نے مولانا لُطف اللہ علیگڑھی، مولانا محمد علی مونگیری، مولوی عبد الحق دہلوی حقّانی، مولانا خلیل الرحمن سہارنپوری، خلَف مولانا احمد علی محدِّث سہارنپوری، اور شاہ سلیمان پھلواروی سے، مولانا احمد رضا خان اور مولانا عبد القادر بدایونی کی ملاقاتیں کروائیں، کئی کئی گھنٹے مذاکرات جاری رہے، حتی کہ مولانا لُطف اللہ علی گڑھی اور مولوی عبد الحق حقّانی نے تو علمائے اہلِ سنّت سے وعدہ فرمایا، کہ اختلافات کو اِجلاس کے انعقاد واختتام سے قبل ہی دُور کر دیا جائے گا، لیکن

---

(۱) شاہ جی محمد شیر میاں کے دادا مُلک خُراسان سے ہندوستان تشریف لائے، اور شاہجہاں پور میں قیام فرمایا، شاہ جی محمد شیر میاں کی ولادت ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۶ء میں محلہ منیر خاں پیلی بھیت یوپی میں ہوئی۔ آپ جامع شریعت وطریقت، واقف رُموزِ حقیقت، متبع سنّت، ماحیٔ بدعت، مخزن جُود و سخا، مَعدنِ حلم وحیاء تھے۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں حضور شاہ جی محمد شیر میاں نے عالَمِ فانی سے عالَمِ جاودانی کی طرف کوچ فرمایا، مولانا سلامت اللہ قادری رامپوری نے حضور شاہ جی محمد شیر میاں کی تجہیز وتکفین کا کام انجام دیا، اور نماز جنازہ بھی آپ نے پڑھائی۔ آپ کا مزار مبارک محلہ منیر خان پیلی بھیت میں مرجع خلائق ہے۔

(https://urdudunia.com/?p=11433)

(۲) "مکتوبات علماء وکلام اہل صفا" ص۱۰۹، ۱۱۰۔

جلسہ شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا، مگر اختلافات اپنی جگہ برقرار رہے!
مولانا یقین الدین نے "سرگزشت ندوہ" میں اِجلاسِ بریلی کے دَوران کی جانے
والی مُصالحتی کوششوں کا بڑا تفصیلی اِحاطہ کیا ہے[۱]۔

تحریک اصلاحِ ندوہ اور علماء ومشائخِ پیلی بھیت

اِصلاحِ ندوہ کے سلسلہ میں پیلی بھیت کے علماء ومشاہیر نے بھی
بےپناہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا، مولانا یقین الدین نے "سرگزشت وماجرائے
ندوہ" میں لکھا ہے کہ "پیلی بھیت کے اہلِ عمل ورُؤساء ومعزّزین، مثل
مولانا حافظ شَوکت علی، رئیس اعظم پیلی بھیت جناب محمد عبد اللطیف خان،
صدر انجمن اسلامیہ پیلی بھیت، وجناب محمد عبد اللہ خان تاجر، ومولانا وصی
احمد محدِّث سُورتی، مولانا عبد اللطیف سُورتی، وقاضی ممتاز حسین، ومولانا
حکیم خلیل الرحمن خان، تلمیذِ رشید مولانا لُطف اللہ علیگڑھی، ومولوی عتیق
احمد، امام مسجد جامع پیلی بھیت، ومولانا عبد الحق مدرِّس، تلمیذِ رشید مولانا
وصی احمد محدِّث سُورتی وغیرہم اکابر کا شکر اہلِ سنّت پر لازم ہے؛ کہ ان
حضرات اور ان کے اصحاب کے ثَبات واِستقامت وسعی وہدایت نے -بحمد
اللہ- روزِ اوّل سے اس اسلامی شہر کو مَفاسدِ ندوہ سے پاک رکھا! ہر چند
داعیانِ ندوہ نے جی توڑ کر عرق ریزیاں کیں مگر ناکام رہے! مسجد جامع
وغیرہ کے جلسوں میں دندانِ شکن جواب سُنے، خود عالی جناب کمالات
نصاب، جناب شاہ جی محمد شیر میاں صاحب -دامت برکاتہم- نے بھی اپنے

---

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۱۶۔

اِرشاد وہمت کو حمایتِ سنّت میں صرف فرمایا، یہاں تک کہ ایک گلِ گلزارِ ندوہ[(۱)] نے دمِ ملاقات اُن کے حملۂ شیرانہ کے حضور اپنی پھلواروی کا رنگ پھیکا، اور وزن پھول سے ہلکا پایا، گُل سے شگفتہ گئے تھے، اور غنچہ سے بستہ اُٹھے، منہ کھولنے کا مَوقع ہاتھ نہ آیا!"[(۲)]۔

شاہ سلیمان پھلواروی کے فوراً بعد پیلی بھیت کے عوام اہلِ سنّت نے شہرۂ آفاق خطیب، مولانا ہدایت رسول رامپوری ثم لکھنوی کو، پیلی بھیت آنے کی دعوت دی؛ تاکہ شاہ صاحب [شاہ سلیمان پھلواری] ندوہ کے سلسلہ میں درونِ خانہ پیلی بھیت کے چند اَفراد سے جو جوڑ توڑ کر گئے ہیں اُس کا رَد کیا جاسکے! مولانا ہدایت رسول کی آمد پر حامیانِ ندوہ بڑے جزبز ہوئے، پیلی بھیت کے ایک عالم اور مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کے شاگردِ رشید مولوی صفدر علی پشاوری، حامیانِ ندوہ میں شامل تھے، چنانچہ انہوں نے مولانا ہدایت رسول لکھنوی کی تقاریر کو روکنے کی سعی کی۔ مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی ہمیشہ سے دلائل وبراہین پر زور دیتے تھے، اور کسی پر اپنا مَسلک وعقیدہ مسلَّط کرنے کے روادار نہیں تھے، اس لیے آپ نے مولوی صفدر علی پشاوری کو حمایتِ ندوہ سے منع نہیں فرمایا، تا آنکہ ندوہ کی حقیقت خود اُن پر عیاں نہ ہو گئی![(۳)]۔

---

(۱) شاہ سلیمان پھلواروی۔

(۲) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۱۰،۱۱۔

(۳) "تذکرہ محدّث سورتی" ص۱۱۴،۱۱۵۔

محدِّث سُورتی کا امام احمد رضا کے نام مکتوب

امام اہلِ سنّت کے نام ایک مکتوب میں محدِّث سُورتی لکھتے ہیں کہ "مولانا لکھنوی تشریف لائے تھے، مولوی پشاوری نے بعض میرے اَعزّہ سے کہا کہ ہم ندوہ کی طرف سے مامور ہیں کہ مولانا لکھنوی کو بیان نہ کرنے دیں، ایک بجے جس وقت ہم جامع مسجد پہنچے، اسی وقت دوسرے دروازے سے مولوی پشاوری بعض ندویوں کے ساتھ پہنچے، عبد اللہ خان صاحب نے اُن سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کا کچھ ایسا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں بےشک! عبد اللہ خان نے کہا: بہتر! جو آپ کی رائے میں آئے کیجیے، مگر پھر مجھ سے بھی شکایت نہ کیجیے! تب مولوی پشاوری کے ہوش ہرن ہوئے! خجل ہو کر مولانا لکھنوی سے کہنے لگے: ندوہ میرا پیر ہے، میں ندوہ کا مرید ہوں، اُس کو کوئی بُرا کہے گا تو میں اپنی جان دے دُوں گا! عبد اللہ خان صاحب نے کہا کہ اگر آپ نہیں سن سکتے ہیں تو آپ کیوں شریکِ بیان ہوں؟ نماز پڑھ کر چلے جائیے! بعد نماز مولانا لکھنوی ممبر پر بیٹھے اور کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا! مولوی پشاوری وغیرہ صحن میں ٹہل رہے تھے، بعد بیان کے مولوی پشاوری نے خود ہی کہا کہ دو تین روز قیام فرمائیے؛ تاکہ بقیہ لوگوں کے شبہے رفع ہو جائیں! اور ندوہ کیا ہے؟ صرف پلاؤ اور قورمہ کی فکریں ہو رہی ہیں!"[1]۔

---

(۱) "مکتوباتِ علماء وکلام اہل صفاء" ص۱۱۰۔

ندوہ کا چَوتھا اِجلاسِ میرٹھ اور محدِّث سُورتی

ندوہ کا چَوتھا اِجلاس میرٹھ میں ہوا، اس عرصہ میں مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی اپنی کتاب "التعليق المجلّي" کے پُروف (Proof) پڑھنے اور اس کی اِشاعت میں مصروف تھے، لیکن آپ کی توجہ ندوہ کی جانب سے نہیں ہٹی تھی، بلکہ آپ برابر ندوہ سے شائع ہونے والی مطبوعات اور ندوہ کی رُودادیں ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ۴ صفر ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء کو پیلی بھیت سے آپ نے مولانا احمد رضا خان کو ایک خط تحریر کیا، اور ندوہ کی رُوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ندوہ نے ایک مختصر کیفیت طبع کرائی ہے، اور اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ کو جس میں بڑی بے تہذیبی کے شنیع کلمات لکھے ہیں، محمد احسن بہاری کی طرف منسوب کیا ہے، جو خاص ناظم صاحب کے ملازِم ہیں، اور "تحفۂ محمدیّہ" کا (جو ناظم صاحب نے اپنے زرِ نقد سے جاری کیا ہے) اہتمام اور حساب وکتاب اُن کے متعلق کیا ہے، حقیقت میں اس حصۂ اوّل کے محرِّر میری رائے میں ناظم صاحب ہی معلوم ہوتے ہیں! اور یہ محمد احسن وہی ہیں جو ایامِ ندوہ بریلی میں حاضرِ خدمت ہوئے تھے، جب حضور نے فرمایا کہ "رُوداد کی عبارت ناظم نے نہیں لکھی بلکہ کسی اَور نے لکھی ہے، ناظِم کی نظر شاید اس پر نہیں پڑی" تو انہوں نے کہا: "نہیں وہ ناظم صاحب کی تحریر ہے" فقط۔ اور دوسرا خط منشی نہال احمد کے نام لکھا ہے، جو خاص دفترِ ندوہ کے محرِّر ہیں۔ اپنے یہاں کی تصنیف میں اس کیفیت کے اکاذیب کا رَد ملحق کرنا مناسب ہے!""[1]۔

---

(۱) "مکتوباتِ علماء وکلام اہل صفاء" ص۱۱۱۔

محدِّث سُورتی کا ندوہ کے رَد میں لکھے جانے والے رسائل پر تبصرہ

۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کو ندوہ کے رَد میں لکھے جانے والے رسائل موصول ہوئے، ان رسائل کے بارے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا کہ "رغم الجہَلہ" مع "غزوہ" رسائل پہنچے، بہت رسائل -بحمد اللہ- اعلیٰ درجہ کی قبولیت پر فائز ہیں! "رغم الجہلہ" اور "سَطوہ" اور "غزوہ" کی تحریر عالم طبائع کے نہایت پسند ہوئی! عبارتیں ایسی سلیس اور روزمرہ حال کے مُوافق ہیں، کہ ہر قسم کا ناظر اُن کے مطالعہ سے محظوظ ہوتا ہے، اور بےاختیار واہ واہ کہہ اٹھتا ہے! آئندہ کو بھی ایسے عنوان کی تحریر اگر ہوں گی تو نہایت مؤثِر ہوں گی! ندوہ کے سب ہفوات کا -بحمد اللہ- قَلع قَمع ہو گیا، ان کی بھی خبر لینا بہت ضروری ہے!"[1]۔

"فتاوی السُنّۃ لإلجام الفِتنۃ"

۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں حیدر آباد کے ممتاز عالم مولانا عبد الرزاق المکی نے ایک رسالہ ندوہ کے مضرّات کے رَد میں "فتاوی السُنّۃ لإلجام الفتنۃ" کے نام سے تحریر فرمایا، اس رسالہ پر ہندوستان کے متعدّد علماء کی تقاریظ موجود ہیں، مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی نے اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ "میں ندوۃ العلماء کے جلسۂ اوّل کانپور اور جلسۂ دُوم لکھنؤ دونوں میں بہ اِصرار مولانا ناظمِ ندوہ (محمد علی مونگیری) شریک ہوا، اور ہمیشہ کوشش کرتا رہا کہ ندوہ مَفاسدِ شرعیہ سے بَری

---

(۱) "مکتوباتِ علماء وکلام اہل صفاء" ص۱۱۱۔

رہے، اراکینِ خاص یا اختصاص میں وہ حضرات غالب ہیں جو دِین کو برباد کیا چاہتے ہیں! اور ان کی ہی رائے صائب تصوُر کی جاتی ہے، اور انہی کی تجویز منظور ہوتی ہے۔ بالآخر تیسرے جلسۂ بریلی میں شریک نہ ہوا، لیکن خواہانِ اصلاحِ ندوہ رہا، مولانا ناظم اور حضرت صدر (مولانا لُطف اللہ علیگڑھی) سے بہت کچھ عرض کیا، لیکن کچھ سُود مند نہ ہوا! اراکینِ ندوہ کی ہَٹ دھرمی روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور بے قیدی برابر ترقی پاتی ہے! کتبِ سابقہ کے علاوہ اَب جو اراکینِ ندوہ نے دو چار تحریریں مصلحینِ ندوہ کے جواب میں شائع کی ہیں، اُن سے بالکل یقین ہوتا ہے کہ ندوہ کی غرض اُصول وفُروعِ شرعیہ دونوں کو ضَرر پہنچانا ہے! اور اس میں وہ لوگ یہ نفع سوچتے ہیں کہ ترقیٔ دنیا مثلِ نصاری حاصل کرنے کے لیے یہی طریقۂ نیچریّہ (Naturalist) اختیار ہو سکتا ہے، کہ اسلام صرف زبانی گوئی کا نام، سنّت صرف شیعیت کے مقابل، باقی جس قدر فرقے، سب سنّیوں میں داخل! اختلافِ عقائد کچھ مضِر نہیں، اسی کو ندوہ سچا اسلام تصوُر کرتا ہے! رہا مدرسہ، اگرچہ بالفعل اس میں کتبِ دِینیہ وحنفیہ کی ہوں، لیکن فلسفۂ جدید بغیر رَد کے، بدَولت پروفیسروں کی لیاقت ودِیانت سے یقین ہے، کہ انجام کار اُصولِ اسلام کو طالب علم یوں سمجھیں گے، اور جب اُصول وضروریاتِ اسلام کا یہ رنگ لازم آتا ہے تو سنّیت اور حنفیت کا کیا ذکر! اس کے استیصال کے لیے تو غیر مقلّدین کا سنّی قرار دیا جانا ہی کافی تھا! انا للہ وانا الیہ راجعون!""[1]۔

(۱) "فتاوی السُنّہ لاِلجام الفتنہ" ص۵۲۔

اُس دَور کے ندوہ کی حالت اور "فتاوى السُنّة لإلجام أهلِ الفتنة"

اُس دَور میں ندوہ حق وباطل کو خلط ملط کرنے کی ایک کھچڑی تھی، اہلِ حق کو گرانے، باطل پرستوں کو اُٹھانے، اور حق وباطل کا فرق مٹانے کے لیے ساحرینِ برطانیہ نے یہ ایک چال چلی تھی، یہ چال برٹش گورنمنٹ کے زیرِ سایہ پلی تھی، نیچریت ودَہریت کی آغوش میں پُھولی پھلی تھی، اور اہلِ حق کو اپنے جال میں پھنسانے، حق وباطل کا فرق مٹانے کے لیے، صلحِ کلیت کے سانچے میں ڈھلی تھی، حکیم عبدالحی ندوی نے قیامِ ندوہ کے بارے میں جو تصریح کی ہے، اُس کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

"۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں "مدرسہ فیضِ عام" کانپور میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں بہت سے علمائے کرام تشریف لائے، یہ وہی اجتماع تھا جس میں "ندوۃ العلماء" کی بنیاد رکھی گئی، جس کے اَغراض ومقاصد تھے کہ (۱) مسلمانوں کو متحد کیا جائے، (۲) اُن کی اِصلاح کی جائے، (۳) مختلف الخیال علماء کو قریب لایا جائے، (۴) دینی تعلیم کی اِصلاح کی جائے۔ اس اجتماع میں مفتی احمد رضا خاں بھی شامل ہوئے تھے، لیکن جلد ہی اس سے جُدا ہوگئے، اور ندوہ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، "ندوۃ العلماء" کے خلاف انہوں نے ایک رسالہ "تحفہ حنفیہ"[1] کے نام سے جاری کیا، علاوہ بریں ندویوں کے رَد میں ایک سَو کتابیں لکھیں، اور علمائے ہند سے ندویوں کی تکفیر کے فتوی پر تقریظیں حاصل کیں، اُن سب کو یکجا کر کے کتابی شکل دی، اور مجموعے کا نام "فتاوى السُنّة لإلجام أهل الفتنة" رکھا"[2]۔

---

(۱) "نزہۃ الخواطر" میں تو اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن در حقیقت "تحفہ حنفیہ" قاضی عبد الوحید فردَوسی صاحب کے اہتمام وانصرام سے مطبع حنفیہ پٹنہ سے جاری ہوا، اور انہیں امام اہل سنّت کی بھرپور تائید وتوثیق حاصل رہی۔

(۲) "نزهة الخواطر" حرف الألف، ۸/ ۵۱.

ندوہ کا پانچواں اِجلاس اور محدِّث سُورتی

ندوہ کا پانچواں اِجلاس شاہ جہانپور میں منعقد ہونا قرار پایا، مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کی مصروفیات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا، تصنیف وتالیف کی جانب آپ نے مکمل توجہ صرف کر دی تھی، جس کی بناء پر جلسوں میں شرکت اور پیلی بھیت سے باہر کا سفر تقریبًا ترک کر دیا تھا۔ شاہ جہانپور میں ندوہ کے اِجلاس کی اطلاع ملی تو آپ نے معذرت طلب کی، لیکن مولانا عبد القادر بدایونی کے اِصرار پر شاہ جہانپور روانگی کا قصد فرمایا۔ در اصل مولانا عبد القادر بدایونی کی قیادت میں اِجلاسِ ندوہ کے مَوقع پر ایک وفد شاہ جہانپور جا رہا تھا؛ کہ وہاں پر عوامِ اہلِ سنّت کو مَفاسدِ ندوہ سے آگاہ کر سکے، اس وفد میں مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی، اور آپ کے صاحبزادے سلطان الواعظین مولانا عبد الاَحد پیلی بھیتی، مولانا مولوی حسن رضا خان بریلوی، نواب سلطان احمد خان بریلوی، مولانا حکیم عبد القیوم بدایونی، مولانا جمیل الدین خطیب جامع مسجد بدایوں، مولانا مولوی حافظ بخش متوطن آنولہ، مدرِّس مدرسہ محمدیّہ چَودھری گنج، اورحکیم مولوی محمد مؤمن سجّاد کانپوری وغیرہم شامل تھے[1]۔

شاہ جہانپور میں اِجلاسِ ندوہ سے قبل، وَفد نے اراکینِ ندوہ سے مختلف مسائل پر بات چیت کی، اور حسبِ سابق دعوتِ اصلاح دی، ندوہ کی جانب سے جن اراکین نے گفتگو کی اُن میں مولانا عبداللہ انصاری، مولوی

(۱) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۱۹، بحوالہ "غرش صنوبر" ص۱۱۔

جمیل الدین احمد خان بہادر ڈپٹی کلکٹر (Deputy Collector)، اور نواب عبد الرشید خان تحصیلدار شاہ جہانپور، اور سابق ڈپٹی کلکٹر شاہ جہانپور جناب عثمان خان شامل تھے۔ اِجلاسِ ندوہ کی صدارت مولوی محمد شاہ رامپوری کو کرنا تھی، لیکن ان کے غیر مقلّد ثابت ہونے پر طَے کیا گیا کہ مولانا احمد حسن کانپوری سے صدارت کرائی جائے۔ علمائے اہلِ سنّت کی اِجلاسِ ندوہ کے مَوقع پر شاہ جہانپور میں موجودگی کی وجہ سے، بیشتر علماء واراکین نے اِجلاسِ ندوہ میں شرکت سے اجتناب کیا۔ ان اَفراد میں میاں سیّد فخرِ عالَم، مولانا ریاست علی خان، مولوی فضل المجید، مولوی نُور عالَم ساکن سرحد، مولوی محمد گُل ساکن مرادآباد، منشی سخاوَت حسین مجسٹریٹ (Magistrate) شاہ جہانپور، اور حاجی عبد المجید خان پیلی بھیتی وغیرہ شامل تھے۔ علمائے اہلِ سنّت نے ایک ہفتہ سے زائد شاہ جہانپور میں قیام کیا اور مَفاسدِ ندوہ کو بلاخَوف عام کیا، متعدّد تقاریر کیں، اور رَدِ ندوہ میں رسائل تقسیم کیے۔ نتیجۃً اہلِ ندوہ کو شاہ جہانپور سے خاطر خواہ تائید وحمایت حاصل نہ ہو سکی، اور علمائے اہلِ سنّت فریضۂ حق ادا کر کے شاہ جہانپور سے رخصت ہو گئے[1]۔

ندوہ اور حکیم عبد القیوم شہید بدایونی

صاحبِ "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" محمود احمد قادری، استاد مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور لکھتے ہیں کہ "جب ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں "مجلسِ ندوۃ العلماء"

(۱) یہ تمام تفصیلات حکیم مؤمن سجاد کانپوری کے رسالہ "غرش صنوبر برندبۂ شاہ جہانپور" مطبوعہ ۱۳۱۶ھ سے اخذ کی گئی ہیں۔

قائم ہوئی، اور اس کے بانیوں نے دین و مذہب کے قُیود ودائرہ سے تجاوُز کرکے وہابیوں، غیر مقلّدوں اور شیعوں سے وداد واُلفت کی ٹھانی، تو دیگر علمائے اہلِ سنّت کی طرح مولانا حکیم عبد القیوم شہید بدایونی نے ان کی اصلاح کی کوشش فرمائی، اور بعد میں اس کے بالمقابل مجلس علمائے اہلِ سنّت کی بنیاد ڈالی۔ قاضی عبد الوحید صاحب رئیسِ اَعظم عظیم آباد سے تحریک کرکے "تحفہ حنفیہ" جاری کرایا، اور اس کے ذریعہ مَفاسدِ ندوہ کا رَدِ بلیغ فرمایا"[۱]۔

ندوہ اور قاضی عبد الوحید فردَوسی عظیم آبادی

قاضی عبد الوحید صاحب "مجلس ندوۃ العلماء" سے مَفاسد کی وجہ سے سخت بیزار تھے، ۹ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں مولانا احمد رضا کو لکھتے ہیں، کہ اُخوّتِ اسلامی وحمایتِ مذہبِ حنفیہ کی جہت سے لکھتا ہوں۔ ایک اخبار تردیدِ مذاہبِ باطلہ ومخالفتِ ندوہ میں نکالنے والا ہوں، آپ سرپرستی کریں! مذہبِ حنفیہ کو حق سمجھتا ہوں، اُس ندوہ کو باطل۔ ان شاء اللہ اگر آپ لوگ آمادہ ہوں تو ندوۂ حنفیہ پٹنہ میں بفضلہ قائم کروں![۲]۔

۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء ندوہ کا اجلاسِ پٹنہ

صاحبِ "تذکرہ علمائے اہلِ سنّت" محمود احمد قادری لکھتے ہیں کہ "۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پٹنہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ ہوا تھا، اراکین اَطرافِ ملک سے سمٹ کر وہاں جمع ہوئے، حضرت قاضی صاحب نے اِحقاقِ حق واِبطالِ باطل کے لیے ۱۶، ۱۷، ۱۸ رجب المرجب کو مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ بلایا، جس میں ۵۰۰ مَشاہیر علمائے اہلِ

(۱) "تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۱۳۲۔

(۲) "مکتوباتِ علماء وکلام اہل صفاء" ص۶۸، ۶۹۔

سنّت، جن میں [حضرت مولانا شاہ ابو القاسم سیّد اسماعیل حسن سجّادہ نشین مارَہرَہ مطہَّرہ] مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، صدر المدرِّسین مدرسہ حنفیہ جونپور (استاد مولانا امجد علی اعظمی، مولانا سیّد سلیمان اشرف، نیز رُکنِ ندوہ شبلی نعمانی) مولانا عبد الکافی صدر مدرِّس جامع سبحانیہ اِلہ آباد، مولانا سیّد محمد فاخر اِلہ آبادی، مولانا معوان حسین فرزند و جانشین مولانا اِرشاد حسین مجدِّدی، مولانا سیّد شاہ عبد الصمد پھپھوندوی، صدر مجلس علمائے اہلِ سنّت بریلی، مولانا عبد المقتدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی نے شرکت کی اور ندوہ کے مَفاسد کا اعلان ورَد فرمایا"[1]۔

انجمن نعمانیہ (دار العلوم نعمانیہ) اور تحریک اِصلاح ندوہ

تحریک اِصلاح ندوہ میں "دار العلوم نعمانیہ "لاہور نے بھی بھرپور کردار ادا کیا، اگرچہ دار العلوم نعمانیہ لاہور کے علماء بھی ندوہ کے اِجلاسوں میں شریک ہوتے رہے، جیسا کہ جناب اقبال احمد فاروقی "صد سالہ تاریخِ انجمن نعمانیہ لاہور" میں لکھتے ہیں کہ "ندوۃ العلماء جب قائم ہوا تو کچھ عرصہ تک اس ادارے کو سنّی علماء کی بھی سرپرستی حاصل رہی، چنانچہ اکثر شہروں کے جلیل القدر سنّی علماء، عمائدینِ ندوہ کی دعوت پر ندوہ کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے، لاہور سے انجمن نعمانیہ کی طرف سے مولانا غلام احمد شریک اِجلاس ہوا کرتے تھے، اور ان کی تقریروں کو بہت سراہا جاتا تھا"[2]۔

مزید لکھتے ہیں کہ "ندوۃ العلماء لکھنؤ نے میرٹھ میں اپنے سالانہ جلسہ میں انجمن

---

(۱) "تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۱۵۴، ۱۵۵۔

(۲) "صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور" ص۲۷۹۔

نعمانیہ کے اراکین اور اساتذہ کو دعوت دی، جناب مشیر انجمن اور دبیر انجمن مولانا تاج الدین احمد میرٹھ پہنچے، انہی دنوں پنڈت لیکھ رام کو قتل کر دیا گیا، یہ پنڈت مرزا غلام احمد قادیانی کا حریف تھا، اس کے قتل کی وجہ سے سیکورٹی کے پیشِ نظر علمائے کرام کی سخت نگرانی ہونے لگی، اور ندوۃ العلماء کا جلسہ بدنظمی کی نذر ہو گیا"[۱]۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انجمن نعمانیہ کی تاسیس اور اس کے نصابِ تعلیم میں، ندوۃ العلماء کانپور کے علماء کا بڑا کردار رہا ہے۔ اقبال احمد فاروقی "صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور" میں لکھتے ہیں کہ "دار العلوم کا نصاب مرتّب کرنے کے لیے چند علمائے کرام کے نام ریکارڈ میں موجود ہیں، ان میں مصر کے "جامعۃ الاَزہر" کے سربراہ، قسطنطینیہ [استنبول] کے "دارالعلوم آیا صوفیا" کے چانسلر (Chancellor) اور بیروت کی علمی درسگاہوں کے اساتذہ سے مشورہ کیا گیا۔ ندوۃ العلماء کانپور کے چند علماء بھی اس بورڈ میں لیے گئے جو نصاب مرتّب کر رہے تھے، صرف دینی ادارے ہی نہیں، اُس وقت کے انگریزی اداروں سے بھی، دانشورانِ عصر سے مشورے طلب کیے تھے"[۲]۔

ساتھ ہی انجمن نعمانیہ کا امام اہل سنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی سے ایک گہرا تعلق تھا، جس وقت انجمن نعمانیہ کے دار العلوم کو ایک حنفی العقیدہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ عالمِ دین، معلّم اور مدرِّس کی ضرورت پڑی تو انجمن کے مدیر، خلیفہ تاج الدین نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان بریلوی کو ایک خط لکھا، کہ آپ دار العلوم نعمانیہ

---

(۱) ایضاً ص۵۸۔
(۲) ایضاً ص۳۵۔

لاہور کو اپنے معیار کا ایک صحیح العقیدہ سنّی عالمِ دین مہیا کریں، جس کے جواب میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے انجمن نعمانیہ لاہور ۵ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء کو ایک خط میں، اپنے شاگردِ خاص مولانا ظفرالدین قادری رضوی کو، انجمن نعمانیہ کے لیے ایک مدرِّس کی حیثیت سے تقرُری کی سفارش کی۔ آپ نے لکھا کہ "مولانا ظفر الدین صاحب قادری -سلّمہ- فقیر کے یہاں اَعزّا طلبہ سے ہیں، اور میرے بجاں عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں سے تحصیلِ علوم کی، اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرِّس ہیں، اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معتمَد و مُعاوِن ہیں، میں نہیں کہتا: جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا: (۱) سنّی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں، (۲) عام دَرسیات میں -بفضلہ تعالی- عاجز نہیں، (۳) مفتی ہیں، (۴) مصنّف ہیں، (۵) واعظ ہیں، (۶) مُناظرہ -بعونہٖ تعالی- کر سکتے ہیں، (۷) علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکّی نے "زَواجر" میں اس علم کو فرضِ کفایہ لکھا ہے، اور اب ہندوستان بھر میں، بلکہ عامّۃ البلاد میں یہ علمِ عملی عامّۂ مسلمین سے اُٹھ گیا ہے۔ فقیر نے -بتوفیقِ قدیر- اس کا اِحیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہا، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر صُعوبت سے چھوڑ بیٹھے، مگر انہوں نے قدرِ کفایت اَخذ کیا، اور اب میرے یہاں کے اَوقاتِ طُلوع و غروب و نصف النہار روز تاریخ کے لیے، اور جملہ اَوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لیے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسہ کے لیے اپنے نفس پر اِیثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے! اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجیے، اور اپنے ایک اَور دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ اِن کی جگہ مقرّر کروں! اگرچہ یہ دو عظیم کام، یعنی اِفتاء و تَوقیت، اور ان

سے اہم تصنیف میں وہ ابھی ہاتھ نہیں بٹا سکتے، اس لیے وعظ ومُناظرہ تو کرسکتے ہیں۔ آپ کے دار العلوم کے لیے ان سے بہتر دوسرا معلّم ومدرِّس نہیں ملے گا!"۔

اگرچہ بعض وُجوہات کی بناء پر انجمن نعمانیہ لاہور، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی کی تدریسی خدمات حاصل نہ کر سکی، مگر اس خط وکتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن نعمانیہ لاہور کے اعلی حضرت کے ساتھ تعلقات کیا تھے، اور اعلی حضرت مولانا احمد رضا کو انجمن نعمانیہ لاہور کی سربلندی اور ترقی سے کتنی دلچسپی تھی![1]۔

اس کے علاوہ مولانا اِکرام الدین بخاری، خطیب جامع مسجد وزیر خان، جو نعمانیہ کی علمی کمیٹی کے رُکن تھے، آپ نے ۲۳ جُمادَی الاُولی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء کو اعلی حضرت فاضل بریلوی احمد رضا خان کی خدمت میں ایک استفتاء لکھ کر بھیجا، جس میں رضیع اور مُرضِعہ کی اَولاد کے مابین نکاح کے متعلق پوچھا گیا، جس کے جواب میں اعلی حضرت احمد رضا خان نے ایک مکمل رسالہ "الجلي الحَسن في حرمة ولد أخي اللَّبن" لکھ کر بھیجا، یہ رسالہ دار العلوم نعمانیہ کے رسالہ مطبوعہ اپریل تا جُون ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۲ھ میں چھپا تھا۔

اسی طرح اعلی حضرت فاضل بریلوی کے مجموعہ فتاوی ("فتاوی رضویہ") میں کئی مقامات پر، انجمن نعمانیہ لاہور کی طرف سے معلوم کیے گئے اِستفتاء اور ان کے جوابات موجود ہیں، جس سے اعلی حضرت کے ساتھ تعلقات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے![2]۔

---

(۱) ایضاً ص۲۲، و۷۵، ۷۶۔
(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: "صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور" ص۹۷، و۲۲۴-۲۴۱، و۲۴۵-۲۷۷۔

تحریک اِصلاحِ ندوہ کے سلسلے میں اعلی حضرت امام احمد رضا خان نے دار العلوم نعمانیہ لاہور کی جانب خصوصی توجہ فرمائی، آپ نے اپنے وہ اعتراضات جو انہوں نے ندوۃ العلماء پر کیے تھے، انجمن نعمانیہ لاہور کو مہیا کیے؛ تاکہ انجمن کے اراکین اور علمائے لاہور صحیح صورتحال سے واقف ہوسکیں، اور ندوہ کے عمائدین جس انداز میں کام کررہے ان سے آگاہی ہوسکے!۔

اعلی حضرت فاضلِ بریلی نے دار العلوم نعمانیہ لاہور کے اساتذہ سے تأثُرات مانگے تھے؛ تاکہ وہ ندوۃ العلماء کو دکھاسکیں، علمائے اہلِ سنّت کی اس مجلس میں آپ کے اعتراضات پر غور وخوض کیا گیا، اور اپنے تأثُرات سے ندوۃ العلماء کے ناظمِ اعلی مولانا محمد علی کو آگاہ کیا۔ ان دنوں ندوۃ العلماء کے حوالے سے بریلی میں جو اِجلاس ہوا، اس میں اعلی حضرت فاضلِ بریلوی کی دعوت پر انجمن نعمانیہ لاہور سے مولانا تاج الدین احمد، اور حکیم مفتی سلیم اللہ صاحبان بھی شریک ہوئے، جس پر انجمن نعمانیہ لاہور کے اراکین نے امام اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان کی مکمل حمایت کا اظہار کیا[1]۔

مولانا محمد علی مونگیری کا ندوہ کی نظامت سے استعفی

علمائے اہلِ سنّت کی جانب سے اصلاحِ ندوہ کی تحریک، اور ندوہ کے مَفاسِد کی تشہیر سے ندوہ کو حسبِ توقُّع مقبولیت حاصل نہ ہوسکی! وہ ندوہ جس کو ایک یا دو سال کی مدّت میں مستحکم تنظیم کا رُوپ دھار لینا چاہیے تھا، کئی سال تک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہَوا کے دوش پر ہچکولے کھاتا رہا۔ اس کے علاوہ علمائے اہلِ سنّت کی کوششوں سے ندوہ کے اندر بھی گروہ بندی شروع ہوگئی،

(۱) "صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور" صـ۴۲، و۵۵۔

انتظامی مُعاملات، لائحۂ عمل کی تیاری، اور اس کے نفاذ کے سلسلے میں رسہ کشی نے اس قدر زور پکڑا، کہ ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کو اپنے وقار کے تحفُظ کی خاطر ندوہ کی نظامت سے مستعفی ہونا پڑا۔

"حیات عبد الحی" کے مصنِّف نے لکھا ہے کہ "بالآخر ندوۃ العلماء کی تاریخ میں وہ نازُک اور افسوسناک مرحلہ پیش آگیا، جو تقریبًا تمام دینی تحریکوں اور کوششوں کی تقدیر بن چکا ہے، یعنی مجلسِ انتظامی "ندوۃ العلماء" کے اندرونی اختلافات، مزاجوں کے عدم توافُق، بلکہ تضاد اور تناقُض کی بناء پر، نیز شبلی نعمانی ندوۃ العلماء کے نصاب میں فَوری تبدیلیوں کے حق میں تھے، جبکہ مولانا مونگیری کا روِیہ اعتدال و مصلحت پر مبنی تھا، اسی طرح مولانا مونگیری کے ساتھ اس زمانے میں بعض ایسے ناخوشگوار واقعات پیش آئے، جس وجہ سے مولانا سیّد محمد علی مونگیری نے بار بار کی کوششوں، اور اَرکان کی معذرت واِنکار کے بعد "ندوۃ العلماء" کی نظامت سے استعفیٰ دے دیا، اور وہ جلسۂ انتظامیہ منعقدہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ/ ۱۹ جولائی ۱۹۰۳ء میں منظور ہو گیا"[۱]۔

مولانا محمد علی مونگیری کے استعفیٰ کے بعد مولانا مسیح الزماں شاہ جہانپوری ناظم مقرّر ہوئے، اور انہوں نے بھی ۲۱ اپریل ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ کو نظامتِ ندوہ سے استعفیٰ دے دیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر جاری رہا، ایک ایک کر کے تمام مقلّد ندوہ

---

(۱) "حیات عبد الحی" باب پنجم: نظامتوں کی تبدیلی، ندوہ کا دورِ اختلاف وانتشار... الخ، ص۱۴۷، ۱۴۸۔ و"سیرت مولانا مونگیری" ص۲۷۱، ۲۷۲، و۲۸۴۔

سے علیحدہ ہوتے رہے، حتیٰ کہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ کو ندوہ کے رُوحِ رواں مولوی شبلی نے بھی اختلافات کی بناء پر ندوہ سے استعفیٰ دیدیا[۱]۔

دیگر خانقاہ و مدارِس و علمائے اہلِ سنّت اور اراکین وغیرہ کے اسمائے گرامی جو تحریک اِصلاح ندوہ میں شریک رہے

خانقاہ گنج مراد آباد

(۱) جناب مولوی احمد میاں صاحب، جانشین مولانا فضلِ رحمن گنج مراد آبادی (۲) جناب مولوی محمد عبد القیوم صاحب (۳) جناب مولوی سیّد محمد رضا صاحب سندیلوی، پوت داماد مولانا فضلِ رحمن صاحب گنج مرادآبادی (۴) شمس العلماء مولانا مولوی سیّد ابو سعید صاحب، خلیفہ مولانا گنج مرادآبادی، وشاگرد مفتی محمد لُطف اللہ صاحب صدرِ ندوہ۔

خانقاہ چشت مبارک

(۵) مولانا سیّد لُطف علی مَودُودی حسینی۔

خانقاہ مارَہرَہ

(٦) مولانا سیّد شاہ ابو الحسین نوری، سجّادہ نشین عالیہ مارَہرَہ (۷) مولانا مولوی سیّد شاہ محمد ابراہیم قادری، صاحبزادہ سرکارِ مارَہرَہ (۸) جناب مولوی قاضی عبد الرسول محب احمد صاحب قادری، مدرِّس اعلیٰ مارَہرَہ شریف (۹) مولانا سیّد حسین حیدر قادری۔

---

(۱) ""تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۲۰۔

خانقاہ اِمدادیّہ

(۱۰) مولانا احمد حسن کانپوری (۱۱) مولانا محمد حسین اِلہ آبادی۔

خانقاہ داناپور

(۱۲) مولانا سیّد شاہ محمد اکبر صاحب ابوالعلائی، سجّادہ نشین خانقاہ داناپور۔

خانقاہ حضرت مخدوم شیخ شرف الحق والدِین یحیٰی منیری

(۱۳) مولانا شاہ امین احمد فردَوسی، سجّادہ نشین بارگاہ حضرت مخدوم شیخ شرف الحق والدین یحیٰی منیری قدّس سرّہٗ (۱۴) جناب مولوی سیّد شاہ عبدالقادر فردَوسی بہاری (۱۵) قاضِی عبدالوحید فردَوسی عظیم آبادی۔

خانقاہ پھلواری

(۱۶) مولانا سیّد شاہ بدر الدین مُجیبی، سجادہ نشین پھلواری۔

خانقاہ مجدِّدِ اَلفِ ثانی

(۱۷) جناب مولوی محمد شریف خان صاحب اَفغانی، نزیل مزار جناب شیخ مجدِّد اَلفِ ثانی۔

خانقاہ نظامی فخری

(۱۸) مولانا مولوی حاجی سیّد شاہ محمد عبدالصمد صاحب مَودودی چشتی نظامی فخری (۱۹) مولوی محمد عظیم صاحب ولایتی فخری نظامی۔

خانقاہِ بریلی

(۲۰) امام اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان (۲۱) مولانا حسن رضا خان (۲۲) مولانا حامد رضا خان (۲۳) مولانا سلطان احمد خان بریلوی (۲۴) مولانا محمد

امیر اللہ بریلوی، سابق مدرِّس اعلی مدرسہ اکبریہ (۲۵) مولانا محمد عبد الرشید مدرِّس اعلی مدرسہ اکبریہ (۲٦) مولانا محمد خلیل اللہ خان (۲۷) مولانا عبد الصمد پھپھوندوی، صدر مجلس علمائے اہلِ سنّت بریلی۔

خانقاہ شاہ فضل غوث

(۲۸) مولانا سیّد محمد غوث، سجادہ نشین شاہ فضل غوث صاحب ساقی بریلوی۔

خانقاہ بدایوں

(۲۹) مولانا عبد القادر بدایونی (۳۰) مولانا محمد عظیم صاحب ولایتی فخری نظامی (۳۱) مولانا جناب مولوی حکیم عبد القیوم صاحب قادری بدایونی (۳۲) مولانا عبد المقتدِر قادری بدایونی (۳۳) مولانا حافظ محمد بخش بدایونی (۳۴) مولانا فضلِ احمد صدیقی بدایونی (۳۵) مولانا غلام غوث غَوثی قادری بدایونی (۳٦) مولانا نور الدین احمد قادری بدایونی۔

خانقاہ شاہ جہان رفاعی

(۳۷) مولانا غلام محمد امین اللہ ابن السیّد عماد الدین الرفاعی۔

علمائے میرٹھ

(۳۸) مولوی ابو الحسن جَوہر میرٹھی (۳۹) مولوی محمد اسحاق صاحب میرٹھ (۴۰) حضرت سیّد شاہ صُوفی خان صابری میرٹھ۔

علمائے عظیم آباد

(۴۱) حکیم حافظ محمد اِسحاق عظیم آبادی (۴۲) مولانا سیّد شاہ عزیز الدِین حسین صاحب قمری ابو العلائی، سجادہ قمریہ عظیم آباد۔

علمائے رامپور

(۴۳) مولوی حکیم محمد خلیل اللہ خان صاحب رامپور (۴۴) جناب مولوی محمد کرم اللہ خان صاحب رامپور (۴۵) مولانا محمد لُطف اللہ رامپوری (۴۶) مولانا سلامت اللہ رامپوری (۴۷) مولانا نذیر احمد خان رامپوری (۴۸) مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، صدر المدرِّسین مدرسہ حنفیہ جونپور (۴۹) مولانا معوان حسین، فرزند وجانشین مولانا اِرشاد حسین مجددِّی۔

علمائے مدرسہ جرہوہ

(۵۰) جناب مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب حنفی قادری، سجادہ نشین ومہتمم مدرسہ حنفیہ جرہوہ، ضلع مظفر پور (۵۱) منشی حافظ سلامت اللہ صاحب غازی پوری، مدرِّس جرہوہ (۵۲) جناب محمد عبد الحمید صاحب حنفی قادری، مدرِّس مدرسہ جرہوہ (۵۳) جناب شیخ عبد الکریم صاحب حنفی اَز جرہوہ۔

مدرسہ جامع مسجد آگرہ

(۵۴) مولانا مولوی رحیم اللہ صاحب، مدرِّس مسجد جامع آگرہ۔

مدرسہ بمبئی

(۵۵) مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب، مدرّس بمبئی (۵۶) مولانا محمد عبید اللہ، مدرِّس اعلی مدرسہ اسلامیہ مسجد جامع بمبئی۔

علمائے خیر آباد

(۵۷) جناب مولانا مولوی سیّد عبد العزیز صاحب حنفی صابری سہارنپوری، ارشد تلامذہ مولانا مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی (۵۸) مولوی سیّد عبد العزیز صاحب، تلمیذِ رشید فاضل خیر آبادی۔

علمائے بہار وپٹنہ

(۵۹) مولانا محمد عبد الواحد خان صاحب رامپوری، مدرِّس مدرسہ "فیض رسول" بہار شریف (۶۰) مولانا نور محمد دہلوی بہاری (۶۱) مولانا امین الدین چشتی بہاری (۶۲) مولانا محمد وحید الدین (۶۳) مولانا فتح الدین پنجابی، مدرِّس صدر مجلس اہلِ سنّت پٹنہ (۶۴) مولانا فصاحت عالَم صاحب گنجی، تلمیذ مولانا لُطف اللہ علیگڑھی۔

علمائے دہلی

(۶۵) جناب مولوی حکیم ابو سعید محمد عبد المجید خان صاحب، خلَف حکیم محمد محمود خان دہلوی (۶۶) مولوی حضرت نصرت علی دہلوی۔

علمائے بنارَس

(۶۷) جناب مولوی محمد عبد الحمید صاحب پانی پتی بنارَس (۶۸) جناب مولوی عبد الرحمن حبشانی شافعی بنارَس۔

علمائے مراد آباد

(۶۹) مولانا شگفتہ محمد گُل بےنظیر (۷۰) مولانا محمد ہیبت شاہ (۷۱) مولانا ہدایت علی (۷۲) مولانا حکیم احمد حسن خان (۷۳) مولانا محمد قاسم علی (۷۴) مولانا محمد حسن، مدرِّس مدرسہ گلاوٹی، ضلع بلند شہر (۷۵) مولانا محمد دائم (۷۶) مولانا محمود حسن سہسوانی، مدرِّس مدرسہ اسلامیہ (۷۷) مولانا محمد انوار اللہ۔

علمائے شاہ جہانپور

(۷۸) مولانا مقصود العُلی، مدرِّس مدرسہ اسلامیہ، شاگرد مَولوی لُطف اللہ صاحب مفتی حیدر آباد (۷۹) مولانا محمد ریاست علی (۸۰) مولانا محمد حسن جمال۔

علمائے اِلہ آباد

(۸۱)مولانا عبدالکافی، صدر المدرّس جامعہ سبحانیہ اِلہ آباد (۸۲)مولانا سیّد محمد فاخراِلہ آبادی۔

دار العلوم انجمن نعمانیہ ودیگر علمائے لاہور

(۸۳)پیر مہر علی شاہ صاجب گولڑوی (۸۴)پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری (۸۵) مولانا محرم علی چشتی (۸۶) مفتی سلیم اللہ (۸۷) مولوی سراج الدین (۸۸) مولانا نُور بخش توکُلی (۸۹)مولوی غلام محمد بگوی (۹۰)مولوی غلام قادر بھیروی (۹۱)مفتی عنایت اللہ (۹۲) مولوی غلام احمد (۹۳)مفتی عبدالرحیم وغیرہ۔

ان کے علاوہ اُس وقت ہند کے مختلف شہروں سے، جن جن علماء ومشائخ نے تحریک اِصلاحِ ندوہ میں اپنا کردار ادا کیا، ان کے اسمائے گرامی مختصراً درج ذیل ہیں:

دیگر علمائے اہلِ سنّت

(۹۴)جناب مولوی محمد ابراہیم بیسلپوری (۹۵) سیّد شاہ آلِ حسن صاحب رئیس نَوآبادہ (۹۶) جناب محمد برکت اللہ خان صاحب، از جام بھیڑے (۹۷) جناب منشی برکت اللہ شیر خان صاحب، ایڈیٹر اَخبار ہمدرد (۹۸) مولانا مولوی محمد حبیب علی صاحب علوی کاکوری (۹۹) مولانا مولوی محمد حفیظ الدِین حنفی صُوفی (۱۰۰) مولوی رضِی احمد صاحب مرادپور (۱۰۱) جناب ڈاکٹر شرف الدین صاحب محمودآباد (۱۰۲) مولوی شاہ محمد شفیع صاحب ناصر چشتی صابری ضلع سہارنپور (۱۰۳) مولوی سیّد شفیع احمد صاحب سہسوانی (۱۰۴) جناب مولوی سیّد ظُہور اللہ صاحب ٹونک (۱۰۵) جناب محمد عبد الحی صاحب کانپور (۱۰۶) مولانا مولوی عبدالسمیع صاحب

"مصنِّف انوارِ ساطعہ" (۱۰۷) مولوی حکیم عبد العلی صاحب عالَم گنج پٹنہ (۱۰۸) مولوی عبد الغفور صاحب، شاگرد مولوی عبد الحی صاحب مرحوم (۱۰۹) مولوی حکیم ابو العُلا محمد عبد اللہ گورکھپور (۱۱۰) جناب مولوی عبد اللہ صاحب قادری جونپور (۱۱۱) خواجہ تجمل حسین اکبرآبادی (۱۱۲) مولوی یوسف حسن (۱۱۳) مولوی محمد عبید اللہ صاحب، شاگردِ رشید مولانا مولوی احمد حسن صاحب کانپوری (۱۱۴) مولوی محمد فضل حسین صاحب (۱۱۵) جناب مولانا مولوی سیّد کریم رضا صاحب، تلمیذ جناب مولانا خیرآبادی، وجناب عبد الحی لکھنوی، وجناب مفتی محمد لُطف اللہ صاحب سکندرآبادی (۱۱۶) مولانا لُطف الرحمن صاحب مرشدآبادی (۱۱۷) جناب مولانا مولوی محمد نذیر احمد خان صاحب، مدرِّس اعلی احمد آباد (۱۱۸) مولانا سیّد عبد الصمد سہسوانی (۱۱۹) مولانا عبد القیوم شہید، وغیرہ۔

اراکینِ ندوہ

(۱۲۰) جناب منشی محمد احمد صاحب جالندھری، سابق دوستدار ندوہ، (۱۲۱) مولانا مولوی سعید احمد اشرف میاں صاحب، تلمیذِ رشید مفتی صاحب صدرِ ندوہ حیدر آباد، (۱۲۲) مولوی سیّد امیر علی مَشہدی قادری، رکن ندوہ احمدآباد، (۱۲۳) جناب مولوی عبد الحق صاحب، مدرِّس مدرسہ علی آباد، ضلع بارہ بنکی رُکن ندوہ، (۱۲۴) جناب مولانا مولوی عبد السلام صاحب قادری جبلپوری، سابق رُکن ندوہ، (۱۲۵) جناب منظرت بیگ صاحب، انسپکٹر پولیس رُکن ندوہ، (۱۲۶) جناب مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب دہلوی واعظ، رکن ندوہ، (۱۲۷) مولوی حافظ کریم بخش صاحب قادری، شاگرد مفتی لُطف اللہ صدرِ ندوہ، (۱۲۸) جناب مولانا مولوی سیّد

کریم رضا صاحب، تلمیذ جناب مولانا خیر آبادی، وجناب مولانا عبد الحی لکھنوی، وجناب مفتی محمد لُطف اللہ صاحب، (۱۲۹) جناب مولوی حکیم شاہ محمد حسین صاحب محب الٰہی، رکن انتظامی واِعزازی ندوہ، (۱۳۰) جناب محمد مختار احمد فیض آباد رکن ندوہ، (۱۳۱) جناب منشی محمد مظہر الحق صاحب ردَولوی رکن ندوہ[1]۔

ندوۃ العلماء، گنگوہی دیوبندی وغیرہ حضرات کی نظر میں

"ندوۃ العلماء" کی مخالفت صرف انہی علماء تک محدود نہیں تھی، بلکہ گنگوہ اور دیوبند کے علماء بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ "دیوبند میں مولوی محمود الحسن کی ابتدائی شرکت کے باوُجود مولوی رشید احمد گنگوہی[2] ندوہ کی تحریک سے حُسنِ ظن

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: "مکتوبات علماء وکلام اہل صفا" و "تہدید الندوہ" و "فتاوی السُنّہ لاِلجام الفتنہ" و "تذکرہ علمائے اہل سنّت" و "صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور"۔

(۲) رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش گنگوہی، ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء بروز سوموار مقام گنگوہ میں پیدا ہوئے، قرآن پاک اپنے وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں محمد تقی کے پاس کرنال چلے گئے، اور ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر محمد بخش رامپوری سے صَرف ونحو کی تعلیم حاصل کی، ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں دہلی پہنچے اور وہاں مملوک علی نانَوتوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، بعض کتب علوم عقلیہ مفتی صدر الدین آزُردہ سے پڑھیں، آخر میں شاہ عبد الغنی مجدّدی کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔ آپ کے استاد مفتی صدر الدین صاحب مولود قیام وغیرہ کو جائز کہتے تھے، جبکہ مولوی گنگوہی بچپن ہی سے ایسی رُسوم کے خلاف تھے۔ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت واِرادت رکھتے تھے، قاسم نانَوتوی کی وفات کے بعد آپ "دار العلوم دیوبند" کے دوسرے سرپرست مقرّر ہوئے، دار العلوم دیوبند کے نصاب کو تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اس لیے قاسم نانَوتوی کے =

نہیں رکھتے تھے"[۱]۔

ایک مرحلہ پر جب علمائے اہلِ سنّت کی دعوتِ اصلاح نے زور پکڑا، تو اراکینِ ندوہ نے علمائے دیوبند اور بریلی کے دیرینہ اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، علمائے دیوبند کو ندوہ میں شرکت کی دعوت دی، لیکن علمائے دیوبند بھی ندوہ کی مذہبی اور اَخلاقی صورتحال سے آگاہ ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے اس میں شرکت کو قبول نہیں کیا۔ رشید احمد گنگوہی نے تو ایک فتوی میں ندوہ کے عزائم وقیام کی سخت مذمت کی، ایک شخص محمد احسان اللہ غزنوی نے استفسار دربارۂ ندوہ کیا تو جواب میں تحریر کیا: "یہ جلسہ جلسۂ ہمدردیٔ اسلام میں نہیں ہے، بلکہ جیسا اس مسئلہ میں ظاہر کیا ہے، اس کے مُوافق باعث ہدمِ اسلام ہے! پس اس میں شرکت اور اس کی اِعانت اصلاً درست نہیں ہے! فقط، واللہ اعلم۔ بندہ **رشید احمد** عُفی عنہ"[۲]۔

اُس وقت کے "ندوہ" سے متعلق دیوبندی فرقے کے حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی نے، اپنے خیالات و تأثرات کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا: "پھر

=

ساتھ آپ بھی مسلک دیوبند کے پیشوا ہیں۔ تصانیف میں: "تصفیۃ القلوب"، "اِمداد السلوک"، "ہدایۃ الشیعۃ"، "البراہین القاطعہ علی ظلام الأنوار الساطعہ"، "فتاوی رشیدیہ" وغیرہ ذلک۔ ۸ جُمادَی الآخرہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء بروز جمعہ اذان جمعہ کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الراء، ر: ۱۴۳-شیخ علامہ رشید احمد گنگوہی، ۸/۱۶۳تا۱۶۶۔ و"سوانح علمائے دیوبند" ۱/۵۶۲تا۶۵۴ ۔ و"تذکرۃ الرشید")۔

(۱) "یادگارِ شبلی" ص۲۸۸،۲۸۹۔

(۲) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۹ بحوالہ "مہرِ گنگوہ دررَدِّ ندوہ" ص۱۲۔

خود ندوہ کا جو حشر ہوا سب کو معلوم ہے، کہ وہ ایسوں کے ہاتھ میں مدّت تک رہا، جن کی طبیعت میں بالکل نیچریت تھی، وہی سر سیّد احمد خاں کے قدم بقدم اُن کی رفتار رہی، وہی جذبات، وہی خیالات، کوئی فرق نہ تھا!"[۱]۔

سر سیّد احمد خاں[۲] کے متعلق تھانوی صاحب کی رائے یہ تھی کہ "یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت، سیرت

---

(۱) "الاِفاضات الیومیہ "۶/۳۳۵۔

(۲) احمد بن متقی حسینی دہلوی ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ/ ۱۷اکتوبر ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے نانا خواجہ فرید الدین سے حاصل کی، اس کے بعد اپنے شہر کے علماء سے نحو، صَرف، بعض رسائلِ منطق پڑھے، ان کی جوانی نہایت زندہ دل اور رنگین صحبتوں میں گزری، وہ راگ رنگ کی محافل میں شریک ہوتے، بھائی کے انتقال کے بعد رنگین صحبتوں کو یک قلم ترک کر دیا، اور رفتہ رفتہ مَولویت کا رنگ چڑھنے لگا، برطانوی دورِ حکومت میں ۱۸۳۹ء/ ۱۲۵۵ھ آگرہ میں کمیشنر (Commissioner) کے دفتر میں بطور نائب مقرّر ہوئے، دسمبر ۱۸۴۱ء/ ۱۲۵۷ھ میں مین پوری کی مصنّفی پر مقرّر ہوئے۔ الغرض کئی سرکاری عہدوں پر اپنی خدمات انجام دیں، برطانوی حکومت کی اجازت سے لندن گئے، ۱۸۶۴ء/ ۱۲۸۱ھ میں غازی پور میں "سائنسی سوسائٹی" قائم کی، علیگڑھ تحریک کی بنیاد ڈالی اور "علیگڑھ کالج" قائم کیا۔ ۱۸۸۶ء/ ۱۳۰۴ھ میں "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی، ۶ اگست ۱۸۶۹ء/ ۱۲۸۶ھ میں انڈیا آفس میں ڈیوک اوف ارگائل (Duke of Argyll) کے ہاتھ سے سی ایس آئی کا خطاب اور تمغہ ملا۔ ۱۸۸۸ء/ ۱۳۰۵ھ میں آپ کو "سر" کا خطاب دیا گیا، اور ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۶ھ میں انگلستان کی یونیورسٹی "اڈنبرا" (Edinburgh) نے ان کو ایل ایل ڈی کی اِعزازی ڈگری دی۔ انگریزوں کے پکے حمایتی تھے، چنانچہ "خطبات سر سیّد" اور "حیاتِ جاوید" میں خود لکھا: "تمام اہلِ ہند ناظمِ کشورِ ہند وائسرائے لارڈ کیننگ (Viceroy Lord Canning) –دام اقبالہم– کا یہ رحم واحسان کبھی دل سے نہیں بھولیں گے، جس نے تمام اصلی حالاتِ فساد پر غور کرکے،
=

سب بدل گئے، اور دین بالکل تباہ وبرباد ہو گیا۔ اُن کی رفتار، گفتار، نشست وبرخاست، خورد ونوش، سب میں دَہریت ونیچریت واِلحاد کا رنگ جھلکتا ہے، اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسیّد[1] کا بویا ہوا ہے "[2]۔

=

اُس پُر رحم اشتہار کے جاری ہونے کی صلاح دی.... تمام اہلِ ہند ان کے اس احسان کے بندے ہیں، اور دل وجان سے ان کو دعا دیتے ہیں، الٰہی تو ہماری دعا قبول کر، آمین! الٰہی جہان ہو اور ہمارا وائسرائے لارڈ کیننگ ہو!"۔ نیز اسی میں لکھا: "جن مسلمانوں نے سرکار کی نمک حرامی اور بد خواہی کی، میں ان کا طرفدار نہیں ہوں، میں ان سے بہت زیادہ ناراض ہوں، اور ان کو حد سے زیادہ بُرا جانتا ہوں؛ کیونکہ یہ ہنگامہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے بموجب عیسائیوں کے ساتھ رہنا چاہیے تھا، جو اہل کتاب اور ہمارے مذہبی بھائی بند ہیں"...الخ۔

سرسید احمد خان نے ہندوستان میں نیچری تحریک شروع کی، دراصل وہ جدید معتزلہ فرقے کے بانی تھے، وہ تاویلات کے ذریعے اسلامی عقائد کو انسانی عقل اور مغربی فکر وفلسفہ کے تابع کرکے رکھنے کے قائل تھے! چنانچہ "مقالاتِ سرسیّد" میں خود لکھا: "جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے، خدا نہ ہندو ہے نہ عُرفی مسلمان، نہ مقلد نہ لامذہب، نہ یہودی اور نہ عیسائی، وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے"۔

تصانیف: "خطباتِ احمدیہ" (سیرت نبویّہ میں)، "شرح عقیدۃ الاسلامیہ"، "حیاتِ محمد"، "تہذیب الاَخلاق"، "تفسیر القرآن"، "آثار الصنادید"، "تبیین الکلام" (بائبل کی تفسیر) وغیرہ۔ ۴ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ / ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء اسّی ۸۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا، اور علیگڑھ یونیورسٹی کے قرب میں مدفون ہیں۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف الالف، ۳۲- السید احمد بن المتقی الدہلوی، ۸/۳۷-۴۴۔ و"حیات جاوید" ۱/۱۱۵، ۱۱۶، و۱۸۰۔ و"خطباتِ سرسید" ۱/۴۴، ۴۵۔ و"مقالاتِ سرسید" حصہ ۱۵، ص ۱۴۷)

(۱) ان کے افکار ونظریات کا تفصیلی ذکر "فتاوی الحرمَین برَجفِ ندوۃِ المین" میں موجود ہے۔

(۲) "الاِفاضات الیومیہ" ۸/۱۳۵۔

ابوالکلام آزاد[1] کافی عرصہ چونکہ "ندوہ" میں رہے تھے، اس لیے اُن پر ندوہ کے چَودہ طبق رَوشن تھے، اور درونِ خانہ کا کوئی بھید اُن سے پوشیدہ نہیں تھا،

---

(۱) ابوالکلام محی الدین احمد بن خیر الدین کلکتوی، ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء/ ۱۳۰۶ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، آزاد کے نانا مدینہ کے ایک معتبر عالم تھے، جن کا شہرہ دُور دُور تک تھا، اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آزاد مصر کی مشہور درسگاہ "جامعۃ الازہر" چلے گئے، جہاں انہوں نے مشرقی علوم کی تکمیل کی، عرب سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے تو کلکتہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، یہیں سے انہوں نے اپنی صحافتی اور سیاسی زندگی کا آغاز کیا، کلکتہ سے ہی ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں "الہلال" نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا، یہ پہلا باتصویر سیاسی اخبار تھا، اور اس کی تعداد اشاعت تقریبًا ۵۲ ہزار تھی، اس اخبار میں انگریزوں کی پالیسیوں کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے، اس لیے انگریز حکومت نے ۱۹۱۴ء/ ۱۳۳۲ھ میں اس اخبار پر پابندی لگادی، اس کے بعد ابوالکلام آزاد نے "البلاغ" نام سے دوسرا اخبار جاری کیا، یہ اخبار بھی آزاد کی انگریز مخالف پالیسی پر گامزن رہا، ابوالکلام آزاد نے "پیغام" اور "لسان الصدق" جیسے اخبارات و رسائل بھی شائع کیے۔ شبلی نعمانی کے عقید تمند تھے، انہی کے اِیماء پر تقریبًا آٹھ ۸ ماہ "الندوہ" کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیے۔ گاندھی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں اور علی برادران کے ساتھ ان کے بہت اچھے مَراسم رہے۔ گاندھی کے فلسفۂ عدم تشدُد سے وہ بہت متاثِر تھے، گاندھی کی قیادت پر انہیں پورا اعتماد تھا، گاندھی کے افکار و نظریات کی تشہیر کے لیے انہوں نے پورے ملک کا دَورہ کیا۔ آزاد ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۹ھ میں ہندوستانی نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے، ہندوستان کی آزادی کے بعد آزاد ملک کے وزیر تعلیم بنائے گئے، مولانا آزاد سیکولیرازم (Secularism) کے لیے پُرعزم ایک قوم کے حامی تھے، سلفی العقیدہ تقلید کے منکِر تھے، اسی سبب اپنے والد کی مخالفت کی۔ ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیّم سے بے حد متاثِر تھے، نیز عقلیت میں سر سیّد احمد خان اور اس کے اصحاب سے بھی بے حد متاثِر تھے، اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ تصانیف: "تذکرہ"، "غبارِ خاطر"، "کاروانِ خیال"، "تفسیر القرآن" وغیرہ۔ یکم شعبان ۱۳۷۷ھ/ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ ("نزہۃ الخواطر" حرف =

انہوں نے بعض ایسی چیزیں بھی دیکھیں جن کے باعث علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ چنانچہ ندوہ کے بظاہر خوشنما اور حقیقت میں پُر فریب جال کی کہانی، گاندھویوں کے امام الہند کی زبانی سینے، موصوف اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں کہ "ندوۃ العلماء کے اجتماع سے مجھے رَوشن خیال علماء کی جو حالت منکشِف ہوئی، کیونکہ منتسبینِ ندوہ کی طرف میرا ایسا ہی حُسنِ ظن تھا، اس سے طبیعت کو اَور زیادہ مایوسی اور طبقۂ علماء کی طرف سے سخت وَحشت پیدا ہوگئی، مخالفینِ ندوہ وہاں جو کچھ کر رہے تھے، اُن کی نسبت تو خیال تھا کہ یہ رَوشن خیال نہیں ہیں، لیکن جو لوگ ندوے کے لیے سرگرم تھے، اُن کی بھی عجیب حالت نظر آتی تھی، چونکہ پانچ چھ مہینے تک اُن سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا، اس لیے اندرونی حالت بالکل میرے سامنے تھی، میں نے دیکھا کہ بالکل چالاک دنیاداروں کی سی کاروائیاں کی جارہی ہیں، اور وہ تمام وسائل بے دریغ عمل میں لائے جاتے ہیں، جو اپنی کامیابی کے لیے ایک شاطر سے شاطر اور عیّار سے عیّار جماعت کر سکتی ہے! لوگوں کو شامل کرنے کے لیے ہر طرح کی عیّاریاں کی جاتی تھیں، میرے سامنے ایک واعظ نے ندوے کے ایک سرگرم ایجنٹ سے مشورہ کیا، کہ مجلسِ وعظ میں کیونکر اُن کو اظہارِ جوش وخروش کرنا چاہیے؟ اور کیونکر آخر میں نالہ وبُکا شروع کر دینا چاہیے؟ چنانچہ تجویز پختہ ہوگئی، اس کے بعد واعظ نے جونہی "مثنوی" کی ایک حکایت شروع کی، دوسرے صاحب نے معًا کھڑے ہوکر چال بازوں کی طرح حرکتیں شروع کردیں، اس سے مجلسِ وعظ میں بڑی رقّت ہوگئی، اور اس قدر آہ وبُکا ہوا کہ

=

الاف، ۱۷- مولانا ابوالکلام احمد بن خیر الدین الکلکتوی، ۸/۲۴-۳۰۔ و "آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" ص۱۴۵)

اس پر وعظ ختم کر دیا گیا، اس طرح کی بیسیوں باتیں روز میں دیکھتا تھا، اور میرے دل میں اس طبقے (علماء) کی طرف سے وَحشت بڑھتی جاتی تھی"[۱]۔

ابو الکلام آزاد نے ندوے میں گھس کر اس کے کارکنوں کی شاطرانہ چالیں اور عیّاریاں دیکھیں، اور دیو بندی حضرات کے حکیم الاُمت و مجددِ دین وملت کہلانے والے، اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی محسوس کر لیا تھا، کہ ندویوں میں دَہریت والحادی تخم ریزی کی گئی ہے، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے اصلاحِ ندوہ کے لیے کس حد تک کوشش کی؟ اگر نا قابلِ اِصلاح دیکھا تو اس فتنے کی بیخ کنی کا فریضہ کس حد تک ادا کیا؟ مسلمانانِ ہند کے جسد میں جو یہ ناسُور پیدا کر دیا گیا تھا، اس کا ان حضرات نے کیا علاج کیا تھا؟ اس کا جواب یقیناً یہی ملے گا کہ ان حضرات نے کچھ بھی علاج نہیں کیا تھا؛ کیونکہ علاج کرنا طبیب کا کام ہوتا ہے، اور بدقسمتی سے یہ دونوں حضرات خود بھی ایمانی ورُوحانی مریض تھے، اور مرض بھی ایسا شدید تھا جس نے آخری وقت تک کسی علاج کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا!۔

علمائے دیو بند وغیرہ کے اسماء

(۱) رشید احمد گنگوہی (۲) اشرف علی تھانوی (۳) ابو الکلام آزاد۔

امام احمد رضا، علمائے بریلی اور ندوۃ العلماء

مولانا احمد حسن کانپوری صاحب کی صدارتِ "مدرسہ فیضِ عام" کے زمانے میں اِصلاحِ نصاب کے لیے "مجلسِ ندوۃ العلماء" قائم ہوئی، جس کے پہلے جلسہ میں

---

(۱) "آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" "رَوشن خیال علماء، ص۲۱۷، ۲۱۸۔

مولانا شاہ عبد القادر فاضل بدایونی اور مولانا احمد رضا بریلوی نے بھی شرکت کی، بلکہ اس جلسہ میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اِصلاحِ نصاب پر ایک مقالہ[۱] بھی پڑھا تھا[۲]، جیسا کہ سابق میں گزرا کہ مولانا لُطف اللہ رامپوری اور مولانا احمد رضا خان بریلوی تو پہلے ہی جلسہ کی کارروائی سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے، کہ انہوں نے جلسہ کے اختتام پر ناظمِ ندوہ اور صدرِ جلسہ کی توجہ اس فساد فی الدِین کی جانب مبذول کرائی، اور اظہارِ حق کر کے ندوہ سے علیحدہ ہوگئے[۳]۔

تحریکِ اِصلاحِ ندوہ میں تمام علماء امام احمد رضا کی قیادت میں متحد ہوگئے

"ندوۃ العلماء" کے مَفاسد کا ہندوستان میں سب سے زیادہ نوٹس، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبد القادر بدایونی نے لیا، اس سلسلہ میں

---

(۱) بڑی تلاش وجستجو کے باوُجود اس مقالہ تک رَسائی نہ ہوسکی، البتہ "رُوداد ندوۃ العلماء" سالِ اوّل میں مولانا مونگیری اس مضمون کے متعلق یوں لکھتے ہیں: "پھر مطابق دفعہ ۱۶ دستور العمل کے ناظم کی تجویز پیش کی گئی، تمام علمائے موجودین نے راقم ہیچکارہ کو منتخب کیا، اس کے بعد وہ مضمون پیش ہوئے جو جلسے میں پڑھے جانے کے لیے آئے تھے، مگر تنگئ وقت سے پڑھے نہ گئے، یہ کہا گیا کہ حسب موقع رُوداد میں طبع کیے جائیں، وہ مضامین یہ ہیں"۔ پھر ان مضامین کی فہرست نقل کی جن میں سرِفہرست مولانا احمد رضا خان کے مضمون کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ کا مضمون دستار بندی طلبائے "مدرسہ فیضِ عام" سے زیادہ متعلق تھا، اس لیے اُس میں طبع ہونے کے لیے دیا گیا"۔ ("رودادِ ندوہ" سال اوّل، ص۹۷)
نیز صاحبِ "سیرت مولانا مونگیری" اس مضمون کے متعلق کچھ یوں لکھتے ہیں: "اس جلسہ میں مولانا احمد رضا خان کا مقالہ بھی تھا، لیکن وہ وقت کی تنگی کے باعث پڑھا نہ جاسکا، اور "فیضِ عام" کی رُوداد میں شائع ہوا"۔ ("سیرت مولانا مونگیری" ص۱۳۱)

(۲) "سالانہ رپورٹ ندوۃ العلماء" مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲۔ و "تذکرہ علمائے اہل سنّت" ص۲۶۔

(۳) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۰۶ بحوالہ "سیوف العنوہ علی زمائم الندوہ" ص۳۰۔

مولانا وصی احمد محدّث سُورتی کے ساتھ جو علماء کام کر رہے تھے، اُن میں مولانا احمد میاں گنج مرادآبادی، خلَف مولانا شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی، مولانا محمد عادِل کانپوری، مولانا شاہ محمد حسین اِلہ آبادی، مولانا حکیم خلیل الرحمن پیلی بھیتی، تلمیذِ رشید مفتی لُطف اللہ علیگڑھی، مولانا ہدایت رسول لکھنوی اور مولانا احمد حسن کانپوری وغیرہ شامل تھے، لیکن ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء کو حضرت شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی کی وفات کے بعد، یہ تمام حضرات مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں متحد ہو گئے[1]۔

ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کے امام احمد رضا کے بارے میں تاثُرات

ندوہ کا تیسرا اِجلاسِ بریلی میں منعقد کرنے کا اعلان دَراصل ایک اعلانِ جنگ تھا؛ کیونکہ اِصلاحِ ندوہ کی تمام کوششوں کا مرکز بریلی قرار پا چکا تھا، اور مولانا احمد رضا خان بریلوی دعوتِ اِصلاح میں سرِفہرست تھے، لہذا مولوی محمد علی مونگیری ناظمِ ندوہ نے ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء کو امامِ احمد خان بریلوی کو شرکت کے لیے ایک خط بھیجا تھا، اُس میں مجددِ برحق کے بارے میں اپنے یہ تاثرات بھی سپردِ قلم فرمائے تھے کہ "مولانا آپ -بفضلہ تعالی- اس زمانۂ پُرفِتن میں اسلام کے رکنِ اعظم ہیں، ندوہ آپ حضرات کی شرکت کا بہت محتاج ہے!"[2]۔

چنانچہ علماء اہلِ سنّت نے ضروری تصوُر کیا کہ اِجلاسِ بریلی سے قبل ایک مرتبہ پھر ناظمِ ندوہ سے مَفاسدِ ندوہ کو دُور کرنے کی درخواست کی جائے،

(۱) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۰۸۔

(۲) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۲۱۔

اس مقصد کے لیے مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کو بحیثیت سفارت کار مقرّر کیا گیا، اور محدّثِ سُورتی ناظمِ ندوہ کے نام، مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک خط لے کر -جس میں پابندئ مذہبِ اہلِ سنّت کی درخواست کی گئی تھی[۱]- کانپور پہنچے، اور کئی دن تک مسائل پر بات چیت کرتے رہے، مگر کوئی مثبت جواب نہ ملا، نتیجۃً پیلی بھیت واپس آ گئے[۲]۔

امام احمد رضا کا ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کو مَفاسدِ ندوہ سے متعلق ایک اہم خط

امامِ اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان کے ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کو ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں لکھے جانے والے ایک خط سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، کہ مَفاسدِ ندوہ کی اِصلاح کی کس کس طرح سے کوششیں کی گئیں، چنانچہ امامِ اہلِ سنّت اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"بعد ماھو المسنون ملتمس! یہ بعض خُدّام اَجِلّہ علمائے اہلِ سنّت سوالات محض بنظرِ اِتضاحِ حق حاضر ہوئے ہیں، اُخوّتِ اسلامی کا واسطہ دے کر بنہایت اِلحاح گزارش، کہ للہ خالص انصاف کی نگاہ سے غور فرمایا جائے! واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرضِ نفسانیت ملحوظ نہیں، صرف تحقیقِ حق منظور ہے! ولہذا باوصف خواہشِ اَحباب ہُنوز ان کی اِشاعت نہ کی؛ کہ اگر حضرات بتوفیقِ الٰہی -جلّ وعلا- خود ہی اِصلاحِ مقاصد ودفعِ مَفاسد فرمالیں، تو خواہی نخواہی اِفشائے زَلّات کی کیا حاجت؟!

---

(۱) مولانا احمد رضا اور ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے درمیان، اصلاحِ ندوہ کے ضمن میں ہونے والی تمام خط وکتابت "مُراسلاتِ سنّت وندوہ" کے نام سے ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں مطبع نظامی بریلی سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۳۔

مولانا! ایک ایک سوال کو تاُملِ بالغ سے ملاحظہ فرما کر غور ہو؛ کہ اگر ان خادِمانِ سنّت ہی کے خیالات حق ہیں، تو (معاذاللہ) ضرر رَسانیٔ مذہبِ اہلِ سنّت میں سعی کیسی سخت بات! اور روزِ قیامت کس قدر باعثِ شدّتِ مُواخذات ہے!۔

مولانا! للہ رُجوع اِلی الحق بہتر ہے، یا تمادِی فی الباطل؟! مولانا ہم فقراء کو آپ کی ذاتِ خاص سے علاقۂ نیاز ہے، اور اراکین سے جدا بھی خود اپنے علمِ نافع و فہمِ ناصح سے تاُمل فرمائیں! ان اَغلاط کی مُشارکت میں براہِ بشریت خطافی الفکر واقع ہوئی ہو، تو رُجوع اِلی الحق آپ جیسے علمائے کِرام و ساداتِ عِظام کے لیے عین زَین ہے، نہ (معاذاللہ) عار و شین!۔

مولانا! اس وقت ہم فقراء کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے، کہ بوجہِ سلامتِ نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا ہوا ہے، ورنہ (عیاذاً باللہ) آپ کو ہرگز مُخالفت واِضرار مذہبِ اہلِ سنّت پر اِصرار مقصود نہیں! بعد تنبیہ -ان شاء اللہ تعالی- بعض اکابر علماء کی طرح فوراً بطیبِ خاطر مُوافقتِ حق فرمائیں گے! مبارک وہ دن کہ ہمارے معزّز عالِم، آلِ پاک سیّدِ لَولاک ﷺ اپنے جدِّ اکرم ﷺ کے ارشاد کی طرف مُراجعت، اور تلبیسِ مُبتدعین و تدلیسِ متضمین سے بالکلیہ مُجانبت فرمائیں! إنّ ذلك على الله يسير، إنّ الله على كلّ شيءٍ قدير!.

الٰہی صدقہ مصطفی ﷺ کا! ان کی آل کو ان کی سنّت، ان کی جماعت پر مستقیم فرما، اور فریب و مُغالطۂ اصحابِ بدَع و ہَوا سے بچا، آمین یا ارحم الراحمین!۔

مولانا! للہ چند ساعت کے لیے لحاظ ہر این وآں سے خالی الذہن ہو کر، اپنے جدِ کریم -علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم- کی احادیث پیش رکھ کر، تنہائی میں نظرِ تدبُر

فرمائیں! پھر -ان شاء اللہ تعالی- آپ کی صلاحِ طبیعت سے بہت کچھ امیدِ حق پسندی ہے! توفیقِ رفیق باد، بحرمۃ سیّد الاَسیاد، ہادی السداد، قائد السراۃ، اِلی مَناہج الرَّشاد! علیہ وعلی آلہ الاَمجاد وصحبہ الاَوتاد، وافضل السلاۃ واکمل السلام اِلی یوم التناد، آمین!۔ فقیر **احمد رضا قادری** عُفی عنہ، اَز بریلی ۲۹، شعبان المعظم، یوم الجمعہ ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء"[۱]۔

صرف ایک یہی خط نہیں، بلکہ مولانا احمد رضا خان نے کئی خطوط ناظمِ ندوہ کو اصلاحِ ندوہ کے متعلق لکھے، جنہیں "مُراسَلات ندوہ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مولانا حقّانی دہلوی کے امام احمد رضا کے بارے میں تاثُرات

اب ندوہ کے نفسِ ناطقہ مولوی عبدالحق صاحب حقّانی دہلوی کے تاثرات دیکھیے اور غور فرمائیے! حقانی صاحب نے حضرت عالمِ اہلِ سنّت [امام احمد رضا] سے تخلیہ کے لیے کہا، اور جناب مولانا محدِّث سُورتی کو بھی اپنے ہمراہ لیا، تینوں صاحب مکان کے ایک درجہ بالا میں جاکر بیٹھے، یہاں حقّانی صاحب کھلے، خود بیان فرمایا کہ "میں نے تو اُس عبارت پر دستخط کر دیے تھے، مگر اَور صاحبان نے نہ مانا" اور حضرت عالمِ اہلِ سنّت سے کہا کہ "میں تو بالکل آپ کا ہم مذہب بلکہ ہم مشرب ہوں، میں تو آپ کی اِن کوششوں پر خوش ہو رہا ہوں؛ کہ اللہ تعالی نے ہماری طرف سے ایک شیر کو قائم فرمادیا ہے! میں نے جو دو وَرَقی تحریر آپ کے مقابل لکھی وہ بھی جنگ زَرگری ہے، میں نے اُس میں لکھ دیا ہے کہ آپ عباراتِ رُوداد کاٹ دیجے، ہم تسلیم کرلیں گے، یہ اسی غرض سے لکھا ہے کہ کسی طرح ندوہ قبول کرلے!" غرض مولانا محدِّث سُورتی کے مُواجہہ میں ڈھائی گھنٹے تک مولوی حقّانی صاحب نے اسی قسم کی باتیں حضرت عالمِ اہلِ سنّت سے

(۱) "مُراسلاتِ ندوہ" ص۲، ۳۔

کہیں، جتنے اعتراضات امامِ اہلِ سنّت نے ندوہ پر فرمائے سب تسلیم کیے اور فرمایا:
"مولانا حق تو یہ ہے کہ آپ نے آنکھیں کھول دیں، اہلِ ندوہ اگر نہ بھی مانیں، تاہم اب ویسے شُتر بے مہار نہ رہیں گے! مولانا میں بھی آپ کی طرح مذہب میں بہت سخت ہوں، مولوی محمد علی صاحب ایک نرم آدمی ہیں، انہیں بد مذہبوں نے دَبا لیا ہے، میں وہابیوں، نیچریوں، غیر مقلّدوں کا سخت دشمن ہوں، مجھ سے پابندئ مذہب کو کہنا ایسا ہے کہ کسی سے کہا جائے: جورُو کو عصمت سے رکھو! میں تو خود چاہتا ہوں کہ آپ کی مثل دو ایک عالم میرے ساتھ ہو جائیں، تو ان سب بدمذہبوں کو نکال دیں! آپ اصلاح کیجیے، اگر ندوہ نہ مانے تو آپ تنہا کیوں الگ ہوتے ہیں، ہمیں بھی لے کر الگ ہوییٔ!"۔

مولوی حقّانی کی طرف سے امام احمد رضا کی حمایت

یہ باتیں فرما کر خود حقّانی صاحب نے اُسی جلسہ میں ایک عبارت دوبارہ پابندئ مذہبِ اہلِ سنّت تصنیف فرمائی؛ کہ اس پر ندوہ سے دستخط لیں گے، بعدہ پھر تینوں صاحب مجمع عام میں آئے، یہاں حضرت عالمِ اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان نے بعض جگہ اِجمال کی تفصیل، اِبہام کی توضیح فرما کر سب حاضرین کو سُنائی، یہ اِصلاح شاہ سلیمان صاحب وحافظ عزیز الدین صاحب دہلوی و غیرہما بہت صاحبوں کے مُواجہہ میں ہوئی، وہ پرچہ حقّانی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مع اِصلاح، بعینہ ہمارے پاس موجود ہے کہ اُس کی صاف شدہ نقل حقّانی صاحب وہاں لے گئے۔ رات کے دس بجے پر جلسہ ختم ہوا، آگے صدائے بر نخاست، یا رب ندوہ نہ تھا مگر شہرِ خموشاں تھا"[1]۔

---

(۱) "سر گزشت وماجرائے ندوہ" ص۱۱ تا ۱۳۔

یہ تو مولوی عبدالحق صاحب حقّانی کی حق پسندی کا نمونہ ہے، جس میں شاہ سلیمان پھلواروی صاحب بھی شریک ہیں، لیکن پھلواروی صاحب کو حقّانیت سے جتنا لگاؤ، اور مذہب اہلِ سنّت وجماعت کی جانب جتنا جھکاؤ تھا، اُس کا ذرا سا نمونہ بھی ملاحظہ ہو:

"جس دن شاہ سلیمان صاحب تشریف لائے، اور حضرت عالمِ اہلِ سنّت سے ملاقی ہوئے، مجمعِ مسلمین میں وہ پرچۂ اختلاف راقم اَز کوہِ قاف بھی دکھایا گیا، کہ حضرت علمی رسائل کا یہ آراستہ جواب، پیراستہ صلہ ملاحظہ ہو! سلیمان صاحب نے اُن قاف والی جلوہ گری کی چند ہی سطریں دیکھ کر نہایت طیش وغیظ ظاہر فرما کر، جھنجلائی ادا سے دُور پھینک دیا، مگر قُصور مُعاف! اِنسداد کچھ نہ ہوا"[۱]۔

تحریکِ اِصلاحِ ندوہ میں امام احمد رضا کو اسّی سے زائد علماء کی حمایت حاصل تھی

نیز مولانا عبد القادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اِجلاسِ بریلی سے قبل، ہندوستان کے اسّی۸۰ سے زائد علماء نے، ندوہ کے سلسلہ میں علمائے اہلِ سنّت کے مَوقِف کی تائید وحمایت میں، ایک سَو سے زائد خط تحریر کیے، جو ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء میں بریلی سے "مکتوباتِ علماء وکلام اہلِ صفا" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیے گئے تھے۔ اس مجموعۂ مکتوبات میں مولانا احمد رضا خان کے نام مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کے آٹھ خطوط بھی ہیں، جن میں محدّث سُورتی نے "ندوۃ العلماء" سے اختلافاتِ اہلِ سنّت پر بڑی مفصَّل رَوشنی ڈالی ہے![۲]۔

---

(۱) ایضاً، ص۳۸۔
(۲) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۱۵،۱۱۶۔

مَفاسدِ ندوہ کے بیان میں امامِ اہلِ سنّت کا فتوی "القُدوہ لکشف دفین الندوہ"

اس عرصے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی مَفاسدِ ندوہ کے بیان میں اپنا فتوی "القدوہ لکشف دفین الندوہ"[۱] تحریر فرما چکے تھے، اس فتوے کو اَطراف واکنافِ ہند میں بڑی ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا؛ کیونکہ اس میں مختلف بِلاد واَمصار کے تقریبًا پچپن ۵۵ علمائے اہلِ سنّت کی مَواہیر ثبت تھیں[۲]۔

مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کو پیلی بھیت پہنچنے پر، یہ فتوی مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک مکتوب کے ہمراہ موصول ہوا، جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے آپ سے مَفاسدِ ندوہ کے رَد میں فتوی تحریر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی، محدِّث سُورتی نے اس مکتوب کا جواب ۲ شعبان ۱۳۱۳ھ کو تحریر کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو لکھا کہ "مطالعۂ استفتاء دربارۂ ندوہ سے مستفید ہوا، کیا لاجواب جواب آپ نے اِفادہ فرمایا ہے، جزاکم الله عنّي وعن سائر أهل السُنّة خيرَ الجزاء! میری تحریر کا کوئی اثر پڑنا بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا، مگر آج میں نے بڑے شدّ ومد کی تحریر روانہ کر دی ہے، آپ دعا کیجیے کہ حق تعالی نتیجۂ مطلوبہ مرتَّب کرے، اور اُن کی عنان کو حق کی طرف منعطف کرے! آمین یا اِلہ العالمین!"[۳]۔

---

(۱) "فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوۃ" مطبوعہ نادری پریس بریلی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں شائع ہوا، اس کے بعد "رسائل حَسَن" مطبوعہ اکبر بُک سیلرز، لاہور ۲۰۱۲ء/۱۴۳۴ھ میں دوبارہ شائع ہوا۔

(۲) "تذکرہ محدّث سُورتی" ص۱۱۰۔

(۳) "مکتوباتِ علماء وکلامِ اہلِ صفا" ص۱۰۷۔

مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی نے اپنے مکتوب میں جس تحریر کا ذکر کیا ہے، وہ آپ کا ناظمِ ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کے نام مکتوب تھا، لیکن اَرباب ندوہ کی جانب سے حسبِ سابق خاموشی بر قرار رہی، البتہ مولانا محمد علی مونگیری نے مولانا وصی احمد کے مکتوب کا جواب اِرسال کیا، مگر اُس میں بھی کسی مثبت اِقدام کا تذکرہ موجود نہیں تھا، محدِّث سُورتی نے مولانا احمد رضا خان کو ۱۱ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء کو ایک اَور خط تحریر کیا، جس میں مولانا محمد علی مونگیری کے خط کا حوالہ بھی دیا تھا:

بحر العلوم مولانا وبالفضل اَولانا مولوی احمد رضا خان صاحب -عمّت فیوضاتُہم المشارقَ والمغاربَ- السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میں نے سابق کے عریضہ میں نظرِ فیضِ اثر سے گزارنا تھا، کہ جناب ناظم صاحب پر میری تحریر کا کوئی اثر نہیں پڑنے کا، مگر اُن کو متنبہ کروں گا، چنانچہ میں نے ایک عریضہ اُن کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے یہ عنایت کی کہ خود جواب دیا، الفاظ اُس کے بعینہ مرقومِ ذَیل ہیں:

تحریک اِصلاحِ ندوہ اور حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکّی کے خلفاء

"عزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ! محبت نامہ نے پہنچ کر مسرور کیا، آپ کا غصہ یا خفگی چونکہ خُلوص کی وجہ سے ہے، اس لیے مجھے مسرّت ہوئی ہے، بریلی کی انجمنِ اسلامیہ نے دعوتِ جلسہ کی، اور مولوی احمد رضا خان

صاحب کا خلاف ذکر کیا، اور مولوی خلیل الرحمن صاحب[۱] وغیرہ نے بھی حالت دریافت کی، اَراکین اب تک اس بات پر ہیں کہ بریلی میں جلسہ ہونا چاہیے، دیکھیے کیا ہو!" انتہی کلامہ بقدر الحاجہ۔

اراکینِ موجودین میں کوئی خوش عقیدہ نہیں، جو خوش عقیدہ تھے، مانند شاہ محمد حسین اِلہ آبادی[۲] وغیرہ، وہ لوگ بھی ندوہ کی حرکتوں سے متنفر

---

(۱) مولوی خلیل الرحمن سہارنپوری، حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری (م ٦ جُمادیٰ الاُولی ۱۲۹۷ھ/ ۱٦ اپریل ۱۸۷۹ء) کے فرزند تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ "مظاہر العلوم" میں پائی، ندوۃ العلماء کی تحریک کی ابتداء ہی سے اس سے منسلک ہوگئے، اِجلاس دُوم منعقدہ شوّال ۱۳۱۲ھ (اپریل ۱۸۹۵ء) لکھنو میں اراکینِ مجلسِ انتظامی میں شامل تھے، ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کو ندوہ کے نائب ناظم بااختیاراتِ ناظم منتخب ہوئے، بعد میں ۱۹۱۵ء میں حکیم عبد الحی رائے بریلوی کو ان کی جگہ ناظم منتخب کر لیا گیا، آخر عمر میں سہارنپور میں مقیم تھے، ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ/ ۴ فروری ۱۹۳٦ء کو سہارنپور میں وفات پائی۔ (ماخوذاز "حیات عبد الحی" ص۱۵۱)۔

(۲) آپ کی ندوہ سے علیحدگی کا ذکر حکیم حافظ محمد الفاروقی فاضل مصر اِلہ آبادی نے یوں کیا ہے: "۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹٦ء میں مولانا ندوۃ العلماء سے علیحدہ ہوگئے، اور اپنی علیحدگی کی وجہ اپنے ایک خط میں جو مولانا شاہ عبد الصمد صاحب کو لکھا تھا یوں تحریر فرمائی: "کچھ شک نہیں کہ ندوہ کا محرِک اوّل ہوں، مگر اس کے اِستقرار اور انتخاب میں مجھ سے کچھ نہیں پوچھا گیا، میں نے مولوی صاحب (محمد علی) کو اطلاع دی کہ یہ جلسہ شرکت اَغیار سے خالی ہونا چاہیے، مگر رائے نامقبول ہوئی، کچھ قواعد بھی میں نے لکھ کر بھیجے تھے، مگر علیگڑھ کے بعض حضرات کے ترتیب دادہ قواعد کے مقابلہ میں ان کی کچھ وقعت نہ ہوئی، میں دیکھتا ہوں کہ کیا عام اور کیا خاص جلسہ، دونوں میں اَغیار کا پورا پورا تصرُّف اور اختیار ہے، اور یہ مرض بظاہر لاعلاج سا معلوم ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے تئیں اس جلسہ کی شرکت کے قابل نہیں سمجھا۔ مولوی اِشفاق حسین صاحب کی خدمت میں میں نے عریضہ بھیجا، کہ ندوہ کے قبل ایک مختصر جلسہ بریلی میں کیجیے، =

ہو کر اَب کی سال سے علیحدہ ہوگئے ہیں، اب باقی ماندہ اراکین میں سب سے اوّل درجے کے دخیل شبلی معتزلی ہیں، اور دوسرے درجہ کے مولوی خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری، مولانا شبلی نے ان کو لکھا ہے کہ جس طرح ہو ندوہ کا جلسہ بریلی میں ہی ہونا چاہیے!۔ **وصی احمد** حنفی اَز پیلی بھیت، ۱۱ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء"[1]۔

چند علمائے اہلِ سنّت ندوہ کے پُرفریب جال میں پھنس گئے

چند علمائے اہلِ سنّت ایسے تھے جو ندوہ کے پُرفریب اور بظاہر خوشنما جال میں پھنس گئے تھے، عام مسلمانوں میں سے اگر کسی نے ندوہ سے کچھ تعلق رکھا تھا، تو اُن علمائے اہلِ سنّت کی شرکت کے باعث رکھا تھا، ان حضرات ہی میں ایک مفتی لُطف اللہ علیگڑھی بھی تھے، جو کچھ عرصے[2] کے بعد ندوہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ

=

اور اس میں ان حضرات کو جن کو ندوہ میں شریک ہونے سے تامُل ہے، اور بعض بعض ذی فہم اور متحد الاَذواق حضرات کو شرکت کی تکلیف دیجیے، بعد مُشاورت کے جو رائے قرار پائے اس پر عمل کیا جائے۔ میری رائے میں علیگڑھ کے مزاج والوں کا تو ایک جلسہ ہمیشہ سے قائم ہے، اہلِ حدیث والوں کا ایک جلسہ سالانہ مسمّی بہ "مذاکرۂ علمیہ" آرہ میں ہوا کرتا ہے، اب یہ جلسہ خاص ہم غرباء کاسہ لیسانِ اَحناف کا مخصوص ہونا چاہیے، اور اس کے قواعد اپنے طَور پر منضبط ہونا چاہیے، اور اس کا اشتہار بھی مخصوص ہونا چاہیے، یہی میری رائے اوّل سے تھی اور اب تک ہے۔ اگر خاص جلسہ میں میرے آنے کی ضرورت ہوگی تو آ بھی سکتا ہوں، مگر عام جلسہ میں جب تک اس کی اصلاح نہ ہولے شریک ہونا نہیں چاہتا!"۔ (دیکھیے: "سوانح حیات شاہ محمد حسین اِلہ آبادی" صـ۵۸،۵۹)

(۱) "مکتوبات علماء وکلام اہلِ صفا" صـ۱۰۸۔

(۲) یعنی ندوہ کے تیسرے اجلاسِ بریلی کے بعد۔

گئے تھے، جب تک شامل رہے ندوہ کے پُر اَسرار اُصولوں کی پابندی کرتے رہے، یہاں تک کہ اپنے بھائیوں، یعنی حضرات علمائے اہلِ سنّت کی اپیلوں درخواستوں پر کان نہیں دھرتے تھے، ایسی ہی ایک اپیل پر خاموشی اور ٹال مٹول ملاحظہ ہو:

"انیس اہلِ علم و معزّزینِ بریلی نے ایک استفتاء، ۸ سوال پر مشتمل جناب مفتی صاحب کی خدمت میں رجسٹری شدہ بھیجا، اور ضمنِ سوالات میں فتوی کا بوُجوہِ کثیرہ مخالف ندوہ ہونا رَوشن کردیا، مفتی صاحب نے جواب تحریر نہ فرمایا، بلکہ یہ تحریر فرما بھیجا کہ "میں تہیۂ سفرِ ندوہ میں ہوں، مجھ سے جواب نہیں ہو سکتا!" طُرفہ یہ کہ کاغذِ اِستفتاء بھی واپس نہ فرمایا، حالانکہ سائلوں نے صراحۃً اس کے واپس کرنے کو لکھ دیا تھا، وہ واقعۂ مذکورہ مع اِستفتاء بالتفصیل، اشتہارِ مطبوعہ ۱۴ شوّال میں شائع ہوکر، خود مفتی صاحب کی خدمت میں (جب وہ یہاں تشریف لاکر صدرِ ندوہ ہوئے) بھیج دیا گیا، کہ جناب اَب تو تہیۂ سفر سے فارغ ہیں، اب جواب عنایت ہو! مگر وہاں تو ٹھہر چکی ہے کہ ایک ندوہ اور ہزار چُپ!"[1]۔

دعویٰ خیر خواہئ اسلام کا اور کام کچھ اَور

حق کا اظہار ضروری ہے، اور باطل کو چھپایا جاتا ہے، اُس کے اُوپر بڑے بڑے خوشنما پردے ڈالے جاتے ہیں؛ تاکہ باطل کا اصل مکروہ چہرہ کسی کو نظر نہ آئے! ندوہ کی شرارت پر اسی لیے پردے ڈالے جارہے تھے، سراسر نَجاست تھی جسے چھپایا جارہا تھا! دعویٰ تو تھا اصلاحِ مسلمین، ورفعِ اختلاف، وصلحِ عام، ورفعِ نزع، وخیر خواہئ اسلام کا، اور کام کررہے تھے کہ حق کو مٹایا جائے، باطل کو سینے سے لگایا جائے، اور

---

(۱) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۱۶، ملتقطاً۔

سمجھانے بجھانے والے کو بدخواہِ اسلام و مسلمین بتا کر، دشمنِ صلح واتحاد ٹھہرا کر، عام مسلمانوں کی نظروں میں گرایا جائے! اہلِ علم اس روِش کی وضاحت چاہتے تو منہ سے زبان غائب ہو جاتی! عام مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے نکلتے، تو ندوہ کے ہر اَبجد خواں کے منہ میں گز بھر کی زبان ہوتی تھی! مفتی صاحب کے ایسے ہی سُکوت اور مولانا عبد القادر بدایونی کی جانب سے اِتمامِ حجت کی انتہاء ملاحظہ فرمائی جائے، چنانچہ مولانا یقین الدین قادری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"حضرت ممدوح [علّامہ عبد القادر بدایونی] نے حسبِ درخواست اہلِ اسلام، ۲۶ شوّال روز جمعہ کو مسجد جامع میں جناب مفتی صاحب سے بذریعۂ حلف، باہمی وساطتِ قرآن عظیم اس امر کا تصفیہ کر لینے کا ارادہ فرمایا، مگر حضرت موصوف اور بہت مسلمین سنّتوں میں مشغول تھے کہ مفتی صاحب روانہ ہوئے، مفتی صاحب کسی طرح نہ رُکے، ناچار حضرت ممدوح نے مسجد جامع میں سعادت فرمائی، اور بر سرِ منبر ہزارہا مسلمانوں کے مجمع میں، جن میں بہت اہلِ علم، خصوصاً بعض اکابرِ ندوہ بھی تھے، بخوبی مَفاسدِ ندوہ کا اعلان کیا، اور بار بار بہ اِصرار فرمایا کہ جو میرے بیان کو غلط جانتے ہوں، بلا تأمُّل اظہار فرما دیں، کوئی جواب دہ نہ ہوا! پھر وہیں بَرملا ہزاروں کی جماعت میں حضرت ممدوح نے ہر مسلمان کو اپنا وکیل کیا، کہ ہمارے اعتراضات کا جواب مفتی صاحب سے لا دیں، مگر مفتی صاحب کی طرف سے سوائے سُکوت و گریز کے آج تک کچھ ظاہر نہ ہوا!""[1]۔

---

(۱) ایضاً ص ۱۸، ۱۹، ملتقطاً۔

مفتی لُطف اللہ علی گڑھی سے تصفیہ کی آخری کوشش

مفتی لُطف اللہ صاحب علیگڑھی سے تصفیہ کی آخری کوشش اور اُس کا انجام دیکھیے، مولانا یقین الدین قادری لکھتے ہیں:

"جب جناب مفتی صاحب نے مجمع کی ملاقات نامنظور فرمائی، حضرت عالمِ اہلِ سنّت [امام احمد رضا] نے ہمارے شہر کے معزّز ذی علم رئیس، جناب سیّد محمد نبی صاحب مختار کو تکلیفِ توسُط دی، وہ اور دوسرے عالی قدر رئیس، جناب حکیم محمد اِکرام الدین صاحب، جناب مفتی صاحب کی خدمت میں گزارش پیرا ہوئے، کہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول (مولانا عبد القادر بدایونی) و حضرت عالمِ اہلِ سنّت، دونوں صاحبوں کو یا دونوں میں سے جس ایک کو آپ گوارا فرمائیں، صرف ۱۵ منٹ کے لیے ملاقات کی اجازت دیں، وہ تنہا آئیں گے! فرمایا: ندوہ کے بارے میں گفتگو کریں گے؟ کہا اَور غرض کیا ہے؟ فرمایا: ویسے تشریف لائیں میرا فخر ہے، مگر اس باب میں کچھ نہ کہیں۔ ہر چند عرض کی کہ حضرت آخر یہ "ندوۃ العلماء" ہے، اس کی بابت ہر عالم کو گفت وشنود کا استحقاق ہے! وہابی نیچری، رافضی، غیر مقلّد سب سے چسپیدگی ہو، اور علمائے اہلِ سنّت سے یوں کشیدگی؟! مگر مقبول نہ ہوئی، مفتی صاحب بار بار اپنی مقدّس انگلی اپنے مبارک منہ پر رکھتے تھے کہ ندوہ کے باب میں تو یہ ٹھہر گئی ہے! یعنی چُپ..... غرض پَون گھنٹے تک دونوں رئیسوں نے ہر طرح گزارش کی مگر ایک نہ ہزار نہ! یہاں تک کہ یہ صاحب حیران رہ گئے کہ اِلٰہ العالمین یہ مضمون کیا ہے؟!"[1]۔

---

(۱) ایضاً ص۱۹، ۲۰، ملتقطاً۔

مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کی ندوۃ العلماء سے علیحدگی

ندوہ کے تیسرے اِجلاسِ بریلی[۱] کے موقع پر اعلی حضرت نے، مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کو ندوہ کے مَفاسد سے آگاہ کیا، اور مشورہ دیا کہ وہ یا تو ندوہ کی اِصلاح کریں، یا پھر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلیں؛ تاکہ عوام الناس پر حق واضح ہو جائے! اس سلسلے میں اعلی حضرت سے مولانا لُطف اللہ علیگڑھی نے اِجلاسِ بریلی کے موقع پر ملاقات بھی کی، لیکن مولانا لُطف اللہ علیگڑھی اپنے سیدھے پن کی وجہ سے اتحاد بینَ المسلمین کے دل فریب نعرے کے اسیر ہو چکے تھے، اور اِصلاحِ ندوہ کو ضروری تصوُر کرتے ہوئے اس سے کنارہ کشی، یا اَرکانِ ندوہ کی تطہیر کو خلافِ مصلحت سمجھتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "ندوۃ

(۱) یہ اِجلاس مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کی صدارت میں منعقد ہوا، نیز یہ اجلاس اپنی شان میں یاد گار تھا؛ کیونکہ مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی مخالفت کا دَور یہیں سے شروع ہوا۔ علمائے اہل سنّت کی جانب سے مَفاسدِ ندوہ کے اظہار کے بعد، آپ نے ایک تحریری فتوی بابت مَفاسد ندوہ بھی جاری کیا، جیسا کہ مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب حنفی مدراسی کی تقریر کے متن سے واضح ہے کہ "حضرت مولانا لُطف اللہ صاحب ہندوستانی مفتی حیدرآباد، جن کی صدارت ندوہ کو مسلّم ہے، ان کا مُہری فتوی حیدرآباد سے ہمارے ایک دوست نے ہم کو بھیجا ہے، اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، جس سے واضح طَور پر مَفاسدِ موجودہ ندوہ کا بُطلان ظاہر ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ جناب ناظم صاحب وغیرہ کیوں اس کی طرف منصفانہ نظر نہ ڈالیں گے! یہ بات غور طلب نہیں کہ جس طرح ندوۃ العلماء کی ضرورت، اور علمائے اہل سنّت کی اِتفاقی کاروائی کا پورا پورا اثر ہونا ضروری، اسی طرح موجودہ مَفاسد کی اصلاح ضروری ہے! ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ جناب مولانا ناظم صاحب -مدّ لہ ظلہ- جناب مفتی صاحب کا فتوی مطبوعہ حیدرآباد ملاحظہ فرمانے کے بعد فوراً اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں گے!"۔ ("استاذ العلماء" ص۴۶۔ و"تقریرات ثلاثہ" ص۹، ۱۰)

العلماء" غیرمقلّدین کے ایک نشریاتی ادارہ کا رُوپ دھار چکا تھا، اور اس پر مولوی عبدالحی رائے بریلوی کے بعد سے مسلسل غیرمقلّدین کا تسلُط برقرار رہا۔ ہر چند مولانا لُطف اللہ علیگڑھی بھی بعد میں ندوہ کی کارکردگی سے مایوس ہو کر کنارہ کش ہو گئے تھے، اور عملاً انہوں نے ندوہ کی سرگرمیوں میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا، لیکن عوام الناس کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے غیرمقلّدین ان کا نام استعمال کرتے رہے، اور آج بھی فریب دہی کی روایت پر قائم ہیں!۔

"ندوۃ العلماء" کی سرگرمیوں میں مولانا لُطف اللہ علیگڑھی کی شرکت سے نہ صرف علمائے اہلِ سنّت، بلکہ سوادِ اعظم کو شدید صدمہ پہنچا تھا، اکثر علمائے اہلِ سنّت وعوام اہلِ سنّت نے فقہی مُعاملات میں مولانا سے رجوع کرنا ترک کر دیا تھا؛ کیونکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے نزدیک کسی بھی مذہبی مُعاملہ میں مصلحت اختیار کرنا بہت خطرناک تھا، اور مولانا لُطف اللہ علیگڑھی اصلاحِ ندوہ کے ضمن میں علمائے اہلِ سنّت کی حق شناسی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے، چنانچہ آپ کے خلاف اکثر رسائل اور کتب میں تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور یہ اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کہ آپ نے "ندوۃ العلماء" سے عملاً مکمل کنارہ کشی اختیار نہ کرلی!۔

"ندوۃ العلماء" کی اصلاح کے سلسلے میں بریلی، حیدرآباد دکن اور دیگر بلاد واَمصار سے اس زمانے میں شائع ہونے والے رسائل میں، مولانا لُطف اللہ علیگڑھی سے آپ کی ندوہ میں شرکت کے بارے میں استفسارات موجود ہیں، اس ضمن میں مولانا سیّدِ اخلاص حسین سہسوانی کا ایک رسالہ "حادِثۂ جانکاہ مفتی

لُطف اللہ "[1] قابل ذکر ہے، جس میں آپ نے غیر مقلّدوں کے خلاف مولانا کی مَساعی کو یکجا کر کے چند وقیع سوالات کیے ہیں۔

مولانا لُطف اللہ علیگڑھی چونکہ بنیادی طَور پر متصلّب حنفی اور پکے سنّی تھے، اس لیے آپ ہمیشہ علمائے اہلِ سنّت کا احترام کرتے رہے، حتیٰ کہ بریلی کے اِجلاسِ ندوہ سے قبل ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء کو، آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو ایک مکتوب اِرسال کیا، جس میں اعلیٰ حضرت کو تحریر فرمایا کہ "آپ -بفضلہ تعالی- اس زمانۂ پُرفتن میں اسلام کے رکنِ اعظم ہیں!"[2]۔

دیگر علمائے اہلِ سنّت جو شروع میں ندوہ میں شامل ہو گئے تھے وہ بھی جلد ہی الگ ہو گئے

اسی طرح دیگر علمائے اہلِ سنّت جو شروع میں ندوہ میں شامل ہو گئے تھے، جب اُن پر اس کی عیّاری کا انکشاف ہوا تو وہ بھی فوراً جُدا ہو گئے، اور آخر کار اس میں وہی حضرات رہ گئے تھے جنھوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی قبول کی، دنیا کے آرام وراحت کے بدلے آخرت کی اَبدی زندگی کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ یہ حضرات خود گمراہ ہوئے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں شب وروز کوشاں رہتے تھے! یعنی ؏

رہِ منزل میں سب گم ہیں، مگر افسوس تو یہ ہے امیرِ کارواں بھی ہیں، اِنہی گم کردہ راہوں میں

(۱) "حادثۂ جانکاہ مفتی لُطف اللہ "مؤلف مولانا اِخلاص حسین، مطبع اہلِ سنّت وجماعت بریلی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔

(۲) "تحفہ حنفیہ" محرّم الحرام ۱۳۲۵، ص۱۵۔

ندوہ برطانوی سازش کا شکار

علّامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں: "قربان جائیں اس صدی کے مجدّدِ برحق، امام احمد رضا خاں بریلوی کی مؤمنانہ فراست اور مردانہ عزم وہمت پر، جنھوں نے پوری قوّت کے ساتھ اس فتنے کا ڈَٹ کر مقابلہ کیا، اور اس برطانوی شرارت کو پوری طرح بے نقاب کیا۔ ندوہ کی کارگزاری اور سراسر غیر اسلامی روِش کا رَد کرتے ہوئے، تحریر وتقریر کے ہر میدان میں اراکینِ ندوہ کو سمجھایا بجھایا، خَوفِ خدا وخطرۂ روزِ جزاء یاد دلایا، جب وہ کسی طرح بے راہ روی اور ملّتِ اسلامیہ کی بدخواہی سے باز نہ آئے، تو ندوہ کی مشین کے ہر چھوٹے بڑے پُرزے کا وہ علمی محاسبہ کیا، کہ دلائل کے میدان میں کسی کے اندر بولنے منہ کھولنے کی جرأت نہ رہی! بریلی کے اس مردِ حق نے تائیدِ ایزدی سے حق وباطل کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچ دیا، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے دکھادیا!"[1]۔

امام احمد رضا کی اِصلاحِ ندوہ میں مَساعی کا اِجمالی خاکہ

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالی علیہ نے اراکینِ ندوہ کی، خلافِ اسلام حرکتوں اور اسلام دشمنی کی کارگزاریوں پر فہمائش کی، مگر اُن حضرات کی روِش میں کوئی فرق نہ آیا؛ کیونکہ وہ ساحرینِ برطانیہ کے ہاتھوں میں "چُوں قلم درستِ کاتب" ہو گئے تھے، تو آپ نے سرمایۂ ملّت کی نگہبانی کا فریضہ ادا کرنے، اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے باعث، اس فتنے کا پوری قوّت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس سلسلے میں آپ کی مَساعئ جمیلہ کا خاکہ یہ ہے:

---

(۱) "رسائل رضویہ" ۱/۱۵۔

(۱) ندوہ کی کارگزاری کا جائزہ لینے کی خاطر ایک مستقل رسالہ "تحفہ حنفیہ"(۱) کے نام سے جاری فرمایا۔

(۲) ندوہ کے فتنے کا اِستیصال کرنے کی غرض سے "مجلس علمائے اہلِ سنّت" کے نام سے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی ایک تنظیم بنا دی گئی۔

(۳) جس شہر میں اراکینِ ندوہ کا جلسہ ہوتا، وہاں علمائے اہلِ سنّت کو لے کر آپ بالمقابل جلسے کر کے، ندویوں کی خلافِ اسلام حرکتیں بیان کر کے، مسلمانوں کو اُن کے خوشنما اور پُرفریب جال میں پھنسنے سے بچاتے، اور اراکینِ ندوہ کو مقدّس اسلام کا واسطہ دے کر گفتگو کی دعوت دیتے تھے۔

(۴) اراکینِ ندوہ کے بے راہ روی سے باز نہ آنے پر، اُن کے رَد میں کئی کتب ورسائل تحریر کیے، جن میں سے ایک کا بھی جواب کسی بڑے سے بڑے ندوی سے نہ ہوسکا تھا۔

"فتاوی الحرمَین برَجفِ ندوۃ المَین"
اور علمائے حرمین شریفین

(۵) اراکینِ ندوہ کی خلافِ اسلام باتوں کے خلاف ایک فتوی مرتَّب کر کے، اُس پر متحدہ ہندوستان کے علمائے کرام کی تصدیقین حاصل کیں، اور اس مصدّقہ رسالہ کو "اَنجام السّلۃ" کے نام سے پورے ملک میں مشتہر کیا؛ تاکہ عوام الناس اِس صلحِ کلیت کے پُراَسرار فتنے سے باخبر ہوجائیں، اور بے خبری میں اپنی ایمان جیسی متاعِ عزیز کو

---

(۱) درحقیقت یہ رسالہ قاضی عبدالوحید فردَوسی صاحب کے اہتمام وانصرام سے جاری کیا گیا، لیکن اس میں امام اہلِ سنّت کی بھرپور تائید وحمایت حاصل تھی۔

ضائع نہ کر بیٹھیں! نیز ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں آپ نے ندوہ کے بارے میں ایک فتوی مرتّب کر کے اُسے علمائے حرمین شریفین کی خدمت میں بھیجا، اُن حضرات نے آپ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے شد ومد سے اس پر تقریظیں لکھیں، یہی وہ رسالہ ہے جو "فتاوی الحرمَین برَجفِ ندوة المين" کے تاریخی نام سے کئی بار شائع ہوا[1]۔

مولانا عبد القادر بدایونی اور امام احمد رضا خاں بریلوی نے ندوہ کی شرارت کا ڈَٹ کر مقابلہ کر کے، اسلام ومسلمین کی خیر خواہی کا حق ادا کیا

حق یہ ہے کہ تاج الفُحول مولانا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور مجدِّد وقت امام احمد رضا خاں بریلوی نے ندوہ کی شرارت کا ڈَٹ کر مقابلہ کر کے، اسلام ومسلمین کی خیر خواہی کا وہ حق ادا کیا تھا، جس پر پاک وہند کے مسلمانوں کو ان حضرات کا شکر گزار ہونا چاہیے! جب ابتدائی ایام میں اراکینِ ندوہ نے ملک کے خاص خاص شہروں میں ندوہ کے جلسے کرنے، اور بے خبر مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کا پروگرام بنایا، تو مجددِ برحق نے اس شرارت کو جس طریقے سے زندہ درگور کیا تھا، اس کی کہانی مولانا حسنین رضا خاں بریلوی کی زبانی سنیے:

"ندوہ نے اپنے نئے دِین کو ہندوستان میں پھیلانے کے لیے دَوروں کا بہت بڑا پروگرام بنایا، تو بریلی سے ابتداء کرنے کی اس لیے سُوجھی کہ امام بریلوی قدّس سرّہٗ نے اس کے خلاف مضبوط قدم اٹھایا تھا، کم اَز کم خاموشی سے ہی یہاں جلسے ہوجاتے، تو پورے ہندوستان کو فریب دینے کا موقع ہاتھ آجاتا، تحریکِ ندوہ کے سرگرم کارکن بریلی میں جمع ہوئے، جن میں بُھول سے شریک ہوجانے والے چند سُنّی علماء بھی تھے،

---

(۱) "رسائل رضویہ" ۱/۱۵، ۱۶۔

مثلاً مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور ان کے استادِ محترم، مولانا لُطف اللہ صاحب علیگڑھی، جنہیں جگت استاد کہا جاتا تھا، آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا[۱]۔

حضرتِ امام بریلوی قدّس سرّہٗ کو جونہی ان حالات کی اطلاع ملی، آپ نے ندوہ کے ذمّہ داروں کو اُن کی کھلی ہوئی غلطیوں پر تنبیہ کی، تحریری وزبانی طریقوں سے اصحابِ ندوہ کو بحث وتحقیق کی دعوت دی؛ تاکہ اسلام کی حقّانیت اور ندوہ کے نئے دین کا بُطلان واضح ہو جائے، مگر وہ ندوہ جو اپنی کمزوریوں اور فتنوں کو خوب جانتا تھا، کب بحث وتمحیص اور حق قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا؟! ہاں یہ ضرور ہوا کہ مجددِ اعظم امام بریلوی قدّس سرّہٗ کی ایک مختصر مگر ہدایت انگیز تحریر نے، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کو بے قرار کر دیا، آپ نے امام بریلوی قدّس سرّہٗ کی ہدایت پاتے ہی خادِم کو بستر باندھنے کا حکم دیا، یہ خبر ساری ندوہ تحریک میں پھیل گئی، جب آپ کے استاد مولانا لُطف اللہ صاب علیگڑھی کو اس کی اطلاع ملی، تو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کو بلوایا اور سبب دریافت کیا، مولانا احمد حسن صاحب نے امام بریلوی قدّس سرّہٗ کا وہ رُقعہ پیش کر دیا، استاد موصوف نے باآں شانِ استادی ووُسعتِ حلقۂ تلامذہ یہ خیال بھی نہ فرمایا، کہ ہدایت کی ابتداء میرے ایک شاگرد کی طرف سے ہو رہی ہے، فوراً حق کو قبول کر لیا، یہ دونوں حضرات اور اُن کے بہت سے ساتھی "ندوۃ العلماء" سے متنفر ہو کر الگ ہو گئے، مولانا لُطف اللہ صاحب تو پہلی گاڑی سے سیدھے علی گڑھ روانہ ہو گئے، اور مولانا احمد حسن صاحب کانپوری امام بریلوی قدّس سرّہٗ کی عیادت کو

(۱) "مجدّدِ اسلام" ص۱۸۸، ۱۸۹۔

تشریف لائے، اس طرح جماعت سے علمائے اسلام جو ندوہ کے نئے دین کے فتنوں پر مطلع ہوتے گئے، ندوہ سے الگ ہوگئے[1]۔

ندوہ کے بریلی اِجلاس کی جو دُرگت ہوئی، اُس نے ندوہ تحریک اور اصحاب ندوہ پر اَثر تو ضرور ڈالا، مگر ذمّہ دارانِ ندوہ شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ مقامی اَثرات کے نتائج ہیں، پٹنہ (بہار) کے دوسرے اِجلاس میں اپنے حَوصلے نکالنے کا تہیہ کیے ہوئے روانہ ہوگئے، امام بریلوی قدّس سرّہٗ جو ہر نشیب وفراز کو خُوب جانتے تھے، نیز آپ کی دینی منشا ندوہ تحریک کے سلسلے میں بریلی اِجلاس کے وقت پوری نہ ہوئی، "ندوۃ العلماء" کا پٹنہ اِجلاس کچھ اَور ہی غمّازی کر رہا تھا، پٹنہ سفر کا عزم فرمالیا! آپ کے ساتھ کئی علمائے کرام اور دوسرے حضرات ہم سفر ہوگئے، جن میں مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا سیّد اسماعیل حسن مارَہرَوی، مولانا عبد السلام جبلپوری قابل ذکر ہیں، امام بریلوی قدّس سرّہٗ کا یہ پورا قافلہ بھی پٹنہ پہنچ گیا، اور مولوی قاضی عبد الوحید صاحب، رئیس اعظم پٹنہ کے ہاں قیام فرمایا!۔

پٹنہ پہنچ کر ندوہ کے ذمّہ دار لوگوں کو زبانی اور تحریری دعوتیں دی گئیں، کئی اِجلاس منعقد کرکے ندوہ تحریک کے بدترین نتائج اور عظیم دینی نقصانات کو واضح کیا گیا، اور انہیں نئے دین کی تجویز واِشاعت پر تنبیہ کی گئی۔ ذمّہ دارانِ ندوہ بجائے اس کے کہ دین اور ملّتِ اسلامیہ کے تحفُظ کی خاطر اس مُعاملہ کو طے کرلیتے، اپنی بات بنائے رکھنے کے لیے دین وملّت کا عظیم ترین نقصان گوارا کیا، اور یہ عذر کر گئے کہ کلکتہ کا پروگرام قریب ہے، یہاں ہم بات چیت میں مصروف ہوگئے تو کلکتہ کا پروگرام

---

(۱) ایضاً ص۱۸۹، ۱۹۰۔

خراب ہو جائے گا! افسوس کہ ندوہ والے دین وملّت کی بربادی کو اچھا سمجھتے رہے، اور اپنے تباہ کن پروگرام پر آنچ نہ آنے دی![۱]۔

ندوہ والے ان حیلوں سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جان چھوٹی لاکھوں پائے! کلکتہ پہنچ کر اپنی تحریک میں جان ڈالیں، تیسرے اِجلاس کے لیے کلکتہ پہنچ گئے، بہت سے دیو بندی مولویوں کو بھی اکٹھا کر لیا، اور ندوہ تحریک کے لیے اُن کی بہت بڑی تعداد کلکتہ میں جمع ہو گئی۔ امام بریلوی قدّس سرّہٗ جو اُن کے حیلوں سے خُوب واقف تھے، تحفُّظِ ملّت کی خاطر ان حالات میں کب اُن کا پیچھا چھوڑنے والے تھے، آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے، اور پوری قوّت کے ساتھ ندوہ والوں کو تنبیہ کی کہ "ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم وتنسیخ کی ہے اس پر ایک بار گفتگو ہو جائے! فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے، اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھُوٹ نہ ڈالی جائے" ساتھ ہی کلکتہ میں اہلِ سنّت کے جلسے زور شور سے ہونے لگے![۲]۔

اصحابِ ندوہ یہاں بھی ٹال مٹول کی پالیسی پر چلتے رہے، اور آخر یہ تجویز پاس کرنے پر مجبور ہوئے کہ "ندوۃ العلماء کا پروگرام عامّۃ المسلمین کے سامنے رکھ کر، جب تک اِستصواب نہ کرلیں ہم دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتے"۔ اس جواب نے کلکتہ کے مسلمانوں کو "ندوۃ العلماء" سے اَور متنفر کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کی اس تحریک کا سارا زور ختم ہو گیا، اہلِ سنّت کے مزید جلسوں نے بہت ہی زیادہ اثر کیا، ندوہ کی وہ تحریک کلکتہ ہی میں دفن ہو گئی، اور ہندوستان گیر دَورے سسک سسک کر رہ گئے"[۳]۔

---

(۱) ایضًا ص۱۹۰، ۱۹۱۔
(۲) ایضًا ص۱۹۱، ۱۹۲۔
(۳) ایضًا ص۱۹۲۔

غرضیکہ آپ نے ہمتِ مردانہ اور جذبۂ قلندرانہ سے ندوہ کے ملک گیر جلسوں کا ناطقہ بند کر کے، اِضلال و تضلیل کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھا، اور اسلام و مسلمین کی خیر خواہی کا فریضہ مجدِّدانہ انداز میں ادا کر کے، اہلِ اسلام کو گمراہ ہونے سے بچا لیا۔ اراکینِ ندوہ میں امام احمد رضا خان بریلوی کے سامنے آنے، علمی میدان میں گفتگو کرنے کی جرأت ہی کہاں تھی؟ کہ محمدی کچار کے اس شیر کے رُو برو آتے، ندوہ کی بگڑی کو بناتے! چنانچہ مولانا یقین الدین قادری بریلوی نے اسی حقیقت کو اپنے لفظوں میں، صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے:

"واقعی اس میں اُن پر اور تمام اکابرِ ندوہ میں کسی پر اِلزام نہیں، گفتگو کرتے کس جگر سے؟ شیرانِ شرزہ کے مقابل آنا کچھ ہنسی کھیل نہ تھا! ریاضیِ ہَندسے کی دو چار کتابیں اُلٹی سیدھی پڑھا دینا نہ تھا، ڈاکٹر وزیر خاں کی کتابوں سے کچھ مضامین لے کر خُرافاتِ نصاریٰ کے رَد میں کچھ لکھ لینا نہ تھا، کچھ "مثنوی شریف" کے شعر، اور کچھ اِدھر اُدھر کی داستانیں، کچھ تمثیلیں کہاوتیں جوڑ گانٹھ کر عوام پسند وعظ کہہ لینا نہ تھا! یہ مرد آزما میدان تھا! اَسدِ اَغبر کا نیستان تھا! جس کا نام لیے پُرانے پرانوں کے جی دہلتے ہیں! بڑے بڑے دم سادھے قدم بڑھائے، چُپ کی ٹٹّی کو آڑ بنائے نکلتے ہیں!"(۱)۔

اراکینِ ندوہ کا برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں کٹ پتلی بن جانا

اراکینِ ندوہ برٹش گورنمنٹ کی ہدایتوں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے، اپنی مرضی سے کچھ کرنے کے مُجاز نہیں رہ گئے تھے، ضمیر کو کھوٹے داموں فروخت کیا

---

(۱) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۲۹۔

ہوا تھا، اسلام و مسلمین کی خیر خواہی کا ڈھول بجانا، اور اندرونِ خانہ جڑیں کاٹنا معمول تھا، جس کے صلے میں نوازے جارہے تھے! ذرا مولوی خلیل الرحمن صاحب پیلی بھیتی کے اس بیان کی تہ میں جھانکنے کی کوشش تو فرمائیے، جس کا ذکر مولانا یقین الدین صاحب بریلوی نے یوں کیا ہے:

"یہ بالائی حضرات کی کاروائیاں تھیں، جن کی خُوبیاں جناب ناظم صاحب کی نیک نیتوں پر محیط ہوگئی ہیں، یہاں تک کہ ایک بزرگوار رُکنِ ندوہ (مولوی خلیل الرحمن صاحب رُکنِ ندوہ) قسمِ اوّل مقیم پیلی بھیت نے علانیہ حضرت ناظم سے کہا کہ "صاف ثابت ہو جائے کہ مولوی احمد رضا خاں حق پر ہیں، اس پر بھی اگر ان کے قدم جلسہ میں آئے تو ہم چل دیں گے "ان اللہ وانا الیہ راجعون! ایسی حق پسندیوں کا علاج کیا ہے؟!""[1]۔

ندوہ کے ذمّہ دار اَراکین اپنی کاروائیوں سے آگاہ تھے

اس سے صاف واضح کہ ندوہ کے ذمّہ دار اراکین بھی اپنی باطل پرستی، حق دشمنی سے بخوبی آگاہ تھے! لیکن دنیاوی کاروبار آرام سے چل رہا تھا، جس کی خاطر خود بھی اس جال میں پھنسے ہوئے تھے، اور مسلمانوں کو اس میں پھنسانے، اپنے ساتھ جہنم میں لے جانے پر مُصر تھے! شب وروز اسلام و مسلمین کی اسی بدخواہی میں کوشاں رہتے تھے، اگرچہ زبانی کلامی دعویٰ اتفاق واتحاد اور صلحِ کلیت کا تھا، لیکن بدمذہبوں سے پیار اور اہلِ حق سے خار! گمراہ گر اُن کے پیشوا امام، اور علمائے اہلِ سنّت ناقابلِ خطاب و کلام! یہی تو وہ شرارت تھی جس کے لیے حکومتِ وقت نے یہ بظاہر خوشنما جال بچھایا تھا، کہ حق کو دَبایا اور باطل کو سینے سے لگایا جائے! لیکن ع

---

(۱) ایضاً ص۱۵۔

نُورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زَن پُھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود مُحافظ ہے، باطل کی آندھیاں خواہ وہ کسی شکل میں بھی آئیں، خالص کفر کے رُوپ میں یا مکمل اسلامی تشکُّل بنا کر، لیکن وہ اس شمعِ ہدایت کو بجھانے میں نہ آج تک کامیاب ہونے پائی ہیں، اور نہ قیامت تک ایسی کوئی آندھی اسے بجھا سکے گی! مولانا یقین الدین صاحب بریلوی نے اُس وقت اراکینِ ندوہ کے بِکے ہوئے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے، اِن لفظوں میں اُن پر اِتمامِ حجت کا فریضہ ادا کیا تھا:

"کیوں حضرات! ایک ذرا اپنے آپ کو بادشاہ قہّار جبار جَلّ جَلالُہٗ کے دربار میں حاضر تصوُّر کر لو! اور پھر دھرم دھرم سے بول چلو، کہ جن باتوں کو ندوہ کے جھوٹے دعووں، نمائشی اِدّعاؤں، نیچری کلون کی ساختہ کالاؤں نے حرام، اِلحاد، کفر، اِرتداد، مُوجب ردِ اعمال ودُخولِ سقر، و نا قابلِ بخشش و توہینِ رَبِ اکبر ٹھہرایا تھا، اُن میں سے کچھ بھی اُٹھا رکھا! بفرضِ باطل اس مُعاملہ میں علمائے سنّت ہی تمھارے نزدیک سراسر خطا پر سہی، کیا تمھارے حسابوں شرکتِ کلمہ وقبلہ بھی نہ رہی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ مَن گھڑت اَحکام نیچریوں، وہابیوں، رافضیوں، لامذہبوں سب کے لیے ہوں، سب کو جگہ بناؤ، چھاتی سے لگاؤ، اور علمائے کرام، اصحابِ سنّت سے یُوں پیٹھ پھیرو، یُوں دشمنی مناؤ، یوں لڑائی ٹھانو، یوں روٹھنا رَچاؤ؟!

ہاں ہاں تین برس کی مہلت ہے، سب چھوٹے بڑے مل کر بتاؤ، کہ وہ کیا فرق ہے جس کے باعث گمراہوں سے صرف کلمہ گوئی پر اتفاق فرض، اتحاد ایمان، نزاع حرام، رَد وقدح عصیان، کشیدگی کفر، رنجش کفران؟! اور علمائے اہلِ سنّت کے باقی عقائدِ متحدہ درکنار، اُن کا کلمہ وقبلہ تک آپ کی سرکار میں محض بے کار! ان کا اِعزاز حرام، ان کی آبرُو

حلال، ان سے کھنچنا فرض، ان سے جھکنا وَبال، انہیں گالیاں دینا تہذیب کا کمال، اور ان کی ہجویں چھاپنا کلیجے کا صندل، ان پر بہتانوں کی بُوچھاڑ دِیانت کا منگل!۔

ہاں ہاں وجہ بتاؤ اور جلد بتاؤ! ورنہ براہِ انصاف صاف اِقرار لاؤ، کہ مقاصد ودَعاویٔ ندوہ سب جھوٹ خُرافات تھے! نیچری لٹک سے نمائش کی بات تھی، قول سے فعل دُور و مہجور ہے! بحکمِ آیت [۱] خدا سے دشمنی پوری منظور ہے! ہاں ہاں اس شہر خموشاں میں اگر کوئی دم رکھتا ہے، جواب دے، جواب دے، جواب دے! ورنہ واللہ! اللہ ورسول کے حضور رُوبکاری ہونی ہے!"[۲]۔

امام احمد رضا کا اراکینِ ندوہ کو مَفاسدِ ندوہ سے آگاہ کرنا

امام احمد رضا خان بریلوی نے جب اراکینِ ندوہ کو خُوب سمجھا بجھا کر دیکھ لیا، خَوفِ خدا و خطرۂ روزِ جزاء سمجھا کر دیکھ لیا، اور بخوبی محسوس کر لیا کہ یہ حضرات کسی طرح بھی باطل سے عدول کرنے، اور حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں، تو اسلام و مسلمین کی خیر خواہی کا حق ادا کرنے، اور بھولے بھالے مسلمانوں کو اُن کے جال میں پھنسنے سے بچانے کی غرض سے، سرمایۂ ملّت کے اِس نگہبان اور کشتیٔ ملّت کے اس ناخدا نے، اراکینِ ندوہ کو علمی میدان میں آنے کی دعوت دی؛ تاکہ کھرے اور کھوٹے کو، حق اور باطل کو، ہدایت اور گمراہی کو، دودھ اور پانی کو سب کے سامنے جُدا جُدا، اور واضح کر کے دکھا دیا جائے! حق

---

(۱) آیۂ کریمہ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [پ ۲۸، الصف: ۲، ۳]. ترجمہ: اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے؟ کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو!۔

(۲) "سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۸۴۔

وباطل کو سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی اِشتباہ باقی نہ رہ جائے، اس مرحلے پر آپ نے ندوہ کے ذمّہ دار حضرات کو یوں نام لے لے کر پکارا، اور اُن پر خدا کی حجت یوں تمام کرکے دکھائی تھی، جس کا ذکر مولانا یقین الدین صاحب بریلوی نے یوں کیا ہے:

"اب پچیسویں بار پھر عرض کی جاتی ہے: کدھر ہیں ندوہ کے حواسِ خمسہ؟ کہاں ہیں مولوی لُطف اللہ صدرِ ندوہ؟ کدھر ہیں ناظمِ صاحب؟ کہاں ہیں حقّانی صاحب؟ کدھر ہیں پھلواروی صاحب؟ کہاں ہیں مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری؟ اگر دعویٔ سنّیت وادِّعائے فضیلت ہے سامنے آئیں، مردِ میدان بنیں! اظہارِ حق کا بیڑا اٹھائیں، اہلِ سنّت کے ایک سو نوے ۱۹۰ سوالوں کے جواب دیں، ندوہ کی بگڑی بنائیں، ایک ایک سوال ہم پیش کریں، آپ پانچوں حضرات جواب دیتے جائیں!۔

خانہ نشینی سے کام نہیں چلتا، خاموشی گزینی سے حق نہیں کھلتا، اعلان اعلان، تقاضا تقاضا، انتظار انتظار، زُود آزُود، العجل العجل، الوحاء الوحاء، کدھر ہے غیرتِ علم؟ کہاں ہے فضیلت کی شرم؟ کسی دن منہ دکھائیے گا؟ کب تک حق ظاہر فرمایئے گا؟ یہ پہلے عرض کردی گئی ہے کہ نری زبانی تُوتُو میں میں کام کی نہیں، یہ خاص چالاکی کی گلی، کہنے مُکرنے کی راہ کھلے ہے، مغلوب ہو جایئے اور جلسہ اڑایئے، نہیں جو فرمایئے، لکھ کر دیتے اور لکھا ہوا لیتے جایئے؛ کہ ہاتھ کٹے رہیں، بدلنے مچلنے کے پہلو مٹے رہیں!۔

ان شاء اللہ تعالی العزیز! آن کی آن میں حق کھل جائے گا، انصاف واِحتساب نظروں میں تُل جائے گا! آپ کو سالِ آئندہ تک مہلت ہے، جلسۂ آئندہ سے پہلے تصفیہ کی دعوت ہے، اگر یہ سال بھی گزر گیا، اور آپ نے بے تصفیہ و مُناظرہ کہیں جلسہ کرلیا، تو پھر علم وحق پرستی کا نام نہ لینا، پھر اعتقادِ عوام کا بھی اٹھنا دیکھیے گا! آپ کے تھامے تھے تو تھام

نہ لینا! ہاں ہاں اب ذرا شَوق وانتظار نہ بڑھائیے، حق چھپایا ہے رُخ نہ چھپائیے! تشریف لائیے، جلوہ فرمائیے، نصیب میں ہے تو حق وہدایت سا چکتا جَوہر نذر میں پائیے!"[1]۔

"ندوۃ العلماء" محض ایک دھوکے کی ٹٹّی ہے

جب امام مولانا احمد رضا خان نے ہر طرح حجت تمام کرلی، حق و باطل کو واضح کر کے دکھایا، اور سب پر ظاہر ہو گیا کہ "ندوۃ العلماء" محض ایک دھوکے کی ٹٹّی ہے، حکومت کی چال ہے، جس کے پُرفریب ڈھول پر نیچریت کی کھال ہے، ندوہ کیا ہے؟ اہلِ حق کو دَبانے اور اہلِ باطل کو چمکانے، سینے سے لگانے کا ایک جنجال ہے! لہٰذا اراکینِ ندوہ وُضوحِ حق کے بعد بھی اس اسلام دشمنی کی روِش سے قطعًا باز نہ آئے! گمراہ گری کے میدان میں اپنی چلتی خُوب جَوہر دکھائے۔ اسی طرزِ عمل کے بارے میں مولانا محمد یقین الدین صاحب قادری بریلوی مرحوم نے یہ وضاحت فرمائی تھی:

"غرض حضرات کبرائے ندوہ پر تو وہ گزری جو اُن کا دل ہی خوب جانتا ہے! جب تک جئیں گے بریلی کا نیستان خواب میں دیکھ کر چونک چونک پڑیں گے! آپس میں جسے ڈرانا ہو گا یہی کہہ کر دھمکائیں گے کہ "دیکھ وہ بریلی کا ڈنڈا قریب!" جسے کوسنا ہو گا یونہی کوسیں گے کہ "یارب تجھے بریلی کا پانی نصیب!" مگر بالائی حضرات نے وہ اُودھم جوتا، وہ دھما چوکڑی مچائی، وہ مُلک بھر کی زمین سر پر اٹھائی، بات بات میں وہ شرافتِ نَجابت ظاہر فرمائی، کہ باید وشاید گلی کُوچے میں، ہر مہمل پرچے میں، جلسوں بازاروں میں، متعدّد اخباروں میں علمائے اہلِ سنّت پر تبرّا ہوتا ہے، تہذیب وانسانیت کی دونالی بندوقوں میں تمسخُر و تحقیر کا

---

(۱) ایضًا ص۳۵ تا ۳۷، ملتقطاً۔

چھڑا ہوتا ہے، حال کے علمائے کرام و آسُودگانِ دارالسلام سب کو صلواتیں سنائی جاتی ہیں، حدیہ کہ گالیاں چھاپ چھاپ کر شائع کی جاتی ہیں!""[۱]۔

ارا کینِ ندوہ کی اس سراسر نا معقول روِش پر مسلمانوں کا دل دکھتا تھا

ارا کینِ ندوہ کی اس سراسر نا معقول روِش پر مسلمانوں کا دل دکھتا تھا، لیکن انہیں اس کی پروانہ تھی، حق و صداقت اور علمائے اہلِ حق کی دن دَہاڑے تحقیر و تذلیل کی جارہی تھی، لیکن ندوہ اَور قائم کس لیے ہوا تھا؟ اسی طرزِ عمل کے پیشِ نظر تو مسلمانوں کو یُوں دعوتِ غور و فکر دی گئی تھی، جس کو مولانا یقین الدین قادری نے یوں بیان کیا:

"اہلِ اسلام رسائلِ اہلِ سنّت اور اُن تحریراتِ حمایت کو مُوازنہ کر کے فرما سکتے ہیں، کہ علمی رسالوں، شرعی سوالوں، دینی مقالوں، تواضُع کی تحریروں، اِلحاح کی تقریروں کا یہی جواب تھا، یہی صلہ تھا، جو حضرات ندوہ کی سرکار سے ملا؟ افسوس کہ ابھی وہ خطوط عام مسلمین کی نظر سے نہ گزرے، جو حضرت عالمِ اہلِ سنّت (امام احمد رضا خان) نے مُراسلاتِ مطبوعہ کے علاوہ خاص طلبِ صلاح وِاصلاح میں مفتی صاحب و ناظم صاحب کو لکھے، مسلمان اگر انہیں دیکھیں پھر حضرات کی گالیاں ملاحظہ کریں، پتھر کے کلیجے بھی کانپ اٹھیں کہ اللہ اللہ ایسی انتہائی تواضُع کا یہ مُعاوَضہ ملتا ہے! مگر قیامت نہ آئے گی؟ حشر نہ ہوگا؟ اعمال ناموں کا نشر نہ ہوگا؟!""[۲]۔

امام احمد رضا کے اِصلاحِ ندوہ کے عظیم الشان کام کو غیروں نے بھی تسلیم کیا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے اسلام و مسلمین کی خیر خواہی سے سرشار ہو کر ندوہ کی برطانوی شرارت کا، جس طرح تقریر و تحریر کے میدان میں

---

(۱) ایضاً ص۳۔

(۲) ایضاً ص۱۱۔

ڈٹ کر مقابلہ کیا، اس کا اپنوں کے علاوہ غیروں اور شدید مخالفوں کو بھی اعتراف ہے!
شیخ محمد اِکرام صاحب جیسے نیچریت نواز نے بھی مولانا احمد رضا کے اس عظیم الشان کام کو تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی گورنر کی مخالفت کرنے کی پچر بھی لگادی ہے، حالانکہ وہ نمائشی بات تھی، بہرحال موصوف یوں رقمطراز ہیں:

"اُسی زمانہ میں ندوہ پر دو طرفوں سے حملے شروع ہوئے: **ایک** تو سر انیٹونی میکڈانل (Sir Antony MacDonnell) جنہوں نے صوبہ بہار میں اردو کا قلع قمع کیا تھا، اور اب صوبجاتِ متحدہ کے گورنر تھے، وہ ندوہ کے سخت مخالف ہوگئے، اور اس کو سیاسی سازشوں کا ایک آلۂ کار سمجھ کر شک کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ **دوسرے** مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بعض پُر جوش رسائل ندوہ کے خلاف لکھنے شروع کیے، اور ندوہ کے مقابلے میں ایک جنگجو جماعت "جدوہ"[۱] قائم ہوئی، ندوہ ان دو مخالفوں کے درمیان مَوت اور زندگی کی کشمکش میں تھا"[۲]۔

امام احمد رضا نے جس ندوہ کے مفاسد کا رَد کیا
وہ باطل کو چمکانے اور حق کو دبانے کا ایک خوشنما جال تھا

چنانچہ اُس دَور کا ندوہ جس کا امام احمد رضا خاں بریلوی نے مُحاسبہ فرمایا تھا، وہ علمائے اہلِ سنّت کو پھنسانے، باطل کو چمکانے، اور حق کو دَبانے کی خاطر ایک بظاہر

---

(۱) یہاں شیخ اِکرام صاحب نے دَروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے تاریخی شواہد کو مسخ کرنے کی کوشش کی، جبکہ اس وقت کے تاریخی شواہد کی رَوشنی میں جو تنظیم ندوہ کے خلاف عمل میں آئی، اس میں خالص مذہبی شخصیات تھیں، جو "مجلس علمائے اہل سنّت" کے نام سے موسوم ہوئی، اور عنقریب آگے اس کی تفصیل ذکر کی جائے گی!۔

(۲) "موجِ کوثر" "ندوۃ العلماء"، ص۱۸۸۔

خوشنما، اور دَر حقیقت بڑا ہی پُر فریب جال، برٹش گورنمنٹ نے بچھایا تھا۔ اُس کے بارے میں حضرات علمائے کرام نے یوں حکمِ شرع بیان فرمایا تھا:

"ندوہ عمومِ فساد ہے، ہُجومِ اِلحاد ہے، ہدایت کا رَد حق کا اِنسداد ہے، ہَوا پرستی ہے، فتنہ آتشِ بلا ہے، فسادوں کی انجمن ہے، مکروں کی سبھا ہے، بہرا فتنہ ہے، اندھی بلا ہے، تاریک اندھیری ہے، مجلسِ ندوہ مذہبِ اہلِ سنّت کی توہین کرتی ہے، اہلِ سنّت کی بدخواہ ہے، اللہ و رسول (جلّ و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) و مؤمنین سب کی خائن ہے! حرام کراتی اور فرض سے بچاتی ہے، اَحکامِ اِلٰہیہ سے ضد باندھتی ہے، اس کی شرکت بڑی آگ ہے، مال یا بدن سے اس کی اِعانت گناہوں کا اَنبار ہے! ندوہ باطل ہے، نری ہَوائے نفس و پیرویٔ شیطان ہے! مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس میں نہ جائیں! ظاہراً یہ انجمن کافروں کے مکرِ پنہاں سے قائم ہوئی، جس پر اس کا نام ندوہ ہی دلیل ہے، گمان یہی ہوتا ہے کہ اس مجلس سے ان کی مراد اپنے اُنہی دوستوں کی سنّتیں جگانا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی میں ندوہ[1] بنایا تھا"[2]۔

---

(۱) اس سے مراد دارُالندوۃ ہے، یہ ایک عمارت تھی جسے قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کے سامنے تعمیر کیا تھا، جب بھی قریش کو کوئی اہم فیصلہ کرنا ہوتا، یا کسی مسئلہ میں غور و خوض کرنا ہوتا، تو وہ اِسی عمارت میں مُشاورت کے لیے جمع ہوتے، گویا یہ اُن کا دارُالشُوری یا اسمبلی ہال تھا۔ قریش مکہ کے سرداروں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذاللہ) قتل کرنے کا مشورہ بھی یہیں جمع ہو کر کیا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: "السيرة النبويّة" لابن هشام، خبر دار الندوة، الجزء ۲، صـ۲۵٤-۲۵٦. و"سیرتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" عبدالمصطفی اعظمی، کفّار کانفرنس، ۱۵۶ تا ۱۵۸۔

(۲) "خلاصہ فتاوی الحرمین" "فصل ہشتم، ص۱۵، ۱٦۔

ندوہ اور اراکینِ ندوہ کے بارے میں علمائے اہلِ سنّت کا حکمِ شرعی

اُن حضرات -کثّر اللہ سعیھم- نے اراکینِ ندوہ کے بارے میں شریعتِ مطہَّرہ کا حکم یوں بیان فرمایا تھا:

"محمد شاہ صدرِ دُوم ندوہ، و ناظم، ودہلوی، وآروی، و انصاری سب غیر مقلّد ہیں، وہابیوں بد مذہبوں کے گُر گے[1] ہیں، صریح گمراہی میں اُن کے شریک ہیں، انہوں نے شرعِ مطہَّر سے ضد باندھی، اور مسلمانوں کو مضرّت دی، کھلے ظالم گمراہی کی طرف بلانے والے ہیں، انہوں نے اِجماعِ اُمّت توڑا، جماعت کو چھوڑا، محبِّ بدعت ہیں، بدخواہِ سنّت ہیں، مانعِ طاعت و آمرِ معصیت ہیں! داعئ اُمّت بسُوئے لعنت ہیں! بالجملہ حضراتِ اراکین سب اہلِ سنّت سے خارج ہیں، ان سب پر اپنے عقائد ضالّہ وخیالاتِ باطلہ سے تَوبہ فرض ہے، تَوبہ نہ کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان سے کنارہ کش ہوں، ان سے دُور رہیں!"[2]۔

جلسۂ مدراس اور ندوۃ العلماء کے مَفاسد کا بیان

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں مدراس میں ندوہ کا اِجلاس ہونا قرار پایا، اس موقع پر فاضل بریلوی کے خلیفہ ومرید الحاج منشی محمد لعل خان دیلوری مدراسی نے، عوام الناس کو ندویوں کے عقائدِ باطلہ سے آگاہ کرنے کی مہم شروع کی، اس ضمن میں انہوں نے بڑے پیمانے پر پمفلٹ اور کتابچے شائع کرا کے عوام میں تقسیم کیے، محدِّث سُورتی کا نظرِ ثانی شدہ فتوی "انفع الشواہد" بھی تقسیم کیا

---

(۱) چیلا۔("فیروز اللغات" صـ۱۱۵۲)

(۲) "خلاصہ فتاوی الحرمین" فصل ہفتم، صـ۱۵۔

گیا، جس کے نتیجے میں اِجلاسِ ندوہ درہم برہم ہو گیا، اور ندویوں کو خفت کا سامنا کرنا پڑا، اس کامیابی پر فاضل بریلوی نے الحاج منشی لعل خان کو مبارکباد دی اور خط تحریر کیا، جس میں آپ نے ندوہ کے سلسلے میں محدِّث سُورتی کی خدمات کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

"الحمد للہ کہ اللہ عزّوجلّ نے مدراس میں ندوہ مخذولہ پر آپ کو فتحِ نمایاں بخشی! الحمد للہ کہ اللہ تعالی نے علماء کو حق کی طرف رُجوع کیا(۱)، اللہ تعالی آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجرِ کثیر عطا فرمائے، اور آپ جیسے عالی ہمت، خادمِ سنّت، ہادمِ بدعت اہلِ سنّت میں بکثرت پیدا کرے، آمین آمین بجاہ سیّد المرسَلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین، آمین!۔ مَیں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اور مولانا قاضی عبدالوحید صاحب، اور مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدِّث سُورتی کی شان کا، ایک ایک سُنّی بھی ہر شہر میں پیدا ہو جائے، تو -ان شاء اللہ تعالی- اہلِ سنّت کا طُوطی بول جائے!"(۲)۔

اِصلاحِ ندوہ میں امام احمد رضا نے کئی مقامات پر محدِّث سُورتی کی خدمات کا توصیفی انداز میں ذکر کیا

مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کی ندوہ کے قیام میں شرکت، اور بعد میں مَفاسدِ ندوہ کو عام کرنے کی جد وجہد کو، پورے ہندوستان میں بنظرِ استحسان

---

(۱) یعنی حق کی طرف رُجوع کی توفیق دی۔

(۲) دیکھیے: "تذکرہ محدِّث سُورتی" صـ۱۲۳ بحوالہ "خزانۂ کرامت" صـ۷۔

دیکھا گیا، خصوصًا فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نے کئی مقامات پر محدّث سُورتی کی خدمات کا بڑے توصیفی انداز میں ذکر کیا ہے:

"حاشیہ "المعتقَد المنتقَد" میں فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ "فاضل کامل، کوہِ اِستقامت وکنزِ کرامت، ہمارے دوست اور محبوب، مولانا محمد وصی احمد حنفی محدّث سُورتی وطناً، اور مقیم پیلی بھیت، اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے، اور وہ دِین کی نصرت کرتے ہوئے اور بدعتیوں کا استیصال کرتے ہوئے باقی رہیں! اور اللہ تعالی ان کو حق پر پوری طرح قائم رکھے! ہمارے یہ دوست مولانا محمد علی مونگیری کے شاگرد تھے جو کہ ندوہ کے ناظم ہیں، اور مولانا لُطف اللہ کے بھی شاگرد تھے جو کہ ندوہ کے صدر تھے، مگر مولانا وصی احمد کے قدموں کو یہ لوگ لغزش نہ دے سکے، حالانکہ مولانا کی مُعاش ایک ندوی کے گھر سے وابستہ تھی، جو حد سے گزرا اور سرکش ہوا، اور اس نے ظلم کیا اور بغاوت کی، لہذا اس نے مال دینا منقطع کر دیا، لیکن مولانا نے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی، اور میں نے اسی دن سے انہیں "الاَسد الاَسدّ، الاَشدّ الاَرشد" کا خطاب دیا، اور وہ اس کے اہل ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں!""[1]۔

مختصراً یہ کہ علمائے اہلِ سنّت بالعموم، اور امامِ اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان بالخصوص، ندوۃ العلماء کے مطلقًا مخالف نہیں تھے، بلکہ ان کی وجہِ مخالفت ندوہ میں موجود مَفاسِد و مخالفِ اہلِ سنّت عقائد و نظریات تھے، جن کی اِصلاح کے لیے علمائے

---

(۱) "المعتقَد المنتقَد" الخاتمة في مبحث الإيمان، صـ۲۴۳.

اہلِ سنّت اور امام اہلِ سنّت مولانا احمد رضا خان نے ہر ممکن کوشش کی، چاہے وہ تصنیف و تالیف ہو، یا جلسہ و تقریر، اِنفرادی ہو یا اجتماعی! جس کا اندازہ رسالہ "سوالاتِ حق نما بر رُؤسِ ندوۃ العلماء" کی تمہید سے لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا حسن رضا خان یوں رقمطراز ہیں: "اللہ اکبر! اس زمانۂ پُر آشوب میں بلائے بدمذہبی و وَبائے آزادی عالمگیر ہے، ندوۃ العلماء سے زیادہ کیا چیز خوشی کی ہوتی، کہ علمائے اہلِ سنّت کو قوّتِ متفقہ سے دفعِ فِتن و تائیدِ سُنن کی طرف اِنتباہ ہو! امید تھی کہ اب خدا چاہے تو اہلِ حق کی دینی حالت رُو براہ ہو! مگر مطالعۂ کتبِ ندوہ نے بعض زوائدِ فاسدہ و مَفاسدِ زائدہ سے بتایا، کہ نیرنگِ زمانہ و مُداخلتِ مذاہبِ بیگانہ نے اسے بھی سیر در لوزینہ کر دکھایا! مضامین و تحریرات میں بہت باتیں صریح مخالف و مضرّ مذہبِ اہلِ سنّت درج ہوئیں، دعویٔ اتحاد واتفاق کی وسعتیں دائرۂ پابندیٔ سنّت وجماعت سے بے حد باہر نکل گئیں! اَزانجا کہ خیر خواہیٔ مسلمین ہر مسلمان پر لازم!"[1]۔

نیز رسالہ مذکورہ مطبوعہ بدایوں کے سرِوَرق پر مذکور ہے: "واضح ہو کہ اعلی حضرت، حامیانِ سنّت، قامعانِ بدعت، محدّثینِ دہر، فقہائے عصر، بہی خواہانِ اہل سنّت، ہدایت واِرشاد مآب مولانا مولوی احمد رضان خان -دام فیضہ- و حضرت مولانا مرشدنا وہادینا مولوی عبد القادر صاحب -مد ظلہ- ہرگز ہرگز ندوہ کے مخالف نہیں، بلکہ ان حضرات سراپا برکات کا مبارک منشا یہ ہے کہ ندوہ کی اصلاح ہو جائے، اور جو جو بات اس میں خلافِ اہلِ سنّت ہے وہ دُور ہو جائے"[2]۔

---

(۱) "مجموع رسائل حَسن" رسالہ "سوالات حق نما برؤس ندوۃ العلماء" ص۳۳۹۔
(۲) ایضاً ص۳۳۵، ۳۳۶۔

ان تمام حالات اور واقعات کی رَوشنی میں اگر علمائے اہلِ سنّت کی ندوہ پالیسیوں سے اختلاف پر نظر ڈالی جائے، تو بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ علمائے اہلِ سنّت کی نگاہِ دُور رَس نے مستقبل میں ندوہ کے خدّ وخال کا اندازہ لگا لیا تھا، اور وہ جانتے تھے کہ اگر ندوہ کے مَفاسد کو عام نہ کیا گیا، تو عوام الناس کو مستقبل میں شدید دھوکہ اٹھانا پڑے گا! آج "ندوۃ العلماء" سے متعلق جتنی کتابیں اور مضامین شائع ہو رہے ہیں، اُن میں دانستہ اختلافی مسائل کو نہیں چھیڑا جاتا؛ کیونکہ ندوہ کے ابتدائی اختلافی حالات اگر سامنے آئے، تو عوام الناس کو اِنصاف کے مواقع میسّر آجائیں گے، چنانچہ ندوہ سے شائع ہونے والی "سیرتِ مولانا محمد علی مونگیری"، "حیاتِ عبد الحی"، "تاریخ ندوۃ العلماء"، "حیاتِ شبلی" اور دیگر کتابوں میں ندوہ کے ابتدائی حالات وواقعات اور اختلافات پر گفتگو نہیں کی گئی ہے، جس کی بناء پر اَب تک تصویر کا صرف ایک ہی رُخ سامنے آسکا ہے۔ علمائے اہلِ سنّت کی ندوہ کے قیام میں کوششوں، اور اِصلاحِ ندوہ کی تحریک کو، بہرحال ندوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا![1]۔

خانقاہ بریلی علمائے اہلِ سنّت کا محوَر

ندوۃ العلماء کا دوسرا اِجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا، جب ان اجلاسوں رُودادیں شائع ہو کر آئیں تو علمائے اہلِ سنّت کو تشویش لاحق ہوئی؛ کیونکہ ان میں بعض چیزیں ایسی تھیں جو شرعی نقطۂ نظر سے قابل قبول نہیں تھیں، دینی خیر خواہی کے پیشِ

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" صـ۱۲۲۔

نظر علمائے اہلِ سنّت نے ندوہ میں دَر آنے والے ان مَفاسد کی اِصلاح کی کوششیں شروع کیں، ابتداء میں یہ کوششیں ذاتی ملاقاتوں اور اِفہام و تفہیم پر مبنی خط و کتابت تک محدود رہیں، لیکن جب حالات بہتر ہونے کے بجائے دن بدن بگڑتے گئے، تو اِصلاحِ ندوہ کی ان کوششوں نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

شوّال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں بریلی میں ندوۃ العلماء کے اِجلاس کا اعلان کیا گیا، اور زور و شور سے اس کی تیاریاں شروع کر دی گئیں، اِدھر علمائے اہلِ سنّت نے بھی اِصلاحِ اَحوال کی کوششیں تیز کر دیں، اس ضمن میں علمائے اہلِ سنّت کی ایک بڑی تعداد بریلی میں جمع ہو گئی، ندوہ کے ۳روزہ اِجلاس کے دَوران، گفت و شنید اور اِفہام و تفہیم، ذاتی ملاقاتوں اور مُراسلت کے ذریعہ کی جاتی رہی، مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا، اور آخر کار ندوہ کا جلسہ ختم ہو گیا۔

مجلسِ علمائے اہلِ سنّت کا قیام

انہی حالات میں بعض مخلص علماء کو یہ خیال ہوا کہ اہل سنّت کی ایک مجلس تشکیل دی جائے، جو نظم و ضبط اور باقاعدگی کے ساتھ خُلوص و للّٰہیت کی بنیادوں پر تحریر و تقریر کے ذریعے، اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ انجام دے۔ بریلی میں ندوہ کے اِجلاس کے فوراً بعد شوّال ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں علمائے اہلِ سنّت کی ایک میٹنگ، رضا مسجد محلہ سوداگران بریلی میں منعقد کی گئی، اور وہیں "مجلس علمائے اہلِ سنّت" کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل عمل میں آئی، اس مجلس کا صدر باتفاق رائے، تلمیذِ تاج الفحول عبد القادر بدایونی: حافظِ بخاری سیّد شاہ عبد الصمد چشتی سہسوانی

(متوفّٰی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) کو نامزد کیا گیا[1]۔

مجلسِ علمائے اہلِ سنّت کا دستور العمل

اس مجلس کے لیے ۱۶ دفعات پر مشتمل ایک دستور العمل ترتیب دیا گیا، اس دستور کی ابتدائی ۵ دفعات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ مجلسِ مبارک حمایتِ دینِ متین، وحفاظتِ مذہبِ اہلِ سنّت، وترویجِ مسائلِ نافعہ، وفضائلِ اَخلاقیہ، ونصائح ومَصالحِ دِینیہ ودُنیویہ کے لیے آخر ماہ شوّال ۱۳۱۳ھ سے منعقِد ہوئی۔

(۲) یہ مجلس وقتاً فوقتاً تجویز کر کے شائع کرتی رہے گی، کہ علمائے اہلِ سنّت کو اس وقت کیا کرنا چاہیے، اور کس قسم کی کتب ورسائل تصنیف فرمانا چاہئیں، جن کی اِشاعت کی ضرورت ہے۔

(۳) اس مجلس کا اہم کام ایک مطبع اہلِ سنّت جاری کرنا ہے، جس میں کتبِ مفیدہ واَخبار حسبِ تجویز و منظوریٔ مجلس طبع ہو کر، قیمتاً اور بلا قیمت نفعِ مسلمین کے لیے شائع ہوں۔

(۴) صدرِ مجلس حضرت مولانا مولوی حافظ حاجی سیّد شاہ عبدالصمد صاحب نقوی مَودودی سہسوانی چشتی فخری نظامی، تشریف فرمائے پھپھوند ضلع اٹاوہ ہیں۔

(۵) اس مجلس میں رائے دینے کا اختیار ہر اہلِ سنّت کو ہے، اور اُمورِ انتظامی خاص علمائے اہلِ سنّت سے متعلق ہیں[2]۔

---

(۱) "تحقیق وتفہیم "مطبع اہلِ سنّت وجماعت بریلی، تاریخی پسِ منظر اور اِشاعتی خدمات، ص۵۸۔

(۲) "دستور العمل مجلس علمائے اہل سنّت و مطبع اہل سنّت" ص۳۔

ارکانِ مجلسِ علمائے اہلِ سنّت

مجلس علمائے اہلِ سنّت کے اس تاسیسی اِجلاس میں ۲۵ علمائے اہلِ سنّت نے شرکت کی، جن کے اسمائے گرامی مجلس کے دستور العمل میں شائع کیے گئے ہیں، یہاں شائع شدہ فہرست کے مطابق اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں (اختصار کے پیشِ نظر ہم نے اَلقاب وخطابات حذف کردیے ہیں):

(۱) سیّد شاہ عبدالصمد سہسوانی، صدر مجلسِ علمائے اہلِ سنّت

(۲) حضرت مولانا عبدالقادر محبِ رسول قادری بدایونی

(۳) حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضلِ بریلوی

(۴) حکیم سراج الحق صاحب برکاتی بدایونی

(۵) مولانا محمد عبدالمقتدِر صاحب قادری بدایونی

(۶) مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی

(۷) مولانا نواب محمد علی خاں صاحب رامپوری

(۸) مولانا محمد امیر اللہ صاحب بریلوی

(۹) مولانا محمد عبدالرشید صاحب ولایتی، مدرِّس مدرسہ اکبریّہ بریلی

(۱۰) مولانا سیّد محمد نظیر الحسن صاحب مفتی جے پور

(۱۱) مولانا محمد خلیل الرحمن صاحب پیلی بھیت

(۱۲) مولانا محمد فضلِ مجید فاروقی بدایونی

(۱۳) مولانا حکیم عبدالقیوم عثمانی برکاتی بدایونی

(۱۴) مولانا محمد عبداللطیف صاحب سُورتی

(۱۵) مولانا عبدالسلام صاحب جبلپوری

(۱۶) قاضی محمد بشیر الدین صاحب، مدرِّس مدرسہ اسلامیہ اٹاوہ

(۱۷) مولانا حافظ بخش قادری آنولوی

(۱۸) مولانا عبدالنعیم صاحب رائے بریلی

(۱۹) مولانا عبدالحق صاحب، مدرِّس جامع مسجد پیلی بھیت

(۲۰) مولانا سیّد محمد غوث قادری بریلوی

(۲۱) مولانا محمد سلطان احمد خاں برکاتی بریلوی

(۲۲) مولانا ضیاء الدین صاحب بریلوی

(۲۳) مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب برکاتی بریلوی

(۲۴) مولانا محمد خلیل اللہ خاں صاحب بریلوی

(۲۵) مولانا محمد ابراہیم صاحب بریلوی[1]

مطبع کے قیام کا تاریخی پسِ منظر

نیز اسی مجلس میں ایک مطبع "مطبع اہلِ سنّت" کے قیام کی تجویز بھی پیش کی گئی، جس کے تاریخی پسِ منظر پر اگر توجہ کی جائے، تو اس کے قیام کی وجہ بھی وہی نظر آتی ہے، جو "مجلس علمائے اہلِ سنّت" کے قیام کی ہے، جس کو بیان کرتے ہوئے مولانا اُسید الحق قادری لکھتے ہیں:

"مطبع اہلِ سنّت و جماعت بریلی کا "دستور العمل" (مطبوعہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) ہمارے پیشِ نظر ہے، اس کی تمہید میں لکھا ہے: "آئے دن نئے نرالے فتنے فساد اٹھتے

---

(۱) ایضاً ص۸۔

نکلتے، طرح طرح کے رنگ رُوپ بدلتے، بے چارے ناواقفوں کو لبھاتے جَھلتے ہیں، مخالفین کے متعدّد گروہ اپنی کانفرنسیں، کمیٹیاں روز بروز قائم کرتے بڑھاتے جاتے ہیں، اور بڑے اہتماموں سے مذاہبِ باطلہ کی کتابیں چھاپ چھاپ کر شائع کرتے کراتے ہیں، علمائے اہلِ سنّت میں اوّل تو اس طرف توجہ فرمانے والے حضرات بہت کم، اور جو بندگانِ خدا جس طرح ممکن ہو، اپنا گرامی وقت صَرف کر کے کچھ تحریر فرمائیں، اُس کی طبع واِشاعت کے سامان نافراہم! اُن کے رسائل بَستوں ہی میں رکھے رہ جاتے ہیں، دو ایک نے اپنے ذاتی مصارف یا بدقّت چندہ سے کچھ چھپوایا بھی تو اَسباب اِشاعت کم پاتے ہیں، یہ بڑا سبب مخالفین کے حملوں، جراَتوں، جرگوں، جمگھٹوں اور اہلِ مذہبِ حق کی اپنی مذہبی قوّتوں طاقتوں سے بے خبری غفلتوں کا ہے، نظر برآں کچھ مبارک نُفوسِ قُدسیہ کے قلوبِ زَکیہ میں خیال آیا، نہیں بلکہ دینِ حق کے مالکِ حق حضرت حق -عزّ جلالہ- نے اِلہام فرمایا، کہ ایک مجلس خاص علمائے اہلِ سنّت کی مرتَّب ہو کر، اپنی نگرانی سے مطبع اہلِ سنّت وجماعت جاری فرمائے، کہ -بفضلہ تعالی- تمام علمائے کرام کو حمایتِ دین کی طرف توجہ خاص دے کر، اِشاعتِ حق وحمایتِ سنّت، ودفعِ فتنہ واِزالۂ بدعت عمل میں لائے"[۱]۔

مطبعِ اہلِ سنّت کا قیام

"مجلس علمائے اہلِ سنّت" کی اسی تاسیسی میٹنگ میں "مطبع اہلِ سنّت وجماعت" کے قیام کی تجویز پاس ہوئی، اور اسی نشست میں مطبع کے قیام کے لیے ۷۰۰ روپے سے زیادہ کا چندہ جمع ہو گیا، جس میں ۵۰۰ روپے کی پرنٹنگ پریس مع کُل ساز وسامان کے، اور ۱۱ روپے نقد، شہزادۂ تاج الفُحول حضرت مطیع الرسول

---

(۱) ایضًا۔

عبد المقتدر قادری بدایونی نے عطا فرمائے، اس کے علاوہ آپ نے ۴۸ روپیہ سالانہ (۴روپے مہینہ) دینے کا وعدہ کیا، اس نشست کے چشم دید گواہ مولوی یقین الدین اپنے رسالے "سرگزشت و ماجرائے ندوہ" میں اس کا آنکھوں دیکھا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

"جب جلسۂ ندوہ ختم ہو گیا، اور حضراتِ ندوہ نے اِصلاح و پابندئ مذہبِ اہلِ سنّت کو کسی طرح قبول نہ کیا، تو خادِمانِ سنّت نے معزّز اہلِ سنّت کو تکلیفِ اجتماع دی کہ حفظِ مذہبِ حق کے لیے شوریٰ کریں، یہ اطلاع سلخ شوّال کو شہر میں صرف ۱۱، اور شہر کہنہ میں فقط دو حضرات عالیات کی خدمت میں گئی، مگر- بحمد اللہ - اہلِ سنّت کا پاسِ مذہب، کہ صبح ہی اہل شہر و وارِدینِ دیگر بلاد سے، قریب ڈیڑھ سو آدمیوں کے مجتمع ہو گئے"۔

آگے لکھتے ہیں: "رائے پیش ہوئی، سب نے یک زبان بالاتفاق فساد وشَناعتِ ندوہ پر گواہی دی، اور حفظِ مذہبِ اہلِ سنّت ودفعِ فتنۂ بدعت کے لیے مطبع اہلِ سنّت وجماعت بہ نگرانی "مجلس علمائے اہلِ سنّت" جاری کرنے کی رائے قائم کی، یہ جلسہ مسجد حضرتِ عالمِ اہلِ سنّت [مولانا احمد رضا خان] میں بصدارت حضرت مولانا سیّد [عبد الصمد] فاضل نقوی چشتی نظامی فخری سہسوانی ہوا، اہلِ سنّت کا مذہبی جوش کہ نہ اوّل سے اس کا کوئی ذکر تھا، نہ ۱۳ صاحبوں سے زیادہ کسی کو پیام گیا، نہ جلسہ میں تحریک کا نام آیا، مگر مذہبِ حق کی محبت کہ اللہ عزّوجلّ نے ان کے پاکیزہ دلوں میں بھر دی ہے، خود ہی اِقامتِ مطبع اہلِ سنّت کے لیے چندہ کے داعی ہوئے، اور دفعۃً بتائید غیبی اسی جلسہ میں ۷۰۰ روپیہ

سے زائد کا چندہ ہوگیا، عالی جناب مولانا مولوی محمد عبدالمقتدِر صاحب بدایونی نے ولایتی کَل (پریس) مع کُل سامان ۵۰۰ روپے سے زائد کی عطا فرمائی"[1]۔

مطبع اہلِ سنّت کے دستور العمل میں بھی ان تمام مُعاونین کا ذکر ہے، جنہوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس مطبع کے قیام کے لیے تعاوُن کیا، دستور العمل کے مرتّب لکھتے ہیں: "حضرات! یہاں بطورِ نمونہ و یادگار دو قسم کے بلند ہمت عالی نَہمت حضرات کی مثالیں مذکور ہوتی ہیں، سلخ شوّال کو مسجد محلہ سوداگران میں جو اِس مجلسِ مقدّس کا اوّلین اِجلاس ہوا، خدا کے پاک بندوں، مذہبِ حق کے حمایت پسندوں کا پاسِ دینی، کہ بغیر کسی فرد کی تحریک کے افتتاح کیا، اور اسی وقت ۷۰۰ روپیہ سے زائد کا چندہ ہو گیا، اعلی معین مجلس مبارک حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمقتدِر صاحب بدایونی نے ولایتی کَل (پرنٹنگ پریس) مع کُل سامان ۵۰۰ روپیہ سے زائد کی خرید عطا فرمائی، اور اس کے علاوہ ۱۱ روپے نقد، اور اڑتالیس ۴۸ روپے سالانہ تحریر فرمائے، والا جناب حضرت سیّد احمد شاہ صاحب نے [جو] اَجِلّۂ ساداتِ کرام نَو محلہ بریلی سے ہیں، سو روپے عطیہ اور ۴ روپیہ ماہوار، یہاں کے اہلِ سنّت پنجابی صاحبوں نے پچاس روپے نقد، اور جناب حاجی محمد قاسم صاحب نے ۵ روپے ماہوار لکھے، جناب مولوی ستار بخش صاحب رئیس بدایوں نے ۲۵ روپے نقد اور ۴ روپے ماہوار، اور جناب مولانا مولوی حکیم محمد سراج الحق صاحب علی گڑھی (عثمانی بدایونی) نے بھی ۴ روپے ماہوار"[2]۔

---

(۱) "سرگزشت و ماجرائے ندوہ" ص۴۶، ۴۷۔
(۲) "دستور العمل مجلس علمائے اہل سنّت و مطبع اہل سنّت" ص۷۔

مطبع اہلِ سنّت کے قیام کے لیے اہلِ ثروَت کے ساتھ ساتھ بعض وہ حضرات جو بظاہر بالکل بے سرو سامان تھے، انہوں نے بھی محض جذبۂ خدمتِ دین اور خُلوص وللّٰہیت کی بنیاد پر تعاوُن پیش کیا، بریلی میں رہنے والی دو بے سہارا اور مفلس بیواؤں نے اپنی حیثیت کے مطابق ایک ایک دوانّی چندہ میں دی، جناب مولوی ستار بخش صاحب بدایونی رئیس بدایوں [مرید مولانا عبدالقادر بدایونی] کو جب یہ معلوم ہوا، تو انہوں نے اسی وقت ان دونوں بیواؤں کو ایک ایک روپیہ عنایت کیا، لیکن ان نیک نفس خواتین نے وہ روپیہ بھی فوراً مطبع اہلِ سنّت کے لیے بھیج دیا۔

مطبع اہلِ سنّت کے دستور العمل کے مرتّب لکھتے ہیں: "قسم دُوم کی بے مثال مثال وہ ہمت بلند دو بیوہ و بے وسیلہ عورتیں، مصداقِ علیکم بدِین العجائز ہیں! جنہوں نے اپنی محض ناداری کی حالت میں ایک ایک دوانّی چندہ میں بھیجی، اسے سن کر مولوی ستار بخش صاحب رئیس نے انہیں روپیہ عطا فرمایا، ان کی والا ہمتی کہ وہ روپیہ بھی چندے میں اِرسال کیا، فاعتبرُوا یا أُولی الأبصار!"[1]۔

جیسا کہ ہم نے پیچھے ذکر کیا کہ اس مطبع کے قیام میں سب سے بڑا تعاوُن شہزادۂ تاج الفُحول حضرت مولانا عبدالمقتدِر قادری بدایونی کا رہا، کہ آپ نے مطبع کے لیے پرنٹنگ پریس مع کُل سامان کے عطا فرمائی، اور اپنے جدِ کریم امیر المؤمنین سیّدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سنّت پر عمل کر کے اس قربانی اور سخاوَت کی یاد تازہ کر دی، جس کا مُظاہرہ جیش عُسرت (غزوۂ تبوک) کے موقع پر کیا گیا تھا۔ اس گراں قدر عطیہ پر ہی آپ نے اِکتفاء نہیں کیا، بلکہ آپ اپنے اَحبابِ سلسلہ کو بھی مطبع کے تعاوُن کی ترغیب دیا

---

(۱) ایضاً ص۸۔

کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی آپ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے خیال میں قیامِ مطبع -ان شاء اللہ تعالیٰ- نافع اور ندویوں (پر) آفت، اور ان کے مریض دلوں کا غیظ ہے!"۔

آگے فرماتے ہیں کہ "واجد علی خاں کا چندہ جاری رہنا چاہیے، اب کہ کئی ماہ سے نہ آیا، ممکن ہے کہ تحریک سے دے دیں اور باذن اللہ دیتے رہیں، بعض اَحباب بمبئی و حیدر آباد وغیرہ سے اگر جلبِ اِعانت ممکن ہو فبہا!"[1]۔

مطبع اہلِ سنّت کا دستور العمل

مطبع اہلِ سنّت کا دستور العمل ۱۵ دفعات پر مشتمل ہے، جس کی پہلی دفعہ حسب ذیل ہے: * یہ مطبع واسطے طبع واِشاعت کتب ورسائل، مؤیّدہ مذہبِ اہلِ سنّت، وترویج مسائل نافعہ، وفضائلِ اَخلاقیہ، ونصائح ومَصالح دِینیہ ودُنیویہ کے، حسب صواب دید مجلسِ علمائے اہلِ سنّت، ماہِ محرّم ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء سے قائم ہوا[2]۔

مطبع اہلِ سنّت کے مہتمم

مطبع اہلِ سنّت کے پہلے مہتمم حضرت مولانا حکیم مؤمن سجاد صاحب مشتاق چشتی کانپوری ثم پھپھوندوی تھے، مطبع اہلِ سنّت کے دستور کی دفعہ ۱۵ میں درج ہے: * جملہ خط وکتابت بہ نشان بانس بریلی، دفتر مطبع اہلِ سنّت، بنام مولوی حکیم مؤمن سجاد صاحب مہتمم مطبع ہونا چاہیے[3]۔

---

(۱) "تحقیق وتفہیم" ص۶۳، بحوالہ "مکتوب فاضل بریلوی بنام مولانا عبدالمقتدِر صاحب بدایونی" محرّرہ ۱۰ شعبان ۱۳۱۸ھ، مملوکہ کتب خانہ قادریہ بدایوں۔

(۲) "دستور العمل مجلس علمائے اہل سنّت ومطبع اہل سنّت" ص۴، ۵۔

(۳) ایضاً ص۷۔

آپ کے پوتے مولانا ظہیر السجاد صاحب چشتی مصباحی تحریر فرماتے ہیں کہ

"جس زمانے میں "ندوۃ العلماء" کی مخالفت کا زور تھا، تو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے حضرت قبلۂ عالَم [حافظ بخاری سیّد شاہ عبدالصمد چشتی] سے عرض کر کے، مطبع اہلِ سنّت کی مہتممی کے لیے حکیم صاحب کو مانگ لیا تھا، چنانچہ کئی برس حکیم صاحب وہاں رہے"[۱]۔

حکیم مؤمن سجاد صاحب چشتی کا وطنِ اصلی بریلی تھا، آپ کے والد مولوی غلام سجاد صاحب کانپور میں چیف ریڈر کلکٹری (Chief reader collectory) تھے، ملازمت کی وجہ سے بریلی کی سُکونت ترک کر کے مستقل کانپور میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حکیم مؤمن سجاد صاحب کی تعلیم متوسطات تک تھی، فارسی میں خاصی مہارت رکھتے تھے، شاعری کا بھی ذَوق تھا، مشتاق تخلُص فرماتے تھے، شاعری میں حکیم اِمداد حسین صاحب انعام کانپوری سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے، متوسطات تک تعلیم ہونے کے باوُجود ذاتی مطالعہ اور اکابر علماء کی صحبت کے فیض سے علومِ اسلامیہ پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ آپ کے پوتے مولانا ظہیر السجاد صاحب لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ قبلۂ عالَم [حافظ بخاری] بریلی تشریف لے گئے، حضرت مولانا بریلوی نے دریافت کیا کہ حکیم صاحب کی تحصیلِ عربی کتنی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ "قطبی" و "میر" تک، وہ متعجّب ہوئے اور کہنے لگے: حضرت فرما رہے ہیں تو میں مانے لیتا ہوں، ورنہ حکیم صاحب کی قابلیت منتہی کتابوں سے کم نہیں معلوم ہوتی!"[۲]۔

---

(۱) "ملفوظ مصابیح القلوب" ص۱۸۶۔

(۲) ایضاً۔

حکیم مؤمن سجاد صاحب سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حافظ بخاری سیّدنا شاہ عبدالصمد چشتی نظامی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے، اپنے مرشد کی محبت میں ایسے سرشار ہوئے کہ بریلی اور کانپور کی سُکونت ترک کرکے مستقل مرشِد کے دیار پھپھوند شریف، ضلع اٹاوہ (اب ضلع اوریا) میں قیام پذیر ہوگئے، ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے[۱]۔

حضرت فاضلِ بریلوی نے اپنے قصیدے "آمال الاَبرار" میں ان تمام علمائے اہلِ سنّت کا ذکر کیا ہے، جو پٹنہ کے تاریخی اِجلاس (منعقدہ رجب ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) میں شریک ہوئے تھے، اس میں حکیم صاحب کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے:

حکیمٌ مؤمنٌ سجّادُ ربٍّ مجیدٍ عبده مجداً یُفید[۲]

حکیم صاحب کو تصنیف و تالیف سے بھی شغف تھا، فی الحال آپ کے تالیف کردہ چار رسائل ہمارے پیشِ نظر ہیں، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی آپ کی تصانیف ہوں! یہ چاروں رسائل آپ کے زیرِ اہتمام مطبع اہلِ سنّت و جماعت بریلی سے شائع ہوئے ہیں:

(۱) اشتہاراتِ خمسہ ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء

(۲) فکِ فتنہ اَز بہار و پٹنہ ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء

(۳) ندوہ کا ٹھیک فوٹوگراف ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء

---

(۱) ایضاً، ص۱۸۴، و۱۸۹۔

(۲) "آمال الاَبرار و آلام الاَشرار" ص۱۵۔

(۴) غرش صُور بر ندبۂ شاہ جہانپور ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء[1]

حکیم مؤمن سجاد صاحب چشتی مطبع اہلِ سنّت کے سب سے پہلے مہتمم تھے، لیکن کب تک آپ نے اہتمام کی ذمّہ داریاں سنبھالیں؟ اس سلسلہ میں پیشِ نظر مواد اور حوالوں کی رَوشنی میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے! ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء اور ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء تک کی جو مطبوعات ہمارے سامنے ہیں، ان میں سے اکثر پر مہتمم مطبع کی حیثیت سے حکیم صاحب کا نام درج ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کی کتاب "جزاء اللہ عدوّہ" ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں مطبع اہلِ سنّت سے پہلی بار شائع ہوئی، اس پر بحیثیت مہتمم مطبع کسی کا نام نہیں ہے۔ شوّال ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں مطبع اہلِ سنّت سے قصیدہ "چراغِ اُنس" شائع کیا گیا، اس پر مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کا نام درج ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنے کی گنجائش ہے کہ حکیم مؤمن سجاد صاحب اَواخر ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء تک بریلی میں قیام پذیر رہے، اور مطبع اہلِ سنّت وجماعت کے فرائضِ اہتمام بحُسن وخوبی انجام دیتے رہے[2]۔

مطبع اہلِ سنّت کی اِشاعتی خدمات کے چار دَور

مطبع اہلِ سنّت وجماعت کی شائع شدہ ۶۴ کتابیں کتب خانہ قادریہ بدایوں شریف میں موجود ہیں، ان میں زمانی ترتیب کے اعتبار سے سب سے پہلی کتاب "دستور العمل مجلسِ علمائے اہلِ سنّت ومطبع اہلِ سنّت" ہے، جو ۱۷ صفر ۱۳۱۴ھ/ جون ۱۸۹۶ء کو شائع ہوئی، اور آخری کتاب فاضل بریلوی کی "رادالقحط والوباء" ہے، جو ۱۲ شعبان ۱۳۴۵ھ/

---

(۱) "تحقیق وتفہیم "مطبع اہلِ سنّت وجماعت بریلی، تاریخی پسِ منظر اور اِشاعتی خدمات، ص۶۵۔

(۲) ایضاً ص۶۵،۶۶۔

مارچ ۱۹۲۷ء کو شائع ہوئی ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ مطبع اہلِ سنّت سے شائع شدہ آخری کتاب ہے، اس کے بعد بھی یقیناً مزید چند ماہ یا چند سال تک مطبع سے طباعت واِشاعت کا کام جاری رہا ہوگا، تاہم اگر اسی کتاب کو آخری کتاب مان لیا جائے، تب بھی یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مطبع اہلِ سنّت وجماعت نے کم از کم ۳۱ سال طباعتی واِشاعتی خدمات انجام دی ہیں۔ ان ۳۱ سالہ خدمات کو ہم چار اَدوار پر تقسیم کریں گے:

پہلا دَور ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء تا ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

اس دَور میں حکیم مؤمن سجاد صاحب چشتی مطبع کے مہتمم رہے، پہلے دَور میں شائع شدہ اکثر کتب ورسائل کا تعلق تحریک اِصلاحِ ندوہ سے ہے، ہم نے اس دَور کو ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۶ء تک محض قیاس کی بنیاد پر مانا ہے، جس کی وجہ پیچھے ذکر کی گئی۔ ہمیں اس پر اِصرار نہیں ہے، اگر ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء کے بعد کی کوئی ایسی کتاب سامنے آتی ہے جس پر بحیثیت مہتمم حکیم صاحب کا نام درج ہو، یا کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت کر دیا جائے، کہ حکیم صاحب ۱۳۱۶ھ کے بعد بھی مطبع کے مہتمم رہے، تو ہمیں اسے قبول کرنے میں کوئی تأمُل نہیں ہوگا![1]۔

دوسرا دَور ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء تا ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

اس دَور میں مطبع کس کے زیرِ اہتمام چلتا رہا، اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، ان ۱۱ برسوں میں شائع شدہ کتابوں پر بحیثیت مہتمم کسی کا نام نہیں ہے، صرف دو کتابیں ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس دَور میں مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی مطبع کے انتظام واِنصرام کی نگرانی کرتے تھے: ایک قصیدہ "چراغِ

(۱) ایضاً ص۶۶۔

اُنس" اور دوسرا ماہنامہ "قہر الدیّان"۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں مولانا حسن رضا خاں صاحب کی وفات ہو گئی، معلوم نہیں اس کے اگلے ۳ سال (یعنی مولانا امجد علی اعظمی کے بریلی آنے تک) مطبع معطّل رہا، یا کسی اَور کی زیرِ نگرانی کام ہوتا رہا! اس دَور کی ایک بڑی خدمت سابق الذِکر ماہنامہ "قہر الدیّان علی مرتد بقادیان" کا اِجراء ہے، یہ ماہنامہ مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی کی زیرِ اِدارت رجب ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کو مطبع اہلِ سنّت بریلی سے جاری ہوا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس ماہنامہ کے اِجراء کا مقصد فتنۂ قادیانیت کا رَد و اِبطال تھا۔

ماہنامہ "قہر الدیّان" کے پہلے شمارے کی پُشت پر "ضوابط رسالہ" کے عنوان سے ۱۰ دفعات میں رسالہ کے اَغراض و مقاصد اور دیگر ضروری اُمور درج ہیں، دفعہ ۵ میں مرقوم ہے: "اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کا رَد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفع ہوگا، جو انہوں نے عقائدِ اسلام و انبیائے کرام، خصوصاً سیّدنا عیسیٰ و حضرت مریم و خود حضور سیّد الاَنام –علیہ و علیہم الصلاۃ والسلام– حتیٰ کہ رب العزّت ذُو الجلال والاِکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے فرقوں کا رَد اس کا موضوع نہیں، اُس کے لیے –بعونہ تعالیٰ– مبارک رسالہ "تحفہ حنفیہ" عظیم آباد، نیز اہلِ سنّت کی اَور کتب کافی و وافی ہیں"[1]۔

تیسرا دَور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تا ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء

۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں مولانا امجد علی اعظمی مصنِّف "بہارِ شریعت" بحیثیت مدرِّس مدرسہ منظرِ اسلام بریلی میں تشریف لائے، تو مطبع اہلِ سنّت و جماعت کے اہتمام واِنصرام کی ذمّہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی گئی۔ آپ کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی

(۱) "ماہنامہ قہر الدیّان" جلد ۱، شمارہ ۱، ص۱۸۔

پہلی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" مع اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں مکہ مکرمہ میں عربی میں تصنیف کی گئی، اور ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں پہلی بار مطبع اہلِ سنّت سے عربی میں شائع ہوئی، ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں اس کو مع اردو ترجمہ شائع کیا گیا، اردو ترجمہ کا تاریخی نام "نوٹ کے متعلق سب مسائل" (۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء) ہے۔ سرِوَرق پر یہ عبارت درج ہے: "باہتمام واِشاعت جناب مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب اعظمی قادری، مطبع اہلِ سنّت وجماعت، واقع بریلی میں طبع ہوا"۔

مولانا امجد علی اعظمی صاحب کے اہتمامِ مطبع سنبھالنے سے مطبع میں ایک نئی جان پڑ گئی، آپ نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا مُظاہرہ کرتے ہوئے مطبع کے نظام کو اَز سرِ نَو استوار کیا، اور اپنی زیرِ نگرانی وزیرِ اہتمام بے شمار کتب شائع کیں۔ آپ کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے، کہ ان میں کتابت کی اَغلاط تقریبًا نہ ہونے کے برابر ہیں، آپ خود ہی ان کتب کی پروف ریڈنگ کرتے تھے، اور اس مہارت اور توجہ سے کرتے تھے کہ کسی غلطی کے باقی رہنے کا اِمکان بہت کم ہوتا تھا!۔

آپ کے زمانۂ اہتمام کا ایک بڑا کارنامہ "فتاوی رضویہ" جلد اوّل کی اِشاعت ہے، جو جہازی سائز کے ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی دَور میں مطبع اہلِ سنّت سے "بہارِ شریعت" کی طباعت کا آغاز ہوا، "بہار شریعت" حصہ ہفتم ۷، ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی ہے[1]۔

---

(۱) "صدر الشریعہ نمبر" ص۴۶، و۱۸۵۔ و"تحقیق وتفہیم" ص۶۷، ۶۸۔

چوتھا دَور اَز ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء تا زوالِ مطبع

۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء کے اَواخر یا ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء کے آغاز میں مولانا امجد علی اعظمی "دارالعلوم مُعینیہ عثمانیہ" اجمیر شریف میں بحیثیت صدر مدرِّس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے سے مطبع اہلِ سنّت کی کارکردگی متاثر ہوئی، لیکن فوراً ہی مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب عُرف جیلانی میاں کی شکل میں مطبع کو ایک اَور سہارا مل گیا، آپ کے زیرِ اہتمام مطبع اہلِ سنّت سے علمائے اہلِ سنّت، بالخصوص حضرت فاضلِ بریلوی کی تصانیف کی طبع واِشاعت کا سلسلہ اَز سرِ نَو شروع ہوا۔ آپ کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے رسائل میں سے فاضل بریلوی کے ۵ رسائل ہمارے پیشِ نظر ہیں، جن میں سے ۳ پر سنِ طباعت ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء درج ہے، اور دو پر سن کا اِندراج نہیں ہے: "اِعلام الاَعلام باَنّ ہندستان دارالاسلام" رجب ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء کی مطبوعہ کے سرِوَرق پر یہ عبارت درج ہے: "باہتمام جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب، خلَفِ اکبر حضرتِ اقدس زیبِ سجادہ آستانہ عالیہ رضویہ دامت برکاتہم"[۱]۔

مولانا اُسید الحق قادری لکھتے ہیں: "۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء کے بعد کب تک یہ مطبع خدمات انجام دیتا رہا؟ اپنے محدود مطالعہ کی وجہ سے اس کا علم ہمیں نہیں ہوسکا! یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس دَور کے شائع شدہ رسالوں کے سرِ وَرق پر یہ عبارت بھی درج ہے: "جماعت رضائے مصطفی نے اپنے صَرف سے چھاپا اور شائع کیا"[۲]۔

---

(۱) "تحقیق وتفہیم" ص۶۸۔

(۲) ایضًا ص۶۸،۶۹۔

خلاصۂ بحث

(۱) مطبع اہلِ سنّت و جماعت بریلی، مجلس علمائے اہلِ سنّت کی صواب دید پر، محرّم الحرام ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء میں محلّہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا۔

(۲) مطبع کے قیام کے لیے جن مخلصینِ اہلِ سنّت نے مالی تعاوُن پیش کیا، ان میں حضرت مولانا محمد عبدالمقتدِر قادری بدایونی کا نام نامی سرِ فہرست ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے اَحبابِ سلسلہ کو بھی اس کے تعاوُن اور مالی اِمداد کی طرف راغب کیا۔

(۳) مطبع اہلِ سنّت نے ۳۱ سال سے زیادہ اِشاعتی خدمات انجام دیں، جس کے نتیجہ میں علمائے اہلِ سنّت، بالخصوص مولانا احمد رضا خان کی بے شمار کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔

(۴) مطبع اہلِ سنّت کی مطبوعات کی تعداد سیکڑوں میں ہے، جن میں "فتاوی رضویہ" جلد اوّل جو جہازی سائز میں ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے بھی شامل ہے، ان مطبوعات میں سے ۶۴ کتابیں اور رسائل "کتب خانہ قادریہ" واقع مدرسہ قادریہ بدایوں کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

(۵) مطبع اہلِ سنّت کے ۴ مہتمم حضرات کا علم ہوسکا، جو حسب ترتیب زمانی درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا حکیم مؤمن سجاد چشتی مشتاق کانپوری ثم پھپھوندوی (متوفّٰی ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء) اَز قیامِ مطبع ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء تا ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

(۲) مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی (متوفّٰی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) اَز ۱۳۱۷ھ / تا ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

(۳) مولانا امجد علی اعظمی صاحب (متوفّٰی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) مہتمم اَز ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء تا ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء

(۴) مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب جیلانی میاں (متوفّٰی ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) مہتمم ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء تا زَوالِ مطبع (اندازاً ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء)[1]۔

آخری بات

مطبع اہلِ سنّت وجماعت کی زَریں خدمات کا ایک سرسری جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس مطبع کی خدمات اس قابل ہیں کہ اس پر باقاعدہ تحقیقی کام ہو، اور اس کی ایک مفصَّل تاریخ مرتَّب ہوکر منظرِ عام پر آئے! ؎

مردے اَز غیب بروں آید و کارے بکند

مولانا شِہاب الدین رضوی لکھتے ہیں کہ "موجودہ زمانے میں امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف پر سیکڑوں تعارُفی مقالے لکھے گئے، اگر غور کیا جائے تو یہ فیض "مطبع اہلِ سنّت وجماعت" اور "حَسنی پریس" کا ہے؛ کیونکہ امام کی تصانیف انہی دو پریس کی شائع کردہ ہیں، دنیائے اہلِ سنّت وجماعت، خصوصاً حلقہ بگوشِ رضویت مطبع اہلِ سنّت اور حَسنی پریس کے اس احسانِ عظیم کے ممنون ومتشکر ہیں!"[2]۔

اگر یہ بات درست ہے تو "دنیائے اہلِ سنّت وجماعت، خصوصاً حلقہ بگوشِ رضویت" کو حضرت مولانا محمد عبدالمقتدِر قادری بدایونی کا بھی احسان مند اور ممنون

---

(۱) ایضاً ص۶۹، ۷۰۔

(۲) "صدر الشریعہ نمبر" مقالہ: "امام احمد رضا کی تحریکات اور صدر الشریعہ کی خدمات" ماہنامہ اشرفیہ، شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء، ص۲۷۲۔

و متشکر ہونا چاہیے؛ کہ انہوں نے اور ان کے وابستگان نے کثیر سرمایہ صَرف کر کے، مطبع اہلِ سنّت کے قیام کے دشوار مرحلے کو آسان فرما دیا![۱]۔

یہ تمام تاریخی شواہد شیخ اِکرام ندوی کے دعوی اور اِلزام کی تردید کرتے ہیں، جو انہوں نے علمائے اہلِ سنّت پر، مخالفتِ ندوہ کی وجہ سے لگایا کہ "انہوں نے ندوہ کی مخالفت میں ایک جنگجو جماعت "جدوَہ" قائم کی"[۲]۔

تحریک اِصلاحِ ندوہ میں علمائے اہلِ سنّت کا تحریری کام

تحریک اصلاحِ ندوہ میں جہاں علمائے اہلِ سنّت نے ایک طرف تو عملی طَور پر اپنا کردار ادا کیا، دوسری طرف تحریری میدان میں بھی کئی رسائل، جرائد، اشتہارات اور سوالات، ندوہ واَراکینِ ندوہ کی اصلاح اور مَفاسدِ ندوہ کی نشاندہی میں لکھے، جن کے جوابات اُن حضرات سے کبھی نہیں بن پائے، بلکہ انہوں نے صراحۃً لکھ دیا کہ "جواب نہیں لکھیں گے" بلکہ صاف لکھ دیا کہ "ہماری کاروائیاں حرام تو ہیں، مگر بضرورت حلال کر لی ہیں"[۳]۔ ذَیل میں چند رسائل وجرائد کا ذکر کیا جاتا ہے، جو علمائے اہلِ سنّت کی جانب سے اصلاحِ ندوہ کے ضمن میں لکھے گئے:

(۱) مکتوبات علماء وکلام اہلِ صفاء، مولانا سیّد عبدالکریم قادری (۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء)

(۲) سوالاتِ حقائق نما بروٗس ندوۃ العلماء، مولانا حسن رضا (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

(۳) ندوہ کا تیجہ رُودادِ سوم کا نتیجہ، مولانا محمد حسن رضا خان (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

---

(۱) "تحقیق وتفہیم" صـ۷۔

(۲) "موجِ کوثر" "ندوۃ العلماء، صـ۱۸۸۔

(۳) دیکھیے "سرگزشت وماجرائے ندوہ" صـ٦۔

(۴)مرآت الندوہ(عُروۃ الوُثقی) قاضی عبدالوحید فردَوسی(۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء)

(۵)صمصام حسن بردارِ فتن، قاضی عبدالوحید فردَوسی (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

(۶) غرش صنوبر برندبہٖ شاہ جہانپور، حکیم مؤمن سجاد کانپوری(۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)

(۷)فک فتنہ اَز بہار وپٹنہ، مولانا حکیم مؤمن سجاد کانپوری (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)

(۸) اشتہاراتِ خمسہ ۱۳۱۳ھ، مولانا حکیم مؤمن سجاد کانپوری(۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)

(۹)ندوہ کا ٹھیک فوٹوگراف ۱۳۱۴ھ، مولانا حکیم مؤمن سجاد کانپوری (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)

(۱۰)فتاوی القُدوہ لکشف دفین الندوہ، مولانا احمد رضا خان(۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

(۱۱)آمال الاَبرار وآلام الاَشرار، مولانا احمد رضا خان(۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

(۱۲)فتاوی الحرمین برَجف ندوۃ المین، مولانا احمد رضا خان(۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

(۱۳) مُراسَلاتِ سنّت وندوہ، مولانا محمد حامد رضا خان(۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

(۱۴) سرگزشت وماجرائے ندوہ، مولانا محمد یقین الدین(۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء)

(۱۵)غزوہ لہدم سماک الندوۃ، مولانا محمد یقین الدین(۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء)

(۱۶) مظہر الحق فی رَدّ ندوہ، علّامہ مظہر الحق

(۱۷) فتاوی السُنۃ لِالجام الفتنہ، مولانا عبدالرزّاق مکّی حیدرآبادی

(۱۸) رَدّ اَرباب الشِقاق واصحاب النِفاق، مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری

(۱۹) تہدید الندوہ(تاکید الحسنہ رَدّ تائید الندوہ) مولانا سیّد محمد حسین

(۲۰) تقریراتِ ثلاثہ: (۱)مولانا شاہ محمد ابراہیم (۲) مولوی محمد حسین بریلوی

(۳)مولوی حکیم مؤمن سجاد کانپوری

(۲۱) تحفہ حنفیہ، پٹنہ

(۲۲) اظہار مَکائد اہلِ ندوہ، مولانا محمد ارشاد حسین دہلوی

(۲۳) رغم الہازِل، مولانا سیّد حسین حیدر مارَہرَوی

(۲۴) قطع الحجہ وسدّ اللُصوص رَدّ شناعاتِ ندوہ، مولانا سیّد ابوسعید فتح پوری

(۲۵) فتوٰی علماء اہلِ سنّت ساکنین ہندوستان

(۲۶) اِسعاد الفُضلاء لسَلب اِلحاد الجہلاء

(۲۷) سُیوف العنوہ علی ذَمائم الندوہ

(۲۸) النذیر الاحمد لمن سطا واَلحد

(۲۹) طلسم کُشائی فرندوہ

(۳۰) رَدِ شنائع اَباطیل رُوداد جلسۂ چہارُم ندوہ

(۳۱) مزقِ شراراتِ ندوہ

(۳۲) جزاء المملیون لاَہالی الغبون

(۳۳) انجام السّلِۃ

(۳۴) نذیر الندوہ لجانب اہل الجفوَہ، مولانا محمد نذیر احمد خان

(۳۵) رغم الجہَلہ، مولانا سیّد احمد علی حسنی حسینی

(۳۶) سطوَہ لردّ ہفوات اَرباب الندوہ، مولانا حکیم محمد عبد القیوم بدایونی

(۳۷) تفتیش ناز ندوہ، مولانا عبید اللہ مدرّس اعلی مدرسہ مسجد جامع بمبئ

(۳۸) تحفہ نمک سلیمانی

(۳۹) مُفاوَضہ عالیہ، مولانا عبد القادر بدایونی

(۴۰) حشوَہ فی وُجوہ شیاع دار الندوہ، مولانا غلام احمد

(۴۱) جشوہ لتنبیہ اَرباب الندوہ، مولانا حکیم عبد الرزاق مکی

(۴۲) حادِثۂ جانکاہ مفتی لُطف اللہ، مولانا سیّد اِخلاص حسین چشتی

(۴۳) آہ مظلوم، مولانا نذیر حسین

(۴۴) شکوۂ درست، مولانا محمد ابراہیم دہلوی

(۴۵) فُغانِ اسلام، مولانا عبد الوحید فردَوسی[1]۔

ندوہ کا چَوتھا دَور

دیگر ناظمین

مصنِّف "نزہۃ الخواطر" [عبد الحی ندوی] مختلف حیثیت سے ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء سے "ندوۃ العلماء" میں کام کر رہے تھے، حتی کہ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں ناظمِ اعلی کے منصب پر پہنچے، اور وفات ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء تک فائز رہے، ان کے فوراً بعد علمائے غیرمقلّدین کے سرتاج نواب صدیق حسن خان کے بیٹے نواب علی حسن خان بھوپالی (وفات ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) ناظمِ اعلی بنائے گئے، جن کے بعد مصنِّف "نزہۃ الخواطر" کے بڑے بیٹے ڈاکٹر سیّد عبد العلی ندوی اپنی وفات ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء تک اس منصب پر تعینات رہے، پھر صاحب "نزہۃ الخواطر" کے چھوٹے بیٹے ابو الحسن علی میاں ندوی ناظمِ اعلی نامزد ہوئے اور وفات ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء تک متمکّن رہے۔ تب سے اَب ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء تک

---

(۱) دیکھیے: "رغم الہازِل" ص۴، ۲۸، ۳۷۔ و"سرگزشت وماجرائے ندوہ" ص۸، ۱۷، ۳۳، ۴۲۔ و"رَدِّ اَرباب الشِقاق واصحاب النِفاق" ص۶۲-۶۴۔ و"اِظہار مَکائد اہل الندوہ" ص۱۵، ۱۶، ۴۲۔ و"مظہر الحق" ص۲، ۵، ۷، ۱۴، ۲۷۔ و"اشتہاراتِ خمسہ" ص۶، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۰۔

ناظم "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کا منصب مصنِّف "نزہۃ الخواطر" کے نواسہ محمد رابع حسنی (پیدائش ١٣٤٩ھ/ ١٩٣١-١٩٣٠ء) کے سپرد رہا[١]۔ اور "ندوۃ العلماء" نام سے مختلف مکاتبِ فکر کے اکابر علماء کے تعاوُن سے جو تنظیم "مدرسہ فیضِ عام" کانپور میں قائم کی گئی تھی، اس کے اَہداف اور وُجود، ابتدائی برسوں میں ہی بکھر گئے، اور آج کا "ندوۃ العلماء" مکمل طَور پر مصنِّف "نزہۃ الخواطر" کے خاندان کے ہاتھوں میں، اور محض ان کے اَفکار وعقیدہ کے تابع ہے![٢]۔

مصنِّف "نزہۃ الخواطر" حکیم عبدالحی رائے بریلی اور ندوۃ العلماء

رائے بریلی کے اس گھرانہ کی "ندوۃ العلماء" سے وابستگی کے اس ادارہ پر کیسے اثرات مرتَّب ہوئے؟ یہ جاننے کے لیے اس کے اوّلین فرد مصنِّف "نزہۃ الخواطر" حکیم عبد الحی لکھنوی کے بارے میں پاکستان کے مشہور محقِق خواجہ رضِی حیدر -جو روزنامہ "حُریت" کراچی کے سابق سب ایڈیٹر (sub-editor) اور "قائدِ اعظم اکیڈمی" حکومت پاکستان کراچی کے سابق محقّق، نیز "ندوۃ العلماء" کی تاریخ وکارکردگی پر گہری نظر رکھتے ہیں- ان کی رائے اور تحقیق یہ ہے:

"ایک شخصیت ہر اختلافی موڑ پر سرِ فہرست نظر آتی ہے، اور وہ ہے مولوی عبدالحی رائے بریلوی کی ذات، در اصل ندوہ میں اس شخص کی ٢٥

---

(١) محمد رابع حسنی ندوی کی وفات ٢١ رمضان ١٤٤٤ھ/ ١٣ اَپریل ٢٠٢٣ کے بعد، ٢٢ رمضان المبارک ١٤٤٤ھ/ ١٤ اَپریل ٢٠٢٣ء سے تاحال دار ندوۃ العلماء کی نظامت کے منصب پر بلال عبدالحی حسنی ندوی فعّال ہیں۔(https://www.nadwa.in/nazim)

(٢) "نزہۃ الخواطر کا علمی اور تحقیقی جائزہ "ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص٦٧، ٦٨۔

دسمبر ۱۸۹۵ء/ ۱۳۱۳ھ میں شُمولیت، اور بحیثیت مددگار ناظم کے انتخاب کے بعد سے ہی، مقلّدین کے اِنخلاء اور ندوہ پر غیر حنفی اور غیر مقلّدین کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔

مولوی عبد الحی نے اپنی عبا میں شریعت وطریقت کے ہفت رنگ کے پیوند لگا رکھے تھے، اور کبھی اپنے اصل رنگ کو ظاہر نہیں ہونے دیا، لیکن اس کے باوُجود عدمِ تقلید اُن کی عبا کا بنیادی رنگ تھا، جس کا اندازہ ان کی تحریروں اور ندوہ میں شُمولیت کے بعد، ان کے کردار سے بخوبی ہو جاتا ہے! دراصل اکثریت سے کٹ کر کبھی بھی اقلیتی تحریکیں پروان نہیں چڑھ پاتی ہیں، اس لیے مولوی عبدالحی کے لیے یہ ناگزیر تھا کہ وہ مقلّدین سے کٹ کر، یا ان کا ندوہ سے فَوری طَور پر پتہ صاف کر کے ندوہ کے مُعاملات پر گرفت کر لیں، اس لیے وہ شروع سے ہی مقلّدین کی آڑ میں اپنا کھیل کھیلتے رہے، اور بالآخر علّامہ شبلی نعمانی کے استعفیٰ کے بعد ۱۳ اَپریل ۱۹۱۵ء/ ۱۳۳۳ھ کو وہ ندوہ کے ناظم منتخب ہو گئے،اور مرتے دم تک اس حیثیت سے کام کرتے رہے۔

اس تمام عرصے میں ندوہ غیر مقلّدین کا گڑھ بن چکا تھا، چنانچہ مولوی عبدالحی کے بعد نواب حسن علی خان ناظم مقرّر ہوئے، اور ان کے فوراً بعد ہی مولوی عبد الحی کے لڑکے حکیم سیّد عبدالعلی ناظم "ندوۃ العلماء "مقرّر ہوئے، جس کے بعد ندوہ کی نظامت اور ندوہ، عبد الحی کے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا، اور آج بھی مولوی ابو الحسن علی ندوی کا سکہ ندوہ پر چلتا ہے"[1]۔

---

(۱) "تذکرہ محدِّث سُورتی" ص۱۲۱، ۱۲۲۔

ابوالحسن علی ندوی، جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت

گویا حکیم عبد الحی ندوی فکر واِعتقاد میں غیر مقلّدین کے ہمنوا تھے، جبکہ فرزند ابوالحسن علی میاں ندوی نے غیرمقلّد، نیز دیوبندی فکر کے علمائے عرب وعجم سے تعلیم پائی، پھر ابو الاعلی مَودودی (وفات ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء) کی قائم کردہ "جماعتِ اسلامی" میں شامل اور لکھنؤ شہر کے صدر ہوئے، لیکن کچھ ہی عرصے بعد مَودودی صاحب کے اَفکار و منہج کو سلَفِ صالحین اور دین کی رُوح سے بعید قرار دے کر الگ ہو گئے۔ جُون ۱۹۵۶ء/۱۳۷۵ھ میں دونوں اسلامی کانفرنس منعقدہ دِمشق میں شریک ہوئے، نیز خطاب بھی کیا، تب مَودودی صاحب نے اُردو میں تقریر کی، جس کا عربی ترجمہ علی میاں نے حاضرین تک پہنچایا۔ جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولوی الیاس کاندھلوی (وفات ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء) کی قائم کردہ "تبلیغی جماعت" سے وابستہ ہوئے، لیکن فکری جُمود کے عذر پر اس سے بھی دُور ہوئے، البتہ زبان وقلم کی حد تک "تبلیغی جماعت" کی مُعاوَنت جاری رکھی[1]۔

علمائے غیر مقلدین کا تعلق وتعاوُن ندوۃ العلماء سے آج تک قائم ہے

ایک سلفی عالم عبد العزیز میمن راجکوٹی (۱۸۸۸ء/ ۱۹۷۸ء) نے اپنی وفات سے قبل، تقریبًا اپنی زندگی بھر کی جمع کی ہوئی نقد پونجی ندوہ کو ہبہ کردی، اور ایک عظیم کتب خانہ سے بھی ندوہ کا تعاوُن کیا[2]۔

---

(۱) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" "ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۶۹۔

(۲) "مجموعہ مقالات عبدالحمید رحمانی" ۲/ ۲۹۱۔

اسی طرح حافظ عتیق الرحمن طیّب پوری، گزشتہ ۵۵ سال سے بحیثیت مسجّل خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا یعقوب ندوی اور مولانا عبد الرحمن ندوی تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں[1]۔

ابوالحسن ندوی اور عرب دنیا

ابو الحسن ندوی نے بعد ازاں دعوت کا اپنا انداز اپنایا، جس کے لیے بیرونی دنیا، بالخصوص عرب ممالک کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور عدم تشدُد، صلحِ کُل، نیز ادبی اُسلوب وطریقۂ کار اپنایا، پھر اپنے دَور کی اسلامی دنیا میں عربی ادب کے اہم فرد مانے گئے، اور ان کی تحریروں نیز شخصیت کو عالمگیر شہرت ملی۔ عرب دنیا کے مختلف مکاتبِ فکر تک اپنے اَفکار وپیغام پہنچانے کے لیے اہم موضوعات، نیز حالاتِ حاضرہ پر عربی تقاریر کیں، اور عربی کتب لکھیں، جن کے نام یہ ہیں:

اوّلین اہم عربی کتاب ❋ "ماذا خسرَ العالمُ بانحطاط المسلمين" جو عرب دنیا میں تعارُف کا ذریعہ بنی، اس پر مصر کے نامور ادیب ڈاکٹر احمد امین (وفات ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء) نے مقدّمہ لکھا، اور انہی کے اہتمام سے یہ پہلی بار ۱۹۵۰ء/ ۱۳۶۹ھ میں قاہرہ سے چھپی تھی، اس کی دوسری اِشاعت پر اِخوان المسلمین مصر کے مشہور رَہنما، صاحبِ "تفسیر فی ظلال القرآن" سیّد قُطب (وفات ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۶ء) نے تقریظ لکھی، اور یہ کتاب بارہا شائع ہوئی۔

اگلے مرحلہ میں دِمشق یونیورسٹی میں شریعت کالج کے صدر، اور ملکِ شام میں "اِخوان المسلمین" کے سربراہ ڈاکٹر مصطفی سباعی (وفات

---

(۱) دیکھیے: https://thefreelancer.co.in/?p=10217۔

١٣٨٤ھ /١٩٦٤ء) کی خواہش پر، علی میاں ندوی نے دِمشق یونیورسٹی میں مختلف موضوعات وشخصیات پر ۴ اَپریل ١٩٥٦ء/ ١٣٧٥ھ سے ٣٠ مئی تک ٨ لیکچرز دیے، جن میں سے ایک امام احمد بن حنبل کی شخصیت پر تھا۔ یہ لیکچرز کتابی صورت میں دِمشق سے ہی شائع کیے گئے، جس پر ڈاکٹر مصطفی سباعی نے ١٣٧٨ھ/ ١٩٥٨ء میں تقدیم لکھی[1]۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ابوالحسن علی ندوی

ڈاکٹر یوسف قرضاوی[2] جو مصر کے باشندہ اور قطر میں مقیم تھے، مشہور مفکر وداعئ اجتہاد، نامَور خطیب، صلحِ کُل اور "اِخوان المسلمین" سے

(١) "رِجال الفكر والدعوة في الإسلام" الجزء ١، صـ١٥١-١٨١.

(٢) یوسف عبد اللہ القرضاوی ١٣٤٥ھ/ ١٩٢٦ء میں مصر کے مغربی صوبہ کے گاؤں صفط تراب میں پیدا ہوئے۔ "جامعۃ الازہر" قاہرہ میں تعلیم پائی، حافظ وعالم، شاعر، مفکر، تجدُدپسند، داعئ اجتہاد، اِخوان المسلمین سے وابستہ رہے، اور ١٩٤٩ء/ ١٣٦٨ھ، پھر ١٩٦١ء/ ١٣٨٠ھ میں حکومتِ مصر نے قید رکھا، تب آخر الذکر برس قطر کی طرف ہجرت کی، اور ١٩٦٩ء/ ١٣٨٩ھ میں وہاں کی شہریت ملی، شریعت کالج دَوحہ قطر کے بانی رُکن پھر صدر رہے۔ فتوی کے اِجراء میں آسانی وسہولت کے متلاشی، تقارُب بینَ المذاہب الاسلامیہ اور مکالمہ بینَ الاَدیان کے داعی، فسلطین میں فدائی حملوں کے مؤیِّد، الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے صدر، ریڈیو قطر والجزیرہ ٹیلی ویژن چینل وغیرہ کے دینی پروگراموں میں تسلسل سے شریک ہوتے، سَو سے زائد تصنیفات میں "زواج المسیار" وغیرہ کتب بھی ہیں۔ ایک مشہور تصنیف "الحلال والحرام فی الاسلام" کا اردو ترجمہ ہوا، نیز ڈاکٹر جمیلہ شوکت نے اس کے مطالعہ پر پنجاب یونیورسٹی سے ایم فل کیا۔ دوسری اہم کتاب "فقہ الزکاۃ" کا بھی ترجمہ شائع ہوا۔ آپ ١٩٦٩ء/ ١٣٨٩ھ میں پہلی بار پاکستان کے شہر لاہور آئے، ٦ ستمبر ٢٠٢٢ء/ ١٤٤٤ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ ("عربی میں ردّ قادیانیت ایک تاریخی جائزہ" ص٤٠٩۔ و"تحقیقاتِ اسلامیات" ص٤٠٧۔ و"علماء ومفكّرين عرفتُهم" ١/ ٤٦١-٤٩٠. و"أسانيد المصريين" صـ٨٠٠-٨٠٣. و"يوسف القرضاوي فقيه الدُعاة وداعية الفقهاء")

وابستہ رہے۔ ان سے علی میاں کے گہرے روابط استوار ہوئے، حتیٰ کہ ڈاکٹر قرضاوی نے ان کے اَحوال پر مستقل کتاب لکھی[۱]۔ چنانچہ سیّد قُطب مصری، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی وغیرہ سے روابط کے باعث، علی میاں ندوی عرب دنیا کی سیاسی اسلامی جماعتوں "اِخوان المسلمین"، "جماعتِ اسلامی" مصر وغیرہ سے وابستگان کے ہاں پہچانے گئے (نیز "القاعدہ" جس نے انہی جماعتوں کے بطن سے جنم لیا) اور ڈاکٹر احمد امین جیسے ادیب سے تعلق، اور پھر ادبی موضوعات پر عربی مضامین، نیز * "مختارات مِن أدب العرب" * "نظرات في الأدب" نامی کتب، اور اپنے عمومی اُسلوب کے باعث عرب دنیا کے ادبی حلقوں نے ان کو اپنے ہی قبیلہ کا فرد جانا!![۲]۔

امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، مولانا رُوم اور شیخ احمد فاروقی سرہَندی، کی سیرت پر

ابوالحسن ندوی کا دِمشق یونیورسٹی میں لیکچر اوران تصنیفات کا ذکر جو عرب دنیا سے شائع ہوئیں

دِمشق یونیورسٹی میں جو لیکچرز دیے تھے، ان میں آخری موضوع * امام الصُوفیہ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی (وفات ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) کی حیات وخدمات پر تھا، * پھر مولانا جلال الدین رُومی (وفات ۶۷۲ھ/

---

(۱) "الشيخ أبو الحسن الندوي كما عرفتُه" ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ۲۲۰ صفحات پر مشتمل، دار القلم دِمشق ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ میں شائع ہوئی۔

(۲) "نزہۃ الخواطر کا علمی و تحقیقی جائزہ" "ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷۰،۷۱۔

۱۲۷۳ء) کے اَحوال قلم بند کیے[۱]۔ بعد ازاں شیخ سیّد محی الدین عبد القادر بن موسی جیلانی حسنی بغدادی (وفات ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) کے حالات پر مستقل عربی کتاب ❋ "الإمام عبد القادر الجیلاني" نیز امام ربّانی شیخ احمد بن عبد الاَحد فاروقی سرہَندی (وفات ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۵ء) کی خدمات پر کتاب ❋ "الإمام السَرهَندي حیاتُه وأعمالُه" تصنیف کیں، جو عرب دنیا سے شائع ہوئیں۔

اور یہ چاروں اکابر عرب وعجم کے سوادِ اَعظم اہلِ سنّت وجماعت کے ہاں ائمہ کا درجہ رکھتے ہیں، جبکہ امام غزالی کے اَحوال وآثار پر شام ومصر میں خاصا کام ہوا، اور ان سے متعلق لیکچر، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے عرب عوام ومحققین، نیز مستشرقین کی نظر میں آیا۔ اِدھر شام، عراق، ترکی میں مولانا جلال الدین رُومی سے منسوب سلسلہ "مَولویہ" رائج ومقبول ہے، لہذا ان کی شخصیت پر علی میاں کی عربی تحریر اس سلسلہ سے وابستگان تک پہنچی۔ اور شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی سے منسوب قادریہ سلسلہ دنیا کے ہر کونے میں رائج ہے، نیز شام وعراق میں ان کی نسل موجود ہے، اور ان کے اَحوال وآثار پر تحریریں، اس سے متعلق عوام نیز مؤرّخین کی ضرورت ٹھہریں! اُدھر امام ربّانی سے منسوب نقشبندیہ مجددیّہ سلسلہ سے وابستگان حجازِ مقدّس، شام وعراق اور مصر وترکی میں بڑی تعداد میں ہیں، یوں ان پر لکھی گئی کتاب کی وجہ سے علی میاں ندوی وہاں کے نقشبندی حلقوں میں مقبول ہوئے[۲]۔

---

(۱) "رجال الفکر والدعوة في الإسلام" الجزء ۱، صـ۲۲۳-۲۸۷.

(۲) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" "ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷۱، ۷۲۔

شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی، ڈاکٹر اقبال، ابوالحسن ندوی اور علمائے عرب

مزید یہ کہ محدِّثِ ہند شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی (وفات ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے اَحوال پر عربی کتاب ❋ "الإمام الدهلوي" لکھی، اور شاعرِ اسلام و مفکرِ پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال (وفات ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) کی شخصیت پر پہلے ❋ "شاعر الإسلام الدكتور محمد إقبال" ❋ پھر "روائعِ اقبال" لکھیں جو شائع ہوئیں۔ شاہ ولی اللہ کی شخصیت عرب دنیا میں دو وجہ سے جانی جاتی ہے: **ایک** اپنی تصانیف: "إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" اور "حجّة الله البالغة" وغیرہ کی بنا پر، جبکہ **دوسری** وجہ ان کا مُسنِدِ ہند اور علمِ روایت واِسناد میں باکمال ہونا ہے۔ اور قاہرہ میں اقبال دوست اُدباء ومفکرین کی تنظیم قائم ہے، نیز عرب ممالک میں اقبال شناس حلقہ موجود ہے، چنانچہ خطۂ پاک وہند کی ان دو معروف شخصیات پر تصانیف کے سبب علی میاں کی رَسائی ان حلقوں تک ہوئی[1]۔

ابن تیمیہ، ابوالحسن ندوی اور اہلِ نجد

وہابی فکر کے امام شیخ احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (وفات ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) کے اَفکار ومعتقَدات پر بھی ❋ مستقل کتاب لکھی، جس باعث ان کے مقلّدین ومعتقدین، بالخصوص اہلِ نجد کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے!![2]۔

---

(۱) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۲۷۔
(۲) ایضًا۔

مسئلۂ فلسطین اور ابوالحسن ندوی

ابو الحسن علی میاں ندوی کی مزید عربی تصانیف میں سے * "صلاح الدِّين الأيّوبي البطل الناصر لِدِين الله" * "أمريكا وأوروبا وإسرائيل" * "المأساة الفلسطينيّة في بيروت" * اور "المسلمون وقضية فلسطين" نامی کتب مسئلۂ فلسطین میں فعّال اَفراد اور جماعتوں کے ہاں مقبول ہوئیں۔

صحابۂ کرام -علیہم الرضوان- کے حالات پر علی میاں کی محض ایک کتاب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں * "المرتضی" نام سے چھپی، اور یہ عراق، لُبنان، سعودی عرب وغیرہ کے شیعہ نیز تفضیلیہ، اور ملکِ شام کے نصَیریّہ فرقہ، نیز علَوی النَسب اَفراد کا خاص اور پسندیدہ موضوع ہے!!۔

بچوں کے لیے * "القراءةُ الراشدة" للأطفال، * "قصص من التاريخ الإسلامي" للأطفال، * "قصص النّبيين" للأطفال نامی کتب لکھیں۔

اُردن ویمن گئے تو سفرنامہ * "نفحات الإيمان بين صَنعاء وعَمّان" قلم بند کیا، اور مُرّاکش کا سفرنامہ * "أسبوعَان في المغرب الأقصَى" نام سے ہے، جن میں ان ممالک کی شخصیات واَحوال تحریر کیے، علاوہ اَزیں مختلف عرب ممالک کے عوام وحکّام سے خطاب تحریر کیے، چنانچہ اہلِ کویت کے بارے میں * "اسمعِي يا زهرةَ الصحراء" اہلِ شام کے متعلق * "اسمعِي يا سورية" اور اہلِ مصر سے * "اسمعِي يا مصر" میں مُخاطِب ہوئے۔ پھر عرب عوام وقیادت کے بارے میں حسبِ ذیل کتب لکھیں:

❋ "أحاديث صريحة مع إخواننا العرب والمسلمين" ❋ "بين العرب وجزيرة العرب" ❋ و"العرب والإسلام" ❋ "كيف دخل العرب التاريخ" ❋ "كيف يستعيد العربُ مكانتَهم اللائقةَ بهم، وكيف يحافظون عليها؟" ❋ "كيف ينظرون المسلمون إلى الحجاز والجزيرة العرب" ❋ "مستقبل الإمامة العربية الإسلامية بعد حرب خليج".

مذکورہ بالا عربی کتب رائے بریلی لکھنؤ، کراچی، لاہور، بیروت، دِمشق، حَلَب، قاہرہ، ورُباط سے شائع ہوئیں، نیز بعض کی اِشاعت کا اہتمام رابطہ عالَمِ اسلامی اور رابطۃالاَدب الاسلامی العالمیہ نے کیا[۱]۔

عرب ممالک سے روابط، ابوالحسن ندوی اور ندوۃ العلماء

ابوالحسن ندوی نے بیرونی دنیا بالخصوص عرب ممالک سے روابط بڑھانے کی ایک اَور راہ یہ نکالی، کہ ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۵ھ میں "دارالعلوم ندوۃ العلماء" کے قیام پر پچاسی۸۵ برس مکمل ہونے پر، لکھنو میں عالمگیر جشن کا اہتمام کیا، جس میں عرب دنیا اور دیگر ممالک کے مشہور علماء ومفکرین کو مدعو کیا، اور ان کے استقبال وقیام کا اعلی اہتمام کیا۔

علاوہ اَزیں ابو الحسن ندوی عرب ممالک میں "مُسنِد" کے طَور پر جانے گئے، اور علمِ روایت واِسناد سے لگاؤ رکھنے والے علماء وطلباء نے، مختلف مواقع پر علی میاں ندوی سے روایت کی اجازت حاصل کی۔

(۱) ایضاً صـ۳۷۔

ان اعمال وافعال کے نتیجہ میں ان کی شخصیت کو عالمگیر شہرت ومقبولیت ملی، اور وہ ایک مفکر، مصلح، مدرِّس، مُسنِد، اور عربی زبان کے اہم ادیب کے طَور پر جانے گئے۔ عرب دنیا میں ان کا مُوازنہ وتقابُل اپنے دَور کے مشہور عرب اُدباء و مفکرین: ڈاکٹر طه بن حسین (وفات ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء)، ڈاکٹر احمد امین، سیّد قُطب، اور اِصلاح وتجدید کے پہلو سے مفتی محمد عبدہ مصری (وفات ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) سے کیا جانے لگا[۱]۔

ابوالحسن ندوی کا صلح کُل روِیہ اور عرب دنیا

اس صلحِ کُل روِیہ و منہج کی بنا پر وہ عرب دنیا کے طبقۂ اُدباء میں نمایاں ادیب، اور اہلِ سنّت وصُوفیہ کی مجالس میں اہم سنّی عالِم وصُوفی، اُدھر وہابی حلقوں میں معتمَدِ خاص وخطۂ ہند پر نمائندہ تصوُر کیے گئے۔ دیگر عرب حکومتوں نے بھی پذیرائی بخشی، سرکاری علمی اداروں کی رُکنیت نیز اعلی انعامات سے نوازا۔ یہ ابو الحسن علی میاں ندوی کی شخصیت واَفکار کا **ایک رُخ** تھا![۲]۔

ابوالحسن ندوی اور جماعتِ اسلامی

اب **دوسرا رُخ** ملاحظہ ہو! جماعتِ اسلامی سے الگ ہونے کے بعد اس کے بانی اور کارکنان سے تعلقات استوار رکھے، اور عرصہ بعد مَودودی صاحب اور سیّد قُطب مصری کے سیاسی اُمور میں منہج وفکر سے اختلاف، اور اپنے مَوقِف کے بیان پر کتاب ❋ "التفسير السياسي للإسلام في مرآة

(۱) ایضاً ص۷۴۔
(۲) ایضاً ص۷۴۔

كتابات الأستاذ أبي الأعلى المودودي وسيّد قُطب" لکھی، جو پہلی بار مَودودی صاحب کی وفات سے چند ماہ قبل ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۸ء میں چھپی، جس کے جواب میں جماعتِ اسلامی ہند کے نائب امیر وجماعت کے ترجمان رسالہ "زندگی" کے ایڈیٹر، سیّد احمد عُروج قادری (وفات ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء) نے اُردو کتاب لکھی، جسے عبدالحسیب اِصلاحی نے عربی میں ڈھالا، اور یہ "التفسير الحقيقي للإسلام، مُقارَنة بين آراء المودودي والندوي" نام سے ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ھ میں مکتبہ المنہل جدّہ نے ۱۲۲ صفحات، پھر دار الجامعۃ الاسلامیۃ کیرالا نے ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء میں ۱۴۲ صفحات پر شائع کی[۱]۔

سعودی عرب اور ابوالحسن ندوی کی کتاب پر پابندی

قبل اَزیں سعودی عرب کے سرکاری تبلیغی ادارہ نے، حضرت مجدّد اَلف ثانی کے اَحوال پر، علی میاں ندوی کی تصنیف "الإمام السَرهَندي، حياته وأعماله" کی خرید وفروخت اور اِشاعت پر پابندی عائد کر دی[۲]۔

خطۂ نجد اور کویت میں ابوالحسن ندوی کا صلحِ کُل روِیہ بے نقاب ہوا

خطۂ نجد کے عالم وقاضی، شیخ حَمود بن عبد اللہ تویجری (وفات ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء) نے "القول البلیغ" تالیف کی، تو چند صفحات پر ابوالحسن ندوی کے صلحِ کُل روِیہ کو وہابیہ پر بے نقاب کیا[۳]۔

---

(۱) ایضاً ص۷۴، ۷۵۔
(۲) ایضاً ص۷۵۔
(۳) "القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ" ص۱۳۷-۱۵۰.

کویت میں مقیم ہندوستان کے غیر مقلّد عالم، صلاح الدین مقبول احمد گونڈوی (پیدائش ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵٦ء) نے تو ان کی شخصیت واَفکار کے دوسرے رُخ پر ضخیم عربی کتاب لکھ دی، جو پہلی بار ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء میں "غراس للنشر" کویت نے "الأستاذ أبو الحسن الندوي، الوجه الآخَر من کتاباته" نام سے ۷۴۰ صفحات پر شائع کی[1]۔

ابوالحسن ندوی "تقویۃ الایمان" اور ندوۃ العلماء

محدِّث ومُسنِد ہند شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے، اسماعیل بن عبد الغنی دہلوی کی اردو تصنیف "تقویۃ الایمان" کا موضوع، اور اُسلوب واندازِ بیان اہلِ علم پر خفی نہیں، یہاں فقط مصنِّف کے چچا زاد بھائی مولانا مخصوص اللہ ابن شاہ رفیع الدین دہلوی (وفات ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) کی رائے ذکر کرنا کافی ہوگا، جنہوں نے "تقویۃ الایمان" کو "ف" کے ساتھ "تفویۃ الایمان" قرار دیا[2]۔

ندوۃ العلماء کے قیام کی وُجوہات میں سے ایک اہم وجہ وسبب، اسلامیانِ ہند کے درمیان اتحاد ویگانگت، نیز اختلافات کی حدّت کو کم کرنا تھا، لیکن یہ ادارہ علی میاں ندوی کے ہاتھ آیا، تو "تقویۃ الایمان" اس کے مرکز، نیز اندرونِ ہندودیگر ممالک میں اس کے تحت مدارس کے نصاب میں شامل کی گئی[3]۔

---

(۱) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷۵۔
(۲) "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" ص۵۰، ۱۰۱۔ و"انوارِ آفتابِ صداقت" ص۶۱۸۔
(۳) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷٦۔

شاہ ابوالحسن زَید فاروقی مجدّدی کی "تقویۃ الایمان" کے بارے میں رائے

دہلی کے مشہور عالم ونقشبندی مرشِد کبیر: شاہ ابوالحسن زَید فاروقی مجدِّدی (وفات ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء) جنھوں نے جامعہ اَزہر قاہرہ میں اکابر علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی، پھر اُردو، فارسی، عربی میں متعدّد کتب یادگار چھوڑیں۔"تقویۃ الایمان" کے متعلق ان کی رائے یہ ہے:

"اگر رسالہ "تقویۃ الایمان" کا صحیح ترجمہ عربی میں کیا جائے، اور عرب ممالک کو بھیجا جائے، بجز نجدیوں کے کوئی اس کی حمایت نہیں کرے گا"(۱)۔

اِدھر زکریا کاندھلوی دیوبندی (وفات ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) کی تحریک پر ابوالحسن علی میاں ندوی نے ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں "تقویۃ الایمان" کا عربی ترجمہ کیا، جو اُن کی زندگی میں ہندوستان سے شائع کیا گیا۔

بعد میں اس ترجمہ کو شئوون الاِسلامیہ والاَوقاف والدعوۃ والاِرشاد کے تحت سعودی عرب سے، سرکاری طَور پر ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء میں "رسالۃ التوحید" کے نام سے شائع اور مفت تقسیم کیا گیا۔

مترِجم علی میاں کی وفات کے بعد حیدر آباد دکن کے عبد الماجد غوری ندوی (پیدائش ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) نے اس پر تحقیق انجام دی، اور یہ مروجہ نئے انداز میں "دار وحی القلم" دِمشق نے پہلی بار ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء میں "رسالۃ التوحید" المسمّٰی "تقویۃ الایمان" نام سے ۱۹۲ صفحات پر شائع کی(۲)۔

---

(۱) "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" ص۱۰۳۔
(۲) "نزہۃ الخواطر کا علمی و تحقیقی جائزہ" "ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷۶، ۷۷۔

مولانا ابو مالک انس کی "تقویۃ الایمان" کے بارے میں رائے

اس ترجمہ کے بارے میں مولانا ابو مالک انَس کی عربی تحریر "الفرق بين التوحيد للدهلوي (ترجمة النَدوي) وكتاب ابن عبد الوهّاب" عنوان سے ان دنوں انٹرنیٹ پر ہے، جن کے بقول "دہلوی کی کتاب کا ترجمہ "التوحید" اور ابن عبدالوہّاب کی "کتاب التوحید" میں قطعًا کوئی فرق نہیں، محض یہ کہ شدّت وتکفیر پر مبنی اُردو عبارات کو ابوالحسن ندوی نے ترجمہ میں علمی انداز واُسلوب اور نرم الفاظ میں بیان کیا، لیکن موضوعات اور مَوقِف میں کوئی بنیادی فرق نہیں، اور بے شک ابوالحسن ندوی ایک اہم مبلّغ اور سوانح نگار تھے، لیکن عقیدہ جیسے حسّاس مُعاملہ میں قابلِ اعتماد نہیں"[۱]۔

ڈاکٹر جبریل حدّاد صالحی نقشبندی اور "تقویۃ الایمان" کے عربی ترجمہ کا رَد

اِدھر دِمشق میں مقیم ڈاکٹر جبریل حدّاد صالحی نقشبندی (پیدائش ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء) نے "تقویۃ الایمان" کے عربی ترجمہ کا رَد عربی وانگریزی زبانوں میں لکھا ہے[۲]۔

ملکِ شام کے علمی حلقوں میں "تقویۃ الایمان" کی ناپسندیدگی

ہندوستان کے باشندہ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (پیدائش ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۴ء) مقیم برطانیہ، ۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۶ھ میں ملکِ شام کے دَورہ پر گئے، تو سفر نامہ عربی

---

(۱) www.cb.rayaheen.net

(۲) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، صـ۷۷ بحوالہ "معارفِ رضا" سالنامہ ۲۰۰۸، صـ۱۱۰، ۱۱۱۔

میں طبع کرایا، جس میں بتایا کہ "رسالۃ التوحید" کی شام سے اِشاعت اور اس کے مندرِجات پر آگاہ ہونے پر، شام کے بعض علمی حلقوں کو یہ کتاب پسند نہیں آئی، ڈاکٹر اکرم ندوی کے الفاظ یہ ہیں: "لم يُعجِب هذا الكتابُ بعضَ الدوائر العلميّة في هذه البلاد"[۱].

ابوالحسن ندوی ابو عثمان کویتی وہابی کی نظر میں

علاوہ اَزیں ابو عثمان کویتی نامی کسی وہابی کی عربی تحریر، حسب ذیل ویب سائٹ پر "أبو الحسن الندوي والوجه الآخَر من كتاباته" عنوان سے ہے، جس میں یہ لکھا:

"ابو الحسن ندوی نے اہلِ بدعت کے خلاف لکھی گئی "تقویۃ الایمان" جیسی اہم کتاب کا عربی ترجمہ کیا، لیکن عقیدہ کے میدان میں خود ابو الحسن ندوی کی تحریروں میں اِضطراب وتناقُض کی کیفیت نمایاں ہے، علاوہ اَزیں شیخ ابن تیمیہ پر ان کی اُردو تصنیف کو سعید الرحمن اعظمی نے عربی میں منتقل کیا تھا، لیکن اس کی عربی اِشاعت کے مندرِجات، اصل اُردو کتاب کے مندرِجات سے مختلف ہیں"[۲]۔

ابوالحسن ندوی کی ایک اَور کارگزاری

"نزہۃ الخواطر" کے تصنیفی عمل کو مکمل کرنے والے علی میاں کے دَورِ نظامت کی ایک اَور کارروائی بھی قابل ذکر ہے، چنانچہ "ندوۃ العلماء"

(۱) "أيّام في بلاد الشام" صـ۲۸، ۲۹.

(۲) www.dd.sunnah.net

سے فراغت کے بعد ایک طالب علم نظام الدین بن عبد الرحمن، اعلی تعلیم کے لیے لکھنؤ سے سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض بھیجے گئے، جہاں کی ابن سعود یونیورسٹی سے "البَرَیلویة تاریخُها عقائدُها ودَورُها في مسلمِي الهند" عنوان پر ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی (پیدائش ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء) نیز ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی (پیدائش ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء) کی نگرانی میں، ۲۷۸ صفحات کے مقالہ پر ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں ایم فل کیا، پھر ایک منصوبہ کے تحت یہ مقالہ فَوری طَور پر پاکستان کے غیر مقلّد اِحسان الٰہی ظہیر (وفات ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) تک پہنچایا گیا، جنھوں نے اس کے مندرِجات کو اپنے الفاظ میں منتقل کیا، اور نظام الدین ندوی کو ایم فل کی سند کے اِجراء کے محض چند ماہ بعد ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء کے آغاز میں، احسان الٰہی ظہیر کی تصنیف کے طَور پر "البَرَیلویة، عقائد وتاریخ" نام سے شائع کی گئی، جس کی کتابت وطباعت کا اہتمام مدینہ منوّرہ میں مقیم دیوبندی گروہ نے کیا، اور سعودی عرب کے سرکاری تبلیغی ادارہ نے، اسے ہزاروں کی تعداد میں خرید کر عرب وعجم میں مفت تقسیم کیا[1]۔

"فتاوی الحرمَین برَجف ندوة المین"
اور تحریک اصلاح ندوۃ العلماء

تحریک اِصلاح ندوۃ العلماء کے ضمن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں ایک عربی کتاب "فتاوی الحرمَین برَجفِ ندوةِ

---

(۱) "نزہۃ الخواطر کا علمی وتحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام ومزاج، ص۷۸۔

المین" تالیف و مرتَّب کی تھی، رضا اکیڈمی لاہور کے بانی رُکن محقق و عالمی مبلغ، مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری (وفات ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) کی تحریک و اہتمام سے، استنبول میں واقع شیخ حسین علمی ایشیق حنفی نقشبندی مجدِّدی (وفات ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء) کے قائم کردہ، عالَمِ اسلام کے مشہور تبلیغی واِشاعتی ادارہ نے "فتاوی الحرمَین برجف ندوۃ المین" کا عربی متن طبع کرا کے، دنیا بھر میں حسب معمول بلامُعاوضہ تقسیم کیا[۱]، یہ اِشاعت علی میاں ندوی کو ناگوار گزری، چنانچہ شیخ حسین علمی ایشیق کو ایک خط استنبول روانہ کیا، جس میں اس نَوع کی کوششوں کو ماضی کا حصہ قرار دیا۔ شیخ حسین علمی نے یہ خط حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ملاحظہ کے لیے استنبول سے لاہور روانہ کر دیا[۲]۔

ابوالحسن ندوی کی دو قومی نظریہ کی مخالفت

علی میاں ندوی اڑتیس۳۸ برس تک "دارالعلوم ندوۃ العلماء" لکھنو کے ناظم و سرپرست اعلی رہے، اور شاعرِ اسلام و مفکرِ پاکستان علّامہ محمد اقبال کی شاعری پر عرب دنیا میں خطاب کیا، نیز عربی میں مستقل کتاب لکھی جس کا ذکر گزر چکا، لیکن انہیں علّامہ اقبال کے سیاسی اَفکار سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ دو قومی نظریہ، نیز قیامِ پاکستان کے بارے میں اپنے استاذ حسین احمد فیض آبادی

---

(۱) ہماری معلومات کے مطابق استنبول ترکی سے "فتاوی الحرمین" کی اب تک تقریبًا۳بار اِشاعت ہو چکی ہے، پہلی بار سن ۱۹۷۷ء/ ۱۳۹۷ھ، ابو الحسن علی ندوی کے دَور میں، دوسری بار ۱۹۹۳ء/ ۱۴۱۴ھ اور تیسری بار ۲۰۱۹ء/ ۱۴۴۱ھ میں۔

(۲) "نزہۃ الخواطر کا علمی و تحقیقی جائزہ" ندوۃ العلماء کا قیام و مزاج، ص۷۹۔

(ٹانڈوی) دیوبندی کے مَوقِف کے بھرپور مؤیّد تھے، جس کا "في مسيرة الحياة" میں انہوں نے خود ذکر کیا[1]۔

جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا کہ کس طرح ابو الحسن ندوی نے عرب دنیا میں اپنے تعلقات استوار کیے، اور ان تعلقات کی بنیاد پر عرب دنیا کو اپنے عقائد ونظریات کے پرچار کی غرض سے استعمال کیا، یہاں تک کہ مملکت سعودیہ عربیہ سے اس قدر گہرے تعلقات قائم کیے، کہ اس کی جانب سے فنڈنگ کا سلسلہ بھی شروع ہوا، ساتھ ہی دیگر عرب ممالک کی جانب سے بھی فنڈنگ کا سلسلہ چلتا رہا!!۔

سعودی عرب کی جانب سے دار العلوم دیوبند کو دس لاکھ ڈالر کی اِمداد اور ابو الحسن ندوی کی مصالحت

ندوہ کی اہلِ سنّت مخالف سرگرمیوں میں، کافی حد تک تعلق سعودی عرب کا بھی رہا، جس کی جانب سے فرقہ واریت کے فروغ اور وہابی اِزم اور دیوبندیت کے پرچار کے لیے، دس لاکھ ڈالر کی اِمداد دار العلوم دیوبند کو دی گئی، جس کی تقسیم میں دار العلوم دیوبند میں اُس وقت کی انتظامیہ اور جمعیت علمائے ہند کے سربراہ شیخ اَسد مدنی کے درمیان تنازع پیدا ہوا، اس کے تصفیہ کے لیے سعودی عرب سے ایک وفد شیخ اسماعیل بن سعد بن عتیق کی سربراہی میں ہندوستان آیا، شیخ اسماعیل نے لکھنؤ میں ابو الحسن ندوی سے ملاقات، اور اس تنازع کے حل میں مشاوَرت کی، جس کی مکمل تفصیل شیخ اسماعیل کی زبانی ذکر کی جاتی ہے:

"سن ۱۴۰۲ ہجری (۱۹۸۱ عیسوی) میں میں نے ہندوستان کا رُخ کیا، اور یہ میرا پہلا سفر نہیں تھا، میرا ہندوستان کا پہلا سفر ۱۳۸۳ ہجری (۱۹۶۴

---

(۱) "في مسيرة الحياة" ۱/ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۵۱.

عیسوی) میں ہوا تھا، لیکن یہ سفر معروف بینَ الاَقوامی "جامعہ دیوبند" کے حوالے سے ایک تنازعہ کے طَور پر تھا، جو اس دارالعلوم کے بانی شیخ محمد الطیّب کے بیٹوں، اور ہندوستان میں جمیعت علمائے دیوبند (جس کے سربراہ شیخ اَسد مدنی تھے) کے درمیان تھا، میں نے ان کو صورتِ حال کی تحقیق، اور اس کے حل کی تجاویز کے لیے ریاست کی طرف سے کچھ علمی نِکات بھیجے؛ کیونکہ یہ تنازع مملکت سعودی عرب کی فراخ دلانہ مالی اِمداد کا نتیجہ تھا، جو کہ ایک ملین ڈالر تھے، جو ڈاکٹر عبداللہ الترکی نے شیخ محمد الطیّب کے بیٹوں کے حوالے کیے، اس لیے اس کے مخالفین نے شیخ کے وُرثاء سے کہا کہ یونیورسٹی مسلمانوں کی عوامی سِول سوسائٹی (Civil Society) کی انجمن ہے، نہ کہ شیخ محمد الطیّب کے بیٹوں کی۔

پھر میں لکھنؤ گیا جہاں شیخ علی میاں ابو الحسن ندوی رہتے ہیں، اور انہیں مشن کے بارے میں بتایا، میں نے ان سے تسلّی بخش منصوبہ کے بارے میں مشورہ کیا، اور علی میاں نے اچھا مشورہ دیا، چنانچہ میں دیوبند گیا اور شیخ محمد الطیّب کے بیٹوں سے ملا، اور میں نے ان لوگوں سے بھی ملاقات کی جنھوں نے ان کی مخالفت کی تھی، اور ہم نے کچھ نِکات پر اتفاق کیا، جو درج کر کے مَجاز اتھارٹی کو پیش کر دیے گئے تھے، میں ابوالحسن ندوی کے پاس تین دن رہا، میں [شیخ اسماعیل] ۲۰ دن بعد ہندوستان سے واپس آیا، اپنے ساتھ ان تمام چیزوں کے بارے میں معلومات لے کر آیا، جو میں نے دیکھی اور تلاش کیں"[1]۔

شوّال ۱۳۹۵ھ/ اکتوبر ۱۹۷۵ء ندوۃ العلماء کے پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی

---

(۱) "أعلام وعلماء عايشتهم" صـ٤٦-٤٨.

کے موقع پر، ۴ روزہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا، یہ جشن ایک بار پھر اُسی پرانی طرز کو دُہراتے ہوئے منایا گیا جو قیامِ ندوۃ کے وقت تھی، کہ اِصلاح نصاب وغیرہ، اس جلسہ میں بھی عرب دنیا سمیت دنیا بھر کے مکاتبِ فکر کے علماء ومشایخ، مفکرین ودانشوروں کو مدعو کیا گیا۔

شیخ الاَزہر اس جلسہ کے صدر مقرّر ہوئے، شاہ خالد نے اپنی مصروفیات کی بناء پر خود شرکت سے معذرت کی، اور اپنی نمائندگی کے طَور پر سعودی سفیر متعیّن ہند، شیخ یوسف الفوزان کو مقرّر کیا، اسی طرح شیخ صالح قزاز جنرل سیکریٹری رابطۂ عالَم اسلامی، حرم شریف کے اُمورِ دِینیہ کے نگرانِ اعلی، وزارتِ تعلیم الجزائر، سعودی عرب کے وزیر تعلیم شیخ حسن عبداللہ[1] آل الشیخ[2]، قطر وکویت وشام اور افریقہ کی ممتاز نامور

---

(۱) حسن بن عبد اللہ بن حسن بن حسین بن علی بن حسین بن محمد بن عبد الوہاب، ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے، مکّہ مکرمہ میں اپنے والد کے گھر پرورش پائی، ابتدائی تعلیم مدرسہ رحمانیہ مکہ مکرمہ میں حاصل کی، ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء میں مکہ کے کالج آف شریعہ میں داخلہ لیا، اور وہاں سے ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے، مکّہ مکرمہ میں سعودی سائنسی انسٹیٹیوٹ سے گریجویشن کیا، کئی اہم عہدوں پر فائز رہے، جن میں ڈپٹی چیف جسٹس، وزیر تعلیم، وزیر صحت وغیرہ بھی ہیں۔ تصانیف میں: "كرامة الفرد في الإسلام"، "دَورنا في الكفاح"، "معاملة الإسلام للمرأة"، "التنظيم القَضائي في المملكة العربية السعودية"، "خواطر جرئية"، "خواطر على الطريق الطويل" ہیں۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۱۵ جُمادَی الاُولی ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء کو دل کا دَورہ پڑنے سے موت واقع ہوئی۔ ("علماء نجد خلال ثمانية قرون" ۹۹ - الشيخ حسن بن عبد الله ...إلخ، ۲/ ٤٠-٤٤، ملتقطاً).

(۲) **آل الشیخ:** سعودیہ کا معروف مذہبی خاندان ہے، یہ خاندان محمد بن عبد الوہاب نجدی کی اَولاد پر مشتمل ہے۔ (آل الشیخ/https://ur.wikipedia.org/wiki).

شخصیات نے شرکت کی، نیز شیخ عبد العزیز بن باز نے اس جلسہ میں شرکت تو نہیں کی، لیکن اپنا ایک تہنیتی مکتوب اور گرانٹ ضرور بھیجا، جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی میں بیرونی مندوبین کی فہرست

سعودیہ

(۱) شیخ یوسف الفوزان (سفیر سعودی عرب متعیّن ہند)

(۲) شیخ ابراہیم انجی (سیکریٹری وزارت تعلیم)

(۳) ڈاکٹر عبد العزیز الفدا (وائس چانسلر ریاض یونیورسٹی)

(۴) شیخ محمد بن صالح العمیل (وزارت تعلیم)

(۵) شیخ عبد الرحمن بن عبد اللہ العبدان (وزارت تعلیم)

(۶) ڈاکٹر ابراہیم عباس نتو (وزارت تعلیم)

(۷) شیخ سعد عبد الرحمن الحصین (ڈائیرکٹر سکینڈری ایجوکیشن وزارت تعلیم)

(۸) شیخ عبد الفتّاح ابو غُدّہ (استاذ شریعت اسلامی امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض)

(۹) شیخ عبد الکریم الملاحم (استاذ شریعت اسلامی امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض)

(۱۰) شیخ عبد اللہ الزائد (استاذ شریعت اسلامی امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض)

(۱۱) ڈاکٹر محمد علوی مالکی (استاذ عبد العزیز یونیورسٹی جدّہ وحرم مکّی، نمائندہ رابطۂ عالمِ اسلامی)

(۱۲)استاذ محمد محمود الحافظ (ایڈیٹر ہفتہ وار اَخبار العالَم الاسلامی)

(۱۳) شیخ محمد ناصر العبودی (جنزل سیکریٹری شعبۂ اُمور الدعوۃ الاسلامیۃ)

(۱۴) استاذ محسن احمد باروم (سابق ڈائیرکٹر وزارت تعلیم ومدیر "دار الشروق" جدّہ)

(۱۵) شیخ ابو بکر جابر الجزائری (استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ)

(۱۶)شیخ حمّاد انصاری (استاذ جامعۂ اسلامیہ مدینہ منوّرہ)

(۱۷)شیخ عبد الرحیم (استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ)

(۱۸) ڈاکٹر صالح مہدی السامرّائی (سابق پروفیسرز راحتی کالج ریاض، ورُکن خاص مرکز اسلامی جاپان)

(۱۵)ڈاکٹر محمد عبد القادر العروسی (استاذ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدّہ)

(۱۶) شیخ عبد اللہ زید(صدر شعبہ تعلیم عبد العزیز یونیورسٹی جدّہ)

(۱۷) استاذ علی اشرف(صدر شعبہ انگریزی، عبد العزیز یونیورسٹی جدّہ)

(۱۸)شیخ محمد مسعود رحمت اللہ (ناظم مدرسہ صَولتیہ مکّہ مکرّمہ)

(۱۹)شیخ ماجد سعید رحمت اللہ (رُکن وفد مدرسہ صَولتیہ مکّہ مکرمہ)

(۲۰) شیخ احمد سعید رحمت اللہ (رُکن مدرسہ صَولتیہ مکّہ مکرمہ)

متحدہ عرب امارات

(۱) شیخ احمد عبد العزیز آل مبارک (رئیس القُضاۃ ابو ظبی)

(۲) استاذ محمد مجوب (سیکریٹری رئیس القُضاۃ)

(۳) شیخ عبد اللہ العلی الحمود (مدیر عام اَوقاف واُمور دِینیہ شارقہ)

(۴) شیخ علی ریاض (مُعاوِن مشیر ثقافتی صدر متحدہ عرب امارات)

(۵) شیخ احمد محمد اسماعیل البیلی (قاضِی محکمہ شرعیّہ ابوظبی)

(٦) استاذ عدنان سعد الدین (وزارت تعلیم)

(۷) استاذ محمد المہدی (وزارت تعلیم)

(۸) استاذ سمیر عبد المطلب (نمائندہ خصوصی روزنامہ الِاتحاد ابوظبی)

قطر

(۱) ڈاکٹر یوسف قرضاوی (صدر کلیۃ التربیۃ، قطر)

(۲) شیخ عبد المعز عبد الستار (نگران اُمور شرعیّہ وزارت تعلیم)

کویت

(۱) شیخ عبد الرحمن الفارس (سیکریٹری وزارت انصاف، واَوقاف واُمور دِینیہ)

(۲) شیخ یوسف سیّد ہاشم الرفاعی (سابق وزیر حکومت کویت، وصدر "معہد الایمان")

(۳) شیخ یوسف جاسم ابجی (صدر "جمعیۃ الِاصلاح الاجتماعی")

(۴) شیخ عبد الرحمن راشد الولایتی (ایڈیٹر ہفتہ "روزہ البلاغ")

(۵) استاذ محمد حسنی زکی (نمائندہ مجلّۃ "العربي" وزارت اِعلام)

(٦) شیخ صالح آدم (نمائندہ مجلّۃ "العربي" وزارتِ اِعلام)

(۷) سیّد ابراہیم الحسنی (رُکن شعبہ اردو کویت ریڈیو اسٹیشن)

بحرین

(۱)استاذ عبد الرحمن علی الجودر (نمائندہ "نادی الاِصلاح" البحرین)

(۲)استاذ محمد نور عبداللہ مدنی (نمائندہ "نادی الاِصلاح" البحرین)

مصر

(۱)شیخ الاَزہر ڈاکٹر عبدالعلیم محمود

(۲)ڈاکٹر حسین الذَہبی (وزیر اَوقاف واُمور اَزہر)

(۳)شیخ عبدالجلیل عبدہُ شلبی (سیکریٹری جنرل مجمع البحوث الاِسلامیہ)

(۴)شیخ عبدالعزیز مجید (سیکریٹری وزیر اَوقاف)

(۵)شیخ عبداللہ احمد عبداللہ (پرنسپل کلیۃ اُصول الدین جامعہ اَزہر)

(۶)شیخ ابراہیم ابراہیم ابوالعیون (سیکریٹری اَزہر)

عراق

(۱) شیخ نوری الملّاحویش (معتمَد جمعیۃ رابطۃ العلماء بغداد)

(۲) شیخ ابراہیم منیر المدرِّس(رُکن معتمَد جمعیۃ رابطۃ العلماء بغداد)

(۳)شیخ یاسین منصور سعدی (رُکن معتمَد جمعیۃ رابطۃ العلماء بغداد)

(عراق کا وفد کچھ بعض قانونی دِقتوں کی وجہ سے کچھ تاخیر سے پہنچا)

شام

(۱)شیخ حسن حَبَنکہ (صدر رابطۃ العلماء دِمشق)

(۲)استاذ مُوفَّق (سکریٹری شیخ حسن)

اُردن

(۱) استاذ تیسیر ظبیان (صدر رابطۃ العلوم الاسلامیۃ وزارت اوقاف)

(۲) شیخ محمد ابراہیم شقرۃ (وزارت اوقاف)

الجزائر

(۱)شیخ احمد حمانی (صدر اعلی اسلامی کونسل الجزائر)

ایران

(۱) ڈاکٹر عباس مہاجرانی (ایڈیٹر ماہنامہ الفکر الاسلامی)

رُوس

(۱)شیخ شرف الدین محمود ف(نمائندہ اعلی اسلامی کونسل برائے اُمور مذہبی)

یوگنڈا

(۱)شیخ ابو الجاسر سلمان حمادہ (مبعوث حکومت لیبیا متعیّن یوگنڈا)

مشرقی افریقہ

(۱)شیخ اسمعیل سیدات (ماریشس)

ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء اور سعودی عرب

ابوالحسن ندوی نے اپنے مذہبی فکر و اعتقاد کو پروان چڑھانے کے لیے، دار العلوم ندوۃ العلماء کو ایک مکتبِ فکر کی نمائندگی کے زیرِ تسلُّط کیا، اور اس میں مملکت سعودیّہ عربیہ کا خصوصی تعاوُن رہا، چاہے وہ مالی طَور پر ہو، یا پھر اثر و رُسوخ کے اعتبار سے، جیسا کہ ۸۵ سالہ جشن تعلیمی میں شاہ خالد کا ایک مکتوب پڑھ کر سنایا گیا، جس میں انہوں نے لکھا کہ "اسلام کی خدمت اور اسلامی ثقافت کے اِحیاء کے لیے، آپ

(ابو الحسن ندوی) کی خدمات سے ہم بے خبر نہیں ہیں، اور ان کے تہِ دل سے قدرداں ہیں! ہم کثرتِ مَشاغل کی بناء پر خود آپ کے جشن میں شریک نہیں ہوسکتے، اس لیے اپنی نَیابت کے طَور پر اپنے سفیر متعیّن ہند کو وہاں بھیج رہے ہیں"۔

شیخ عبد العزیز بن باز صدر ادارۃ الدعوۃ الاسلامیۃ سعودی عرب کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا، جس میں انھوں نے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ "ایسے اجتماعات میں حاضری قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، خاص طَور پر اس صورت میں جہاں ایسے اہلِ حق اور علماء وزُہّاد سے ملنا نصیب ہو! میں ایک خاص وفد اس کے لیے ضرور بھیجوں گا"۔ اور ادارہ کی طرف سے پچاس ہزار رِیال عطیہ کا اعلان بھی کیا۔ مدینہ یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ محمد المجذوب نے اپنی طرف سے ۱۳۵ اسٹرلنگ پونڈ عطیہ کے طَور پر بھیجے۔

ان خاص روابط اور ایک خاص سوچ وفکر کے تعلق کا، اہلِ ندوہ کو خود اعتراف ہے کہ "مملکت سعودیہ عربیہ جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہے، جس سے ہمارے سب سے زیادہ گہرے روابط ہیں، اس کے سابق سفیر شیخ اَنس یوسف یاسین ہماری ایک عمارت کے سنگِ بنیاد میں شریک رہے"۔

نیز دار العلوم ندوۃ العلماء کے پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر، پنڈال تک پہنچنے کے لیے آنے والے مہمانوں کو، مختلف ناموں کے باب سے گزارنے کا اہتمام کیا گیا؛ تاکہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، ان ابواب کے ناموں سے بھی سعودی نوازی اور وہابی اَزم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؛ کہ کسی باب کو "فیصل بن سعود" کسی باب کو "فیصل شہید" کسی باب کو "محمد رشید رضا" سے موسوم کیا گیا۔

استعماری طاقتیں اور فرقہ واریت کا فروغ

فرقہ وارانہ اختلافات کو ہَوا دینا اِستعماری طاقتوں کا صدیوں پُرانا آزمودہ حربہ ہے، اِستعماری طاقتیں بڑی گہرائی اور باریکی سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور مسالک کے نظریات کا جائزہ لیتی ہیں، اور پھر مسلمانوں کا رُوپ دھار کر اختلافی اُمور کو ہَوا دیتی، اور ان کے مابین نفرت وعَداوت کے بیج بوتی ہیں۔ رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation) کی ایک رپورٹ (Report) میں یہ سفارش پیش کی گئی کہ "ہمیں مسلمانوں کے ایک مسلک کی حمایت کر کے، اسے دوسرے مسلک کے خلاف کھڑا کرنا ہے؛ تاکہ ہمارے حمایت یافتہ لوگ دوسرے مسلک کے خلاف فتوے جاری کر کے اُسے کمزور کریں"[۱]۔

ابھی چند سال قبل سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ (Washington Post) کو انٹرویو (Interview) دیتے ہوئے بذاتِ خود اس بات کا اعتراف کیا کہ "دنیا میں وہابیت کو فروغ دینے کے لیے ریاض (سعودی عرب) کی آمادگی (اور فنڈنگ) سرد جنگ کے دَور میں امریکی خواہش پر ہوئی، اور اس کا مقصد اسلامی ملکوں میں سابق سوویت یونین (Soviet Union) کے اثر ورُسوخ کو روکنا تھا"[۲]۔

اس اَمر کا اعتراف سابق امریکی وزیرِ خارجہ ہیلری کلنٹن (Hillary Clinton) نے بھی یہ کہتے ہوئے کیا کہ "جن لوگوں سے ہم آج لڑائی کر رہے ہیں،

---

(1) "Civil Democratic Islam" (Summary) Page: Xii.
(۲) "وہابیت کا فروغ امریکی خواہش پر ہوا" سعودی ولی عہد کا واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو، سحر ٹی وی ۲۶ مارچ ۲۰۱۸ء۔

۲۰ سال پہلے ہم نے خود انہیں پیدا کیا، اور ہم نے اس لیے ایسا کیا کہ ہم سوویَت یونین (Soviet Union) کے ساتھ سرد جنگ کی حالت میں تھے، جب سوویَت یونین نے افغانستان (Afghanistan) پر حملہ کیا، تو ہم اُنہیں وسط ایشیا (Central Asia) پر تسلُط قائم کرتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے، لہذا ہم نے اس جنگ کا آغاز کیا جس میں صدر ریگن (President Reagan)، ڈیموکریٹس (Democrats)، اور کانگریس (Congress) سب شریک تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہم نے پاکستانی اَفواج (Pakistani Forces) کے ساتھ مُعاہدے کیے، مجاہدین کو بھرتی کیا، اور سعودی عرب سے وہابیت کو بھی فروغ دیا، نتیجۃً سوویَت یونین (Soviet Union) ٹوٹ گیا، اور اُن کا اربوں ڈالر (Billions of Dollars) کا نقصان ہوا"[۱]۔

ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء، اور حاکم شارقہ

اسی طرح حاکمِ شارقہ کے نمائندۂ خصوصی شیخ عبدالعلی المحمود نے، شیخ سلطان قاسمی حاکم شارقہ کی طرف سے ۲لاکھ رِیال کے عطیہ کا اعلان کیا۔

ابوالحسن ندوی، ندوۃ العلماء، اور حاکم ابوظبی

شیخ احمد بن عبدالعزیز نے شیخ زاید بن سلطان حاکم ابوظبی کی طرف سے، وسیع اور عظیم الشان کتب خانہ کے قیام کے لیے، ٦لاکھ روپیہ[۲] کے عطیہ کی خوشخبری سنائی۔

---

(۱) "ہیلری کلنٹن کا ایک اعتراف" (ویڈیو کلپ مع ترجمہ) اردو محفل ۱۷ جون ۲۰۱۹ء۔

(۲) "روداد چمن "ایک دستاویز، ایک کہانی، ایک پیغام ص۲۷۴، میں اس اِمداد کے متعلق اسی طرح تحریر ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں ہو سکی کہ اس روپیہ سے مراد ہندوستانی کرنسی ہے یا اماراتی درہم۔

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی منکِر تصوّف اور ندوۃ العلماء

ڈاکٹر سیّد عبد العلی ۹ جون ۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ کو بالاتفاق ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے، وہ کئی سال سے نواب علی حسن خان کی نیابت کررہے تھے، اس لیے ندوہ کے مُعاملات سے پورے طَور پر واقف تھے، وہ قدیم وجدید تعلیم کے جامع اور ندوہ اور دار العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے۔ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں مولانا مسعود علی کی توجہ سے دار العلوم کی خوبصورت مسجد اور مہمان خانہ تعمیر ہوا، نصاب تعلیم پر نظرِ ثانی کی گئی، عربی زبان کی تعلیم وتدریس کے لیے ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مُرّاکشی[1] کی خدمات

---

(۱) محمد تقی الدین بن عبد القادر الہلالی کی پیدائش محرّم ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں "فرخ" نامی گاؤں میں ہوئی، اس گاؤں کا نام (عربی) "الفیضۃ القدیمہ" بھی ہے، جو ریصانی سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مُرّاکش کے شہر "سجلماسہ"-جو اِن دنوں "تافیلالت" نام سے مشہور ہے-کے مضافات میں ہے۔ ان کی پرورَش علمی وفقہی گھرانے میں ہوئی، ۱۲سال کی عمر ہی میں اپنے والد کے پاس قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، اس کے بعد شیخ تندغی شنقیطی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور "مختصر خَلیل" حفظ کرنا شروع کی، انہی سے عربی زبان کے علوم اور فقہِ مالکی کو پڑھا، یہاں تک کہ شیخ اپنی غیر موجودگی میں انہیں اپنا نائب بنانے لگے۔ ۱۵سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم مکمل کرلی۔ والد صاحب کی وفات کے بعد قبائل میں منتقل ہوگئے، وہاں ایک مسجد میں نماز پڑھاتے اور بچوں کو تعلیم دیتے۔ پھر وہاں سے محمد بن حبیب شنقیطی سے علم حاصل کرنے چلے گئے، ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں ان کی وفات کے بعد "وجدہ" چلے گئے، اور وہاں ایک مدّت تک قاضِی احمد سکیرج سے علم حاصل کیا۔ لغت، نحو، ادب، فقہ اور تفسیر میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد فاس کا سفر کیا اور وہاں کے علما، مثلاً شیخ فاطمی شراوی اور شیخ محمد بن عربی علوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، اور "جامعہ قرویین" سے سند حاصل کی۔ شروع میں تیجانی سلسلہ سے وابستہ رہے، پھر مسلک تبدیل کرلیا اور لوگوں کو بھی =

=

اس سے دُور کرنے لگے، نیز اُن پر کفر کے فتوے بھی لگائے، چنانچہ ایک کتاب "الهدية الهادية اِلی الطريقة التيجانية" ان کے نقد میں لکھی، جس سے وہ لوگ ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد سلفیت کی جانب مائل ہوئے، اور مُرّاکش میں ابو شعیب دکالی اور محمد بن عربي علوی کے بعد سلفیت کے اوّلین داعیوں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اِخوان المسلمین اور حسن البنّاء سے خفیہ طَور پر روابط قائم کیے، ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں طلبِ علمِ حدیث کے لیے "جامعة الازہر" مصر کا رُخ کیا، کچھ عرصہ بعد محمد رشید رضا کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے، مزید طلبِ حدیث کے لیے ہندوستان کا سفر کیا، اور ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ "دار العلوم ندوۃ العلماء" لکھنؤ میں، صدر شعبۂ عربي ادب کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء کو دار البیضاء میں وفات پائی اور سباتا میں مدفون ہوئے۔ تصانیف میں: "الهداية الهادية إلى الطريقة التيجانية"، "القاضي العدل في حكم البناء علي القبور"، "سبيل الرَشاد في هدي خير العباد"، "حاشية على كتاب التوحيد" لمحمد بن عبد الوهّاب النجدي "حاشية على كشف الشُبهات" لمحمد بن عبد الوهّاب النجدى، "العلم المأثور في الرد على المستنجدين بالمقبور"، "الحُسام الماحِق لكلِّ مشركٍ ومنافق"، "دواء الشاكّين وقامِع المشكِّكين في الرد على المُلحِدين"، "فكاك الأسير العاني المكبول بالكبل التيجاني" وغیرہ ہیں۔ ("أعلام وعلماء عايشتهم" صـ٥٢-٥٤. و"تحفة الإخوان بتراجم بعض الأعيان" صـ٦٩-٧١. و"سبيل الرَّشاد في هدي خير العباد" ١/ ٨٩-١٠٣. و"علماء ومفكّرون عرفتهم" صـ١٩٣-٢٢٧) تقی الدین ہلالی کے عقائد و نظریات کے رَد میں مذکورہ لنکس کو ملاحظہ کیجیے:

https://www.library-skiredj.com/2021/07/blog-post_36.html
https://al-maktaba.org/book/31616/75733
https://feqhweb.com/vb/threads/17540/
https://www.youtube.com/watch?v=Q8eRWsIN8LM
https://www.youtube.com/watch?v=Q8FVJE2o7tU

حاصل کی گئیں[۱]، یہ وہی تقی الدین ہلالی ہیں جن سے ابوالحسن علی ندوی نے عربی کی تعلیم حاصل کی تھی۔

ابوالحسن ندوی اور شاہ فیصل ایوارڈ، دولاکھ ریال

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل کی یاد میں، انہیں کے نام سے ۱۳۹۹ھ میں سعودی حکومت کی طرف سے قیمتی ایوارڈ (Award) کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا، جس کے لیے عالَمِ اسلام کی کسی ایسی نمایاں اور اہم شخصیت کا انتخاب ہوتا، جس نے کوئی بڑی دینی خدمت انجام دی ہو۔ ایوارڈ پیش کرنے کے لیے بڑے اہتمام سے جلسہ کیا جاتا ہے، جس میں بادشاہ، دیگر وزراء اور علماء شریک ہوتے، اس جلسہ میں طلائی تمغہ اور ۲ لاکھ ریال کی رقم بطور ایوارڈ ایک سند کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

۲۴ صفر ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء کے جلسہ میں بالاتفاق اس کے ایوارڈ کے لیے ابوالحسن علی ندوی کا انتخاب ہوا، اس کی مختصر رُوداد ابوالحسن علی ندوی کی زبانی تحریر کی جاتی ہے:

"مجھے حیرت ہوئی جب اچانک اس سال فیصل ایوارڈ کے لیے -جو عالَمِ اسلام میں تقریبًا وہی حیثیت رکھتا ہو، جو عمومی طَور پر نوبل پرائز (Nobel Prize) کی ہے- میرے نام کا اعلان ہوا، میں اپنی مردانہ قیام گاہ (دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی) کے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا، اپنے معمول کے مطابق تحریری و تصنیفی کام کر رہا تھا، کہ عزیزی محمد رابع سلّمہ لکھنؤ سے آئے، اور انہوں نے اطلاع دی کہ آپ کے لیے فیصل ایوارڈ کا اعلان ہوا ہے، اور اطلاع و مبارکباد کے یہ تار آئے ہیں! ان میں ایوارڈ

(۱) یہ تمام تر معلومات ندوۃ العلماء کے پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی "روداد ِچمن" سے مختصراً اخذ کی گئی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: "روداد ِچمن" ایک دستاویز، ایک کہانی، ایک پیغام۔

کی کمیٹی کے صدر امیر خالد فیصل بن عبد العزیز کی طرف سے اطلاع کا تار، اور ریاض آکر اس کو وُصول کرنے کی دعوت تھی"[۱]۔

مزید لکھتے ہیں کہ "۲۴ صفر ۱۴۰۰ھ (۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء) تا ۲۶ صفر ۱۴۰۰ھ (۱۶ جنوری ۱۹۸۰ء) انتخاب کی کمیٹیوں کے اِجلاس ہوئے، اور انعام پانے والوں کے نام کا فیصلہ ہوا، میرے نام وزیرِ تعلیم عالی: مَعالی الشیخ حسن عبد اللہ آل الشیخ (محمد بن عبد الوہاب نجدی کی اَولاد) کا خصوصی وپُر زور تار آیا، کہ آپ میری خاطر اس جلسہ میں ضرور شریک ہوں! لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ میں خود جانے کے بجائے عزیزی ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی[۲] کو اپنا قائم مقام بناؤں، اور وہ میری طرف سے تمغہ وایوارڈ وُصول کریں۔

---

(۱) "کاروانِ زندگی" باب ۱۲ سعودی سربراہ مملکت اور ذمہ داروں کے نام ایک اہم تحریری یاد داشت حرم شریف کا ناشدنی واقعہ، قطر کی سیرت کانفرنس، فیصل ایوارڈ، حصہ ۲، ص ۲۹۴ ملتقطاً۔ و"سوانح مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی" ص ۳۶۰، ۳۶۱۔

(۲) عبد اللہ ابن ابی الفضل مفتی محمد عباس بن محمد انس پھلواروی، پٹنہ بہار کے علاقہ پھلوار میں ۸ رجب ۱۳۴۴ھ/ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد مفتی محمد عباس، اور بڑے بھائی شاہ نعمت امام پھلواروی سے، مدرسہ قدیمہ فرنگی محل میں حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، ندوہ میں خاص طَور پر ابو الحسن علی ندوی، محمد حلیم عطا، عبد السلام قدوائی ندوی اور محمد سمیع سے استفادہ کیا، دَورانِ طالب علمی ابو الحسن علی ندوی کے منظورِ نظر رہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد ندوہ میں ہی کئی سال تدریس کا فریضہ انجام دیا، بعد میں لیڈس یونیورسٹی (University of Leeds) سے پی ایچ ڈی (Ph.D) کی، اور رابطہ عالَم اسلامی کے مختلف شعبوں سے وابستہ رہے۔ ابو الحسن ندوی کی خواہش پر دار العلوم ندوہ میں عربی ادب کے استاذ مقرّر ہوئے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں ادیب اوّل کے منصب پر فائز کیے گئے، اور تقریباً ۱۱ سال تک وہ اس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ سن ۱۹۰۵ء/ ۱۳۶۹ھ کو ابو الحسن ندوی کی ہمراہی میں حجاز کا سفر کیا، اور جماعت دعوۃ =

=

والتبلیغ کے دیگر عہدیداران کے ساتھ ایک سال تک مکّہ مکرمہ میں قیام کیا، جس میں سعودی عرب کے متعدّد شہروں کا دَورہ، وہاں کے علماء سے واقفیت، دانشوروں سے رابطہ اور ان سے تعلقات کو مستحکم کیا، جس کے بعد وہ جدّہ میں سعودی ریڈیو کور میں شامل ہونے میں کامیاب ہوئے، مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی اسلامی تنظیموں اور شعبہ کے ڈائیریکٹر مقرّر ہوئے، اس کے بعد رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے جاری ہونے والے انگریزی میگزین کے مدیر مقرّر ہوئے۔ جامعہ اُم القُراء میں عربی ادب کے استاذ مقرّر ہوئے۔ انہی خدمات کے اعتراف میں انہیں سعودی شہریت بھی دی گئی، جس کے بعد وہ مستقل مکہ مکرّمہ میں ہی رہائش پذیر رہے، ساتھ ہی دار العلوم ندوۃ العلماء کے انتظامی اُمور، مالی وسائل کو محفوظ بنانے، اور اس کو مزید ترقی دینے کے ذرائع کے لیے انڈر سیکریٹری برائے تعلیمی اُمور کے عہدے پر مقرّر ہوئے، اس کے علاوہ مکہ میں رابطہ عالم اسلامی کے اِعزازی مشیر مقرّر ہوئے، اور برطانیہ میں کیمبرج لینگویسٹک سوسائٹی (Languistic Society Cambridge) کے رکن رہے، انٹر نیشنل اسلامک لٹریچر کے ممبر اور بورڈ آف ٹرسٹیز کے رکن بھی رہے۔

تصانیف: "قرآن کریم تاریخ انسانی کا سب سے بڑا معجزہ"، "مکرّرات قرآن"، "آفتاب نُبوّت کی چند کرنیں"، "پیغمبر اَخلاق واِنسانیت ﷺ"، "سیرتِ صحابہ کے چند نُقوش"، "آسان فقہ"، "تفهيم المنطَق"، "أساس اللُغة العربية"، "تعلم لُغة القرآن الكريم"، "شرح كتاب النُكت في إعجاز القرآن لكرماني"، "Vocabulary of The Holy Qur'an"، "Language of The Learn Holy Qur'an" وغیرہ۔

طویل عرصہ علالت میں گزارنے کے بعد یکم جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار / یکم ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ جدّہ کے ایک ہسپتال میں ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا، حرم مکّی میں بعد نمازِ عشاء نمازِ جنازہ ادا کی گئی، اور جنّت المعلی میں تدفین عمل میں آئی۔

نوٹ: عبد اللہ عباس ہی وہ شخصیت ہیں، جن کا دار العلوم ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے انعقاد کی تحریک وتجویز میں بنیادی اور ابتدائی حصہ ہے۔ ("العالم الاديب الدكتور عبد الله عباس الندوی" ص۱ تا ۶۱، ملتقطاً، و"سفرنامۂ حیات" و"رُودادِ چمن")۔

فیصل ایوارڈ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کمیٹی کی طرف سے عالَمِ اسلام کے مختلف مرکزوں، اہم شخصیتوں، اداروں اور تنظیموں سے رائے مانگی جاتی ہے، کہ آپ کے نزدیک اس ایوارڈ کا کون مستحق ہے؟ پھر جس کے حق میں زیادہ رائیں آتی ہیں، اس کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے، ایوارڈ کی رقم ۲ لاکھ ریال ہوتی ہے جو نقد، ایک طلائی تمغہ اور ایک سند کے ساتھ، جس میں انعام پانے والے کی امتیازی خدمات کا اظہار ہوتا ہے، جلسہ میں پیش کیا جاتا ہے، جس میں بادشاہ، ولیٔ عہدِ سلطنت، وزراء واَعیان وعلماء شریک ہوتے ہیں"[1]۔

آج کا ندوۃ العلماء، دیوبندی وہابی فکر کا عکّاس ہے

مختصر یہ کہ ۱۸۹۳ء/ ۱۳۱۱ھ میں "ندوۃ العلماء" نام سے مختلف مکاتبِ فکر کے اکابر علمائے ہند کے تعاوُن سے اتحاد بینَ المسلمین، اور اسلام کے فروغ کے لیے مشترکہ کوششوں کی غرض سے جو تنظیم قائم کی گئی تھی، وہ ابتداء میں ہی اپنے اَہداف ومقاصد سے ہٹ گئی، اور مُصلحین علماء ومفکرین کی تمام ترسعی کے باوُجود جانبر نہ ہوسکی، چنانچہ آج کے "ندوۃ العلماء" سے مراد محض "دار العلوم ندوۃ العلماء" لکھنؤ ہے، جس میں چند عشرے قبل ہر فرد کے لیے داخلہ وتعلیم حاصل کرنا ممکن تھا، لیکن علی میاں کے دَور میں یہ محض دیوبندی وہابی فکر کی درسگاہ قرار پائی!۔

---

(۱) "کاروانِ زندگی" اب ۱۲ سعودی سربراہ مملکت اور ذمہ داروں کے نام ایک اہم تحریری یاد داشت حَرم شریف کا ناشدنی واقعہ، قطر کی سیرت کانفرنس، فیصل ایوارڈ، حصہ ۲، صـ۲۹۴، ۲۹۵ ملتقطاً۔ و"سوانح مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی" صـ۳۶۰، ۳۶۱۔

چنانچہ حکیم عبد الحی ندوی کے بعد نواب حسن علی خان ناظم مقرّر ہوئے، اور ان کے فوراً بعد ہی عبد الحی ندوی کے لڑکے حکیم عبد العلی ناظم ندوۃ العلماء مقرّر ہوئے، اس کے بعد ندوہ کی نظامت اور ندوہ، عبد الحی کے گھر تک محدود ہو کر رہ گئے، اور آج بھی ابو الحسن علی ندوی کا سکّہ ندوہ پر چلتا ہے، یہ وہی ندوہ تھا جو تمام مکاتبِ فکر کو ملا کر، تشدُد کی فضا کو ختم کرنے کے لیے قائم ہوا تھا، لیکن عبد الحی ندوی کے خاندان بالعموم، اور ابو الحسن ندوی کے دَورِ نظامت میں بالخصوص، ندوہ فرقہ واریت میں اس قدر آگے نکلا کہ اس میں پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات، اہلِ سنّت کے سخت مخالف اور ایک مکتبِ فکر کی سوچ کا پرچار کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا ندوۃ العلماء محض دیوبندی وہابی فکر کا عکّاس ہو کر رہ گیا ہے!!

ندوۃ العلماء کے حوالے سے یہ وہ تاریخی حقائق تھے، جن پر ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم نے قارئین کرام کے سامنے رکھنے کی اپنی سی کوشش کی۔

وصلّى الله تعالى على خير خلقِه ونورِ عرشِه، سيِّدِنا ونبيِّنا وحبيبِنا وقرّةِ أعيُنِنا محمّدٍ، وعلى آله وصحبه أجمعين وبارَك وسلَّم، والحمد لله ربّ العالمين!.

واقعات وحالات اور تصنیفات

نمبر شمار	تواریخ	واقعات وحالات اور تصنیفات
۱	۱۸۵۷ء-۱۲۷۴ھ	جہادِ آزادی
۲	۱۸۶۰ء-۱۲۷۷ھ	مدرسہ فیضِ عام کا قیام
۳	۱۸۷۴ء-۱۲۹۱ھ	کانپور میں مطبع نظامی کی بنیاد رکھی گئی
۴	۱۸۹۳ء-۱۳۱۰ھ	تنظیم ندوۃ العلماء کے قیام کی تحریک شروع ہوئی، اور لکھنؤ میں تنظیم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا
۵	۱۸۹۳ء-۱۳۱۰ھ	تحریک ندوۃ العلماء، ابتداء میں اس تنظیم کا نام ندیۃ العلماء تھا
۶	۱۸۹۴ء-۱۳۱۱ھ	تنظیم ندوۃ العلماء کا پہلا باقاعدہ سالانہ اِجلاس منعقد ہوا
۷	۱۸۹۴ء-۱۳۱۱ھ	قیام کے دوسرے سال ہی اس کے خدوخال بدل گئے
۸	۱۸۹۵ء-۱۳۱۲ھ	قیصر باغ لکھنؤ، ندوۃ العلماء کا دوسرا اِجلاس
۹	۱۸۹۵ء-۱۳۱۲ھ	مولانا وصی احمد محدّث سُورتی نے لکھنؤ کے اِجلاس کے بعد گنج مرادآباد حاضری دی، اور تمام رُوداد اپنے پیر ومرشد کے گوش گزار کی، یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے مولانا وصی احمد محدّث سُورتی کو اِذن اظہارِ حق ملا، اور آپ

		اِصلاحِ ندوہ میں مصروف ہو گئے
۱۰	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	بریلی میں ندوہ کا تیسرا اِجلاس منعقد ہوا
۱۱	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	مولانا مونگیری سے مذاکرات کے لیے مولانا وصی احمد محدِّث سُورتی کانپور پہنچے
۱۲	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	اِجلاسِ بریلی سے قبل محدِّث سُورتی نے اختلافات کو دُور کرنے کی متعدّد تدابیر کیں
۱۳	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	ندوۃ العلماء کا تیسرا اِجلاس بریلی میں، مولانا لُطف اللہ ندوہ سے علیحدہ ہوئے
۱۴	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	امامِ اہلِ سنّت احمد رضا خان کا ناظمِ ندوہ مولانا مونگیری کو خط
۱۵	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	علمائے اہلِ سنّت کی ایک میٹنگ رضا مسجد محلہ سوداگران بریلی میں منعقد کی گئی، جس میں مجلس علمائے اہلِ سنّت کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل عمل میں آئی
۱۶	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	مولانا شاہ فضلِ رحمن گنج مرادآبادی کا وصال
۱۷	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	القُدوۃ لکشف دفین الندوۃ
۱۸	۱۸۹۶ء-۱۳۱۳ھ	حادِثہ جانکاہ مفتی لُطف اللہ
۱۹	۱۸۹۶ء-۱۳۱۴ھ	اِشتہاراتِ خمسہ
۲۰	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	ندوۃ العلماء کا چوتھا اِجلاس میرٹھ میں ہوا

۲۱	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	مطبع اہلِ سنّت کا باقاعدہ قیام، جس نے تقریباً ۳۱ سال سے زیادہ اِشاعتی خدمات انجام دیں۔ اس کتاب میں شیخ اِکرام الدین کی ایک عبارت ذکر کی گئی ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مخالفین نے ندوہ کی مخالفت میں ایک تنظیم "جَدوَہ" بنائی۔ اس عبارت پر ہم نے حاشیہ لگا کہ "یہ ان کی دَروغ گوئی ہے، اصل حقائق کچھ اَور ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا"۔ پھر ہم نے مجلس علمائے اہلِ سنّت کا ذکر کیا، اس کے تحت مطبع اہلِ سنّت کا ذکر بھی آیا۔
۲۲	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	ندوہ کے رَد میں "رغم الجہلہ" اور "سَطوَہ" اور "غزوہ" رسائل طبع ہوئے
۲۳	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	فکِ فتنہ اَز بہار و پٹنہ
۲۴	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	رسالہ فتاوی السّنۃ لِاِلجام الفتنہ تحریر کیا گیا
۲۵	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	ایک سَو سے زائد خطوط کا مجموعہ "مکتوباتِ علماء وکلام اہلِ صفا" بریلی سے کتابی شکل میں شائع ہوا
۲۶	۱۸۹۷ء-۱۳۱۴ھ	ندوہ کا ٹھیک فوٹوگراف
۲۷	۱۸۹۸ء-۱۳۱۵ھ	ندوۃ العلماء کا پانچواں اِجلاس شاہ جہانپور قرار پایا، علمائے اہلِ سنّت کا رَد
۲۸	۱۸۹۹ء-۱۳۱۶ھ	غرش صنوبر بر ندبۂ شاہ جہانپور

۲۹	۱۸۹۹ء-۱۳۱۷ھ	فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین
۳۰	۱۹۰۰ء-۱۳۱۸ھ	پٹنہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ ہوا
۳۱	۱۹۰۰ء-۱۳۱۸ھ	علمائے اہلِ سنّت کا ردِ عمل اور قاضی صاحب کے اہتمام سے علمائے اہلِ سنّت کا عظیم اِجلاس
۳۲	۱۹۰۳ء-۱۳۲۱ھ	مولانا مونگیری نے ندوہ سے استعفی دے دیا، ناظم اعلی کے منصب اور کلّی طَور پر ندوہ سے علیحدہ ہو گئے
۳۳	۱۹۰۳ء-۱۳۲۱ھ	جلسۂ مدراس
۳۴	۱۸۹۸ء-۱۳۱۵ھ	ندوہ کا پانچواں اِجلاس کانپور میں منعقد ہوا
۳۵	۱۸۹۸ء-۱۳۱۵ھ	شبلی نعمانی نے تنظیم ندوۃ العلماء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں تبدیل کیا
۳۶	۱۸۹۸ء-۱۳۱۵ھ	دار العلوم ندوہ کے ابتدائی درجے کھولے گئے
۳۷	۱۸۹۹ء-۱۳۱۶ھ	رُوسائے شاہ جہانپور کی فیاضی سے کچھ زمینداری بطور وقف "دار العلوم ندوۃ العلماء" کو حاصل ہوئی
۳۸	۱۹۰۳ء-۱۳۲۱ھ	مولانا محمد علی مونگیری کا ندوہ کی نظامت سے استعفی منظور ہوا
۳۹	۱۹۰۸ء-۱۳۲۶ھ	باقاعدہ اُس وقت کے انگریز گورنر نے سنگِ بنیاد رکھا، اور حکومت کی جانب سے مالی اِمداد مختص ہوئی
۴۰	۱۹۰۸ء-۱۳۲۶ھ	الندوہ میں شبلی نعمانی کا ایک مضمون شائع ہوا، جس میں مسلمانوں پر انگریز حکومت کی اِطاعت

		وفاداری کو ثابت کیا گیا
۴۱	۱۹۰۸ء-۱۳۲۶ھ	انگریز حکومت سے وفاداری کا ایک ریزولیشن (Resolution) بھی پاس کروایا
۴۲	۱۹۰۸ء-۱۳۲۶ھ	دار العلوم ندوۃ العلماء کو سرکاری گرانٹ (Grant) جاری ہوئی
۴۳	۱۹۱۰ء-۱۳۲۸ھ	آغا خاں کا ندوہ میں آنا، اور ۵۰۰ روپے سالانہ اِمداد منظور کرنا
۴۴	۱۹۱۲ء-۱۳۳۰ھ	وہابی فکر کے اہم مبلغ رشید رضا نے شبلی نعمانی کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا دَورہ کیا
۴۵	۱۹۱۳ء-۱۳۳۱ھ	مولوی عبد الکریم مدرِّس ندوۃ العلماء نے جہاد پر ایک مضمون لکھ کر شائع کیا، تو اس کی پاداش میں ان کو معطّل کر دیا گیا
۴۶	۱۹۱۳ء-۱۳۳۱ھ	شبلی نعمانی نے ندوہ کی نظامت سے استعفیٰ دیا
۴۷	۱۹۰۵ء-۱۳۲۳ھ	مسیح الزمان غیر مقلّد شاہ جہانپوری ناظم اعلیٰ ندوہ کے عہدہ سے مستعفی
۴۸	۱۹۱۳ء-۱۳۳۱ھ	شبلی نعمانی معتزلی بھی ندوہ سے علیحدہ ہوئے
۴۹	۱۹۱۵ء-۱۳۳۳ھ	عبد الحی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے
۵۰	۱۹۲۳ء-۱۳۴۱ھ	نواب صدیق حسن خان کے بیٹا نواب علی حسن

		خان بھوپالی ناظمِ اعلی بنائے گئے
۵۱	۱۹۳۶ء-۱۳۳۵ھ	مصنِّف "نزہۃ الخواطر" کے بڑے بیٹے ڈاکٹر سیّد عبدالعلی ندوی اس منصب پر تعینات ہوئے
۵۲	۱۹۶۱ء-۱۳۸۰ھ	صاحب "نزہۃ الخواطر" کے چھوٹے بیٹے ابو الحسن علی میاں ندوی ناظمِ اعلی نامزد ہوئے
۵۳	۱۹۶۴ء-۱۳۸۳ھ	دار العلوم دیوبند کو مملکتِ سعودی عرب کی طرف ایک ملین (۱۰لاکھ) ڈالر فراخ دلانہ مالی اِمداد میں، ابوالحسن ندوی کی مُصالحت
۵۴	۱۹۷۴ء-۱۳۹۴ھ	ابو الحسن علی میاں ندوی نے "تقویۃ الایمان" کا عربی ترجمہ کیا
۵۵	۱۹۷۵ء-۱۳۹۵ھ	دار العلوم ندوۃ العلماء کے پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے مَوقع پر، ۴روزہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا
۵۶	۱۹۷۷ء-۱۳۹۷ھ	فتاوی الحرمین کے عربی متن کی ترکی استنبول سے اِشاعت اور دنیا بھر میں حسب معمول بلامُعاوضہ تقسیم کیا
۵۷	۱۹۷۷ء-۱۳۹۷ھ	یہ اِشاعت علی میاں ندوی کو ناگوار گزری، چنانچہ شیخ حسین علمی ایشیق کو ایک خط استنبول روانہ کیا، جس میں اس نَوع کی کوششوں کو ماضِی کا حصہ قرار دیا

۵۸	۱۹۸۰ء-۱۴۰۰ھ	ابوالحسن علی ندوی کو شاہ فیصل ایوارڈ اور ۲ لاکھ ریال نقد ملے۔
۵۹	۱۹۸۲ء-۱۴۰۲ھ	نظام الدین ندوی نے "البَرَيلوية، عقائد وتاريخ" کے عنوان سے مقالہ پر، ابن سعود یونیورسٹی سے ایم فل کیا۔
۶۰	۱۹۸۳ء-۱۴۰۳ھ	"البَرَيلوية، عقائد وتاريخ" اِحسان الٰہی ظہیر کے نام سے شائع کی گئی
۶۱	۱۹۹۷ء-۱۴۱۷ھ	سعودی عرب سے سرکاری سطح پر "رسالۃ التوحید" کے نام سے "تقویۃ الایمان" کی اِشاعت ہوئی اور اسے مفت تقسیم کیا گیا۔
۶۲	۱۹۹۹ء-۱۴۲۰ھ	ناظم "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کا منصب مصنِّف "نزہۃ الخواطر" کے نواسہ محمد رابع حسنی کے سپرد رہا
۶۳	۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ	عبدالماجد غوری ندوی کی تحقیق کے ساتھ "دار وحی القلم" دِمشق نے "رسالۃ التوحید" المسمّٰی "تقویۃ الایمان" نام سے ۱۹۲ صفحات پر شائع کیا۔
۶۴	۲۰۰۵ء-۱۴۲۶ھ	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی مقیم برطانیہ، ملکِ شام کے دَورہ پر گئے
۶۵	۲۰۲۳ء-۱۴۴۴ھ	بلال عبدالحی حسنی ندوی تاحال فعال ہیں

مآخذِ و مَراجع

مآخذومراجع

قلمی نسخہ

- الرائية الصُغرى في ذَمّ البدعة ومدح السُنّة الغرّا، يوسف النَبهاني (ت١٣٥٠هـ).

عربی کتب

- أسانيد المصريين، أسامة السيّد الأزهري، أبوظبي: دار الفقيه، ١٤٣٢هـ، ط١.

- الأعلام، الزِركلي (ت١٣٩٦هـ) بيروت: دار العلم للمَلايين ١٩٩٥م، ط١١.

- أعلام وعلماء عايشتهم، إسماعيل بن سعد بن عتيق، الرياض: دار أطلس الخضراء، ١٤١٧.

- أيّام في بلاد الشام، د. محمد أكرم الندوي (ت ١٩٧٣م) دِمشق: دار التربية، ١٤٢٩هـ، ط١.

- تحفة الإخوان بتراجم بعض الأعيان، عبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت١٤٢٠هـ) الرياض: دار أصالة الحاضرة، ١٤٣٠هـ، ط١.

- تفسير المنار، محمد رشيد رضا (ت١٣٥٤هـ) قاهرة: الهيئة المصرية العامّة للكتاب، ١٩٩٠م.

- حُدوث الفِتن وجهاد أعيان السُنن، محمد أحمد المصباحي، القاهرة: دار المقطَّم ١٤٢٩هـ، ط١.

- حياة الإمام أحمد رضا، د. المفتي محمد أسلم رضا الميمني، كراتشي: دار أهل السُنّة (نشر إلكتروني ثانياً) ١٤٤٤هـ.

- دراسة منهج الشيخ محمد رشيد رضا في العقيدة، تامر محمد محمود متولي، جدّة: دار ماجد عسيري، ١٤٢٥هـ، ط١.

- رجال الفكر والدعوة في الإسلام، أبو الحسن علي الندوي (ت١٤٢٠هـ) بيروت: دار ابن كثير، ١٤٢٨هـ، ط٣.

- رحلات محمد رشيد رضا، د. يوسف إيبش، بيروت: بدر للنشر والتوزيع، ٢٠٠٠م.

- سبيل الرَشاد في هدي خير العباد، تقي الدين الهلالي (ت١٤٠٧هـ) عمان: دار الأثرية، ١٤٢٧هـ، ط١.

- السيرة النبويّة، ابن هشام (ت٢١٣هـ) تحقيق: محمد شحاته إبراهيم، القاهرة: دار المنار للطبع والنشر والتوزيع.

- شُبُهات النصارى وحُجج الإسلام، محمد رشيد رضا (ت١٣٥٤هـ) بيروت: دار المنار والتوزيع، ١٣٦٧هـ، ط٢.

- الشيخ أبو الحسن الندوي كما عرفتُه، يوسف القرضاوي (٢٠٢٢م) دِمشق: دار القلم، ١٤٢٢هـ، ط١.

- العالم الأديب الدكتور عبد الله عباس الندوي، مقالة.

- علماء نجد خلال ثمانية قرون، عبد الله بن عبد الرحمن آل بسام، الرياض: دار العاصمة، ١٣٩٨هـ ط١.

- علماء ومفكّرون عرفتُهم، محمد المجذوب، يمين: دار الشرف، ط٤.

- فتاوى الحرمَين برجف ندوة المين، الإمام أحمد رضا (١٣٤٠هـ) تحقيق: الشيخ محمد كاشف محمود الهاشمي، كراتشي: دار أهل السُنّة (نشر إلكتروني) ١٤٤٠هـ.

- في مسيرة الحياة، أبو الحسن علي الندوي (ت١٤٢٠هـ) دِمشق: دار القلم، ١٤٠٧هـ، ط١.

- القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ، حمود بن عبد الله التويجري (١٤١٣هـ) الرياض: دار الصميعي للنشر والتوزيع، ١٤١٤هـ، ط١.

- مجلّة المنار، محمد رشيد رضا (ت١٣٥٤هـ) قاهرة: إدارة مجلّة المنار، ١٣٢٧هـ، ط٢.

- المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد مع المعتقد المنتقَد، الإمام أحمد رضا (١٣٤٠هـ) الإمام فضل الرسول البدايوني (١٢٨٩هـ) تحقيق: د. المفتي محمد أسلم رضا الميمني، كراتشي: دار أهل السُنّة ١٤٤٣هـ، ط٣.

- مقالات الكوثري، الشيخ زاهد الكوثري (١٣٧١هـ) قاهرة: المكتبة التوفيقية.

- مقالات وفتاوى الشيخ يوسف الدجوي، عضو جماعة كِبار العلماء، قاهرة: الهيئة العامّة لشؤون المطابع الأميرية، ١٤٠١هـ.

- مقدّمات الإمام الكوثري، الشيخ زاهد الكوثري (١٣٧١هـ)

بيروت: دار الثُريا للطباعة والنشر والتوزيع، ١٤١٨هـ.

- نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، عبد الحي النَّدوي (ت ١٣٤١هـ) ملتان: طيّب أكاديمي ١٤١٣هـ.

- نظرة عابرة في مَزاعم مَن يُنكر نُزول عيسى عليه السلام قبل الآخرة، الشيخ زاهد الكوثري (١٣٧١هـ) قاهرة: دار الجِيل للطباعة، ١٤٠٨هـ.

- يتيمة البيان لمشكلات القرآن، أنوَر شاهْ الكاشميري (ت١٣٥٢هـ) سُورت: المجلس العلمي، ١٣٥٦هـ.

- يوسف القرضاوي فقيه الدُّعاة وداعية الفقهاء، عصام تليمة، دِمشق: دار القلم، ١٤٢٢هـ، ط١.

اردوکتب

- استاذ العلماء مولانا مفتی محمد لُطف اللہ علیگڑھی، نواب محمد حبیب الرحمن شروانی (ت ١٩٥٠ء) تکمیل: خواجہ رضِی حیدر، لاہور: مکتبۂ قادریہ، ١٤٠٠ھ۔

- اشتہاراتِ خمسہ، حکیم مؤمن سجاد (ت ١٣٣١ھ) بریلي: مطبع اہل سنّت، ١٣١٣ھ۔

- الاِضافاتِ الیومیہ، اشرف علی تھانوی (ت ۱۳۶۲ھ) ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ۱۴۲۴ھ۔
-اِظہار مَکائدِ اہلِ ندوہ، مولانا محمد اِرشاد حسین دہلوی، بریلی: مطبع اہلِ سنّت ۱۸۹۶ء۔
- انوار آفتابِ صداقت، مولوی فضل احمد نقشبندی، لاہور: کریمی پریس لاہور۔
- آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی (بروایت ملیح آبادی) ابو الکلام آزاد (ت ۱۳۷۷ھ) دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس پرائیوٹ لمیٹڈ، ۲۰۰۸ء۔
- آمال الاَبرار وآلام الاَشرار، امام احمد رضا (ت ۱۳۴۰ھ)، پٹنہ: مطبع حنفیہ، ۱۳۱۸ھ۔
- پاکانِ اُمت، محمود احمد رفاقتی (ت ۱۴۳۹ھ)، بہار: خانقاہِ رفاقتی، ۱۴۱۴ھ، ط ۱۔
- تاریخ ندوۃ العلماء، مولانا اسحاق جلیس ندوی (ت ۱۹۷۹ء) و مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں (ت ۱۴۳۴ھ) لکھنؤ: مجلس صحافت و نشریات، ۱۹۸۱ء۔
- تحفہ حنفیہ، پٹنہ، بہار، محرم الحرام، ۱۳۲۵ھ۔
- تحقیق و تفہیم، مولانا اُسید الحق قادری (ت ۱۴۳۵ھ) دہلی: ادارۂ فکرِ اسلامی، ۲۰۰۹ء۔
- تحقیقاتِ اسلامیات، ڈاکٹر سعید الرحمن بن نور حبیب، پشاور، العلم پبلشنگ سروسز، ۲۰۱۷ء، ط ۱۔
- تذکرۃ الرشید، عاشق الٰہی میرٹھی (ت ۱۳۶۰ھ) سہارنپور: ناظم کتب خانہ، ۱۹۷۷ء۔
- تذکرہ علمائے اہلِ سنّت، محمود احمد قادری (ت ۱۴۳۹ھ)، فیصل آباد: سنّی دار الاِشاعۃ علویہ رضویہ ۱۹۹۲م، ط ۲۔
- تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی (ت ۱۳۲۵ھ) لکھنؤ: مطبع نامی منشی نَوَلکشور، ۱۳۳۲ھ، ط ۲۔

- تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی، ابوالحسن علی ندوی (ت ۱۴۲۰ھ) لکھنؤ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء۔
- تذکرہ کاملانِ رامپور، حافظ احمد علی خان شوق (ت ۱۹۳۳ء) دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۲۹ء۔
- تذکرہ محدِّث سُورتی، خواجہ رضِی حیدر، کراچی: سُورتی اکیڈمی، ۱۹۸۱ء۔
- تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی، اختر راہی، لاہور: مکتبۂ رحمانیہ ۱۳۹۸ھ۔
- تقریراتِ ثلاثہ (۱) مولانا شاہ محمد ابراہیم (۲) مولوی محمد حسین بریلوی (۳) مولوی حکیم مؤمن سجاد کانپوری، بریلی: مطبع اہلِ سنّت و جماعت، ۱۳۱۴ھ، ط ۱۔
- تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ، محمد احمد مصباحی، لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی ۱۴۳۳ھ، ط ۲۔
- تواریخِ حبیبِ اِلٰہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی (ت ۱۳۱۳ھ) سیالکوٹ: مکتبۂ مہریہ رضویہ۔
- تہدید الندوہ، مولانا سیّد محمد حسین، پٹنہ: مطبع حنفیہ، ۱۳۱۵ھ۔
- حدائق الحنفیہ، مولوی فقیر محمد جہلمی (ت ۱۳۳۵ھ) کراچی: مکتبہ ربیعہ۔
- حیاتِ جاوید، مولانا الطاف حسین حالی (ت ۱۹۱۴ء) میر پور، آزاد کشمیر: اَرسلان بکس، ۲۰۰۰ء۔
- حیاتِ شبلی، سیّد سلیمان ندوی (ت ۱۹۵۳ء) اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۳۶۲ھ۔
- حیات عبد الحی، ابوالحسن ندوی (ت ۱۴۲۰ھ) دہلی: ندوۃ المصنّفین، ۱۳۹۰ھ، ط ۱۔
- حیات میاں نذیر حسین دہلوی، پروفیسر محمد مبارک، کراچی: اہلحدیث ٹرسٹ رجسٹرڈ

کورٹ روڈ۔
- حکیم الاُمت، عبد الماجد دریا آبادی (ت ۱۳۹۷ھ) لاہور: ایم شمس الدین تاجران کتب، ۱۹۶۷ء، ط ۱۔
- خطباتِ سر سیّد، محمد اسماعیل پانی پتی (ت ۱۹۷۲ء) لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۷۲ء۔
- خلاصہ فتاوی الحرمین، مطبوع مع فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین، بمبئی: رضا اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ۔
- دستور العمل مجلس علمائے اہلِ سنّت و مطبع اہلِ سنّت، بریلی: مطبع اہلِ سنّت و جماعت۔
- ذکرِ آزاد، عبد الرزاق ملیح آبادی (ت ۱۹۵۹ء) لاہور: مکتبۂ جمال، ۲۰۱۰ء۔
- ردّ اَرباب الشقاق واصحاب النفاق، مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری، بریلی: مطبع اہلِ سنّت، ۱۳۱۲ھ۔
- رسائل رضویہ، عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری (ت ۱۴۱۴ھ) لاہور: مکتبہ حامدیہ ۱۹۸۸ء، ط ۲۔
- رغم الہازل، سید حسین حیدر میاں، بریلی: مطبع اہل سنّت ۱۳۱۴ھ۔
- رودادِ چمن، سیّد محمد الحسنی (ت ۱۴۴۴ھ) لکھنؤ: مجلس صحافت و نشریات ۱۴۳۴ھ، ط ۲۔
- روداد ندوۃ العلماء، مولانا محمد علی مونگیری (ت ۱۳۴۶ھ) کانپور: مطبع انتظامی، ۱۳۱۲ھ۔
- سالانہ رپورٹ ندوۃ العلماء، کانپور ۱۳۱۲ھ۔
- سر سیّد کے آراء واَفکار کا مولانا عبد الحق حقّانی کی تفسیر کی رَوشنی میں تنقیدی و تحقیقی جائزہ، مقالہ برائے ایم فِل، مقالہ نگار: محمد شریف، علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

اسلام آباد، سیشن ۲۰۰۰ء۔

- سرگزشت و ماجرائے ندوہ، مولانا یقین الدین (ت ۱۳۷۰ھ) بریلی: مطبع نادری۔
- سفر نامۂ حیات، ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی (ت ۱۴۲۶ھ) پٹنہ (بہار): دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواروی، ۱۴۲۶ھ ط ۱۔
- سوالات حقائق نما بروٗس ندوۃ العلماء، مولانا حسن رضا (ت ۱۳۲۶ھ) بریلی: مطبع نادری، ۱۳۱۳ھ، وبدایوں: مطبع وکٹوریہ پریس، ۱۳۱۳ھ، مجموعہ رسائل حسن، مرتبین: محمد ثاقب رضا قادری، و محمد افروز چریاکوٹی، لاہور: اکبر بک سیلرز، ۱۴۳۴ھ۔
- سوانح حیات شاہ محمد حسین، حافظ محمد الفاروقی، اِلہ آباد: ادارہ نوامیسِ اِلہیہ دائرۂ بہادر گنج، ۱۳۵۴ھ، ط ۱۔
- سوانح علمائے دیوبند، ڈاکٹر نواز دیوبندی، سہارنپور: نواز پبلی کیشنز دیوبند، ۲۰۰۰ء۔
- سوانح مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی، بلال عبد الحی حسنی ندوی، رائے بریلی: سید احمد شہید اکیڈمی، ۱۴۳۵ھ، ط ۳۔
- سیرتِ ثنائی، مولانا عبد المجید خادم سوہدروی (ت ۱۹۵۹ء) لاہور: مکتبہ قدسیہ، ۱۹۸۹ء، ط ۱۔
- سیرتِ مصطفی ﷺ علامہ عبد المصطفی اعظمی (ت ۱۴۰۶ھ) کراچی: مکتبۃ المدینہ۔
- سیرت مولانا سیّد محمد علی مونگیری، سیّد محمد الحسنی (ت ۱۳۹۹ھ) کراچی: مجلس نشریاتِ اسلامی، ۱۹۹۸ء۔
- شبلی نامہ، شیخ محمد اکرام (ت ۱۹۷۳ء) بمبئی: تاج آفس محمد علی روڈ۔
- صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور، مرتّب: پیر زادہ علّامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور:

مکتبۂ نبویہ، ۲۰۱۲ء۔

- عربی مولود ناموں کی تاریخ، عابد حسین شاہ پیرزادہ، لاہور: ورلڈ ویو پبلشرز، ۲۰۲۳ء۔

- عربی میں ردِّ قادیانیت ایک تاریخی جائزہ، عابد حسین شاہ پیرزادہ، لاہور: ورلڈ ویو پبلشرز، ۱۴۴۲ھ۔

- علم و آگہی، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵۔

- غرش صنوبر بر ندبۂ شاہ جہانپور، حکیم مؤمن سجاد کانپوری (ت ۱۳۳۱ھ) بریلی: مطبع اہلِ سنّت ۱۳۱۶ھ۔

- فتاوی السنّۃ لاِلجام الفتنہ، مولانا عبد الرزاق مکی حیدر آبادی، بریلی: مطبع اہلِ سنّت، ۱۳۱۴ھ۔

- فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ، امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ) بریلی: مطبع نادری، ۱۳۱۳ھ، و مجموعہ رسائل حسن، مرتبین: محمد ثاقب رضا قادری، و محمد افروز چریاکوٹی، لاہور: اکبر بُک سیلرز، ۱۴۳۴ھ۔

- فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین (ت ۱۹۴۹ء) لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۵، ط ۱۔

- کانپور نامہ، ضیاء فاروقی، کانپور: اسمائل گرافکس، چمن گنج ۲۰۰۵ء۔

- کاروانِ زندگی، ابوالحسن علی ندوی (ت ۱۴۲۰ھ)، لکھنؤ: مکتبۂ اسلام ۲۰۰۵ء۔

- الکلام، شبلی نعمانی (ت ۱۳۳۲ھ) اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۳۴۱، ط ۴۔

- کمالاتِ رحمانی، سیّد تجمل حسین بہاری، مونگیر: مکتبۂ رحمانیہ، ۱۳۳۸ھ۔

- ماہنامہ اشرفیہ، صدر الشریعہ نمبر، مبارکپور: اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء/ جُمادَی الاُولی،

جُمادَی الآخرہ ۱۴۱۶ھ۔

-ماہنامہ الرشید، دار العلوم دیوبند نمبر، فروری، مارچ، ۱۹۷۶ء۔

- ماہنامہ قہر الدیان مرتد بقادیان، امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ) بریلی: مطبع اہلِ سنّت وجماعت، ۱۳۲۳ھ۔

-مجدّدِ اسلام، علّامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی (ت ۱۴۲۴ھ) لاہور: رضا اکیڈمی۔

-مجلس ندوۃ العلماء کی بینَ الاَقوامی کانفرنس، مولانا سید حسن مثنی ندوی (ت ۲۰۲۰ء) کراچی: روزنامہ حریت، ۱۹۷۵ء۔

- مجموعہ رسائل حسن، مرتبین: محمد ثاقب رضا قادری، ومحمد افروز چریاکوٹی، لاہور: اکبر بُک سیلرز، ۱۴۳۴ھ۔

-مجموعۂ مضامین نظم ونثر، باہتمام محمد عبد العلی آسی مدراسی (ت ۱۳۲۷ھ) لکھنؤ: مطبع اصح المطابع محمود نگر۔

- مجموعہ مقالات عبد الحمید رحمانی، مرتّب: لجنہ علمیہ جامعہ اسلامیہ سنابِل، دہلی: مجمع الشیخ عبد الحمید الرحمانی للبحوث العلمیۃ الاسلامیۃ، ۲۰۱۴ء۔

- مُراسلاتِ سنّت وندوہ، علّامہ محمد حامد رضا (ت ۱۳۶۲ھ) بریلی: مطبع نظامی، ۱۳۱۳ھ۔

-مشعلِ راہ، عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری (ت ۱۴۱۴ھ) لاہور: فرید بک اسٹال، ط ا۔

- مظہر الحق فی ردّ ندوہ، علّامہ مظہر الحق، لکھنؤ: مطبع منشی نوَلکشور۔

- معتزلہ اور ان کا عروج وزوال، عبد الحلیم شرر (ت ۱۹۲۶ء) لکھنؤ: دلگداز پریس، ۱۹۲۶ء۔

- مقالاتِ سر سیّد، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (ت ۱۹۷۲ء) لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء۔
- مکاتیبِ شبلی، ابوالحسن علی ندوی (ت ۱۴۲۰ھ) اعظم گڑھ: دار المصنّفین۔
- مکتوبات علماء و کلام اہل صفاء، سیّد محمد عبد الکریم قادری (ت ۱۳۱۷ھ) بریلی: مطبع اہلِ سنّت۔
- الملفوظ، مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفی رضا بریلوی (ت ۱۴۰۲ھ)، دہلی: ادبی دنیا، ۲۰۰۵ء۔
- ملفوظاتِ محدِّث کشمیری، مولانا سیّد احمد رضا بجنوری، ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ۱۴۳۱ھ۔
- ملفوظ مصابیح القلوب، ظہیر السجاد، ضلع اوریا، یوپی: مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف، ۱۴۳۳ھ، ط۳۔
- مَوجِ کوثر، شیخ محمد اکرام (ت ۱۹۷۳ء) لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۹ء۔
- مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان، ابو الحسن زید فاروقی، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۱۴۲۶ھ، ط۱۔
- نزہۃ الخواطر کا علمی و تحقیقی جائزہ، پیرزادہ عابد حسین شاہ، لاہور: مسلم کتابوی، ۱۴۳۸ھ۔
- ہندوستان میں اہلِ حدیث کی علمی خدمات، مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی (ت ۱۹۶۶ء) ساہیوال: مکتبہ نذیریہ، ۱۳۹۱ھ۔
- یادگارِ شبلی، شیخ محمد اکرام (ت ۱۹۷۳ء) لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۱ء۔

Web links

https://www.askahmadiyyat.org
https://islamonline.net/الشيخ-رشيد-رضا-سلفى-بنزعة-عقلية
https://shaykhgillessadek.com/ -الشيخ-المحدّث-عبد-الله-الغُماري-بم
https://al-fatawa.com/fatwa/29893/-رد-على-محمد-رشيد/
رضا-الذي-وضع-قاعدة-اذا-تعارض-العقل-مع-النقل-قدم-العقل-على-
النقل-الالباني
-رأي-الغزالي-في-رشيد-رضا-ونقد/
https://www.aljazeera.net/blogs/2018/3/21/الغزالي
https://www.tasfiatarbia.org/vb/showthread.php?t=17598
https://en.wikipedia.org/wiki/Atiya_Fyzee
https://ur.wikipedia.org/wiki/خواجہ_کمال_الدین
https://urdudunia.com/?p=11433
https://www.nadwa.in/nazim
https://thefreelancer.co.in/?p=10217
www.cb.rayaheen.net
www.dd.sunnah.net
https://ur.wikipedia.org/wiki/آل_الشیخ
https://www.library-skiredj.com/2021/07/blog-post_36.html
https://al-maktaba.org/book/31616/75733
https://feqhweb.com/vb/threads/17540/
https://www.youtube.com/watch?v=q8eRWsIN8LM
https://www.youtube.com/watch?v=Q8FVJE2o7tU

Civil Democratic Islam Partner, Resources, and Strategies, Cheryl Bernard (1953), National Security Research Division
https://ur.abna24.com/story/887071
https://www.youtube.com/watch?v=_VH9E_kd9cA

ادارۂ اہل سنّت کی مطبوعات واِصدارات

عربی کتب

١. كنز الإيمان في ترجمة القرآن: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) مع تفسير خزائن العرفان: لصدر الأفاضل السيِّد محمد نَعِيم الدِّين المرادآبادي (ت١٣٦٧هـ) طُبعت ثانياً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٤٢هـ/ ٢٠٢٠م.

٢. العطايا النبويّة في الفتاوى الرضوية: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) (٢٢ مجلَّداً بالأرديّة) محقَّقة، طبعت ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧م.

٣. جدّ الممتار على ردّ المحتار: له (ت١٣٤٠هـ) (سبع مجلَّدات محقَّقة، طُبعت من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٤هـ/ ٢٠١٣م.

٤. المعتقَد المنتقَد: للعلّامة فضل الرّسول القادري البَدَايُوني (ت١٢٨٩هـ) مع حاشية قيّمة مسمّاة: المعتمَد المستنَد بناء نجاة الأبد: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّق، طُبع ثانياً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م. نشر إلكتروني أوّلاً ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

٥. الدَّولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة: له، محقَّق، طبع ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٦. إنباء الحي أنّ كلامَه المصونَ تبيانٌ لكلِّ شيء (مجلّدان): له، محقَّق، طبع ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٧. شرح عقود رسم المفتي: للإمام ابن عابدين الشّامي (ت١٢٥٢هـ) محقَّقة، طُبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

٨. أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طُبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

٩. الفضل الموهبي في معنى إذا صحّ الحديث فهو مذهبي: له (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طُبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

١٠. جليُّ الصَّوْت لنَهي الدَّعْوة أمَامَ موت (بالأرديّة): له، ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧م.

١١. رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومُؤاساة الفقراء: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٢. أعجب الإمداد في مكفّرات حقوق العباد: له، محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٣. صفائح اللُجَين في كون تصافُح بكفَّي اليدَين: له، محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

١٤. الإجازات المتينة لعلماء بكّة والمدينة: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م. نشر إلكتروني أوّلاً ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

١٥. الظَفر لقول زُفر: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

١٦. شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

١٧. صَيقل الرَّين عن أحكام مجاوَرة الحرمَين: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

١٨. الجبل الثانوي على كلية التهانوي: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

١٩. كفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهم: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٢٠. هاديُ الأُضحِية بالشاء الهنديّة: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٢١. الصافية الموحية لحكم جلد الأُضحِية: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٢٢. الكشفُ شافيا حكم فونوجرافيا: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٢٣. الزُّلال الأنقَى من بَحر سبقة الأتقى (في أفضلية سيّدنا أبي بكر ﵁): له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠ﻫ/ ٢٠١٨م.

٢٤. "القول النَّجيح لإحقاق الحقّ الصّريح" مع حاشية "السَعي المشكور في إبداء الحقّ المهجور": له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠ﻫ/ ٢٠١٨م.

٢٥. قَوارع القَهّار على المجسِّمة الفُجّار: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠ﻫ) مترجمة بالعربية، محقَّقة، طبعت من "دار المقطَّم" القاهرة ١٤٣٢ﻫ/ ٢٠١١م.

٢٦. أنوار المنّان في توحيد القرآن: له، مترجمة بالأردية، محقَّقة، ١٤٢٩ﻫ/ ٢٠٠٨م.

٢٧. الأمن والعُلى لناعتِي المصطفى بدافع البلاء مترجَم بالعربيّة: له، محقَّق، طبع ١٤٤٠ﻫ/ ٢٠١٩م.

٢٨. منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين، للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠ﻫ) مترجمة بالعربية، ١٤٤٤ﻫ / ٢٠٢٢م (نشر إلكتروني).

٢٩. إقامة القيامة على طاعِن القيام لنبي تهامة (بالأرديّة): للإمام أحمد رضا خانْ ١٤٢٧ﻫ/ ٢٠٠٦م.

٣٠. حُسام الحرمَين على منحر الكفر والمَين: له (ت١٣٤٠ﻫ) محقَّقة، أوّلاً طبعت من "مؤسّسة الرضا" لاهور ١٤٢٧ﻫ/ ٢٠٠٦م. وثانياً (نشر إلكتروني) بتحقيق وترتيب جديد ٢٠١٩م.

٣١. فتاوى الحرمَين برَجفِ ندوةِ المَين: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّق، ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م (نشر إلكتروني).

٣٢. إذاقة الأثام لمانعِي عملِ المَولد والقيام (بالأردية): للعلّامة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ) محقَّقة، طبعت ١٤٢٩هـ / ٢٠٠٨م.

٣٣. أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد (بالأردية): للعلّامة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ) محقَّقة، ١٤٣٠هـ/ ٢٠٠٩م. وثانياً (بالعربية) من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٣٦هـ / ٢٠١٥م.

٣٤. قواعد أصوليّة لفهم الآيات القرآنيّة والأحاديث النبويّة (بالعربية): للدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، محقَّقة، طبعت ثانياً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م. و(بالأردية): له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٥. مقدّمة الجامع الرّضوي (ضوابط في الحديث الضعيف): لمِلك العلماء المحدِّث المفتي ظفر الدّين البِهاري، محقَّقة، طبعت ثانياً نسخة معدَّلة من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م.

٣٦. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ: له، محقَّقة (بالأرديّة)، طبعت ثالثاً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٧. تحسين الوُصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ: له، محقَّقة (بالعربية) طبعت رابعاً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٨. حياة الإمام أحمد رضا: للدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، رسالة مختصرة في سيرة الإمام، محقَّقة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

٣٩. نظم العقائد النَّسَفية (النّظم العربي): المفتي الشيخ إبراهيم علي الحمدُو العمر الحلَبي، طبع ثانياً ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٤٠. نظم العقائد النَّسَفية (النّظم الأردو): للشّيخ محمد سلمان الفريدي المصباحي الهندي، طبع ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٤١. متن الآجُروميّة في النحو: ترتيب جديد: د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢١م (نشر إلكتروني).

٤٢. مختصر الآجُروميّة في النحو: ترتيب جديد: د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢١م (نشر إلكتروني).

٤٣. الدعوة إلى الفكر، للشيخ مَنشا تابِش القصوري، ترجمتها بالعربية: الأستاذ العلّامة محمد عبد الحكيم شرف القادري (ت١٤٢٨هـ) محقَّق، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م (نشر إلكتروني).

٤٤. "معارف رضا" المجلّة السَّنَوية العربيّة ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م (العدد السّادس) طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي.

اردو کتابیں

٤٥. اسلامی عقائد ومسائل: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، ثانیاً ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء۔

٤٦. عظمتِ صحابہ واہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، الغنی پبلیشر ز ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء۔

٤٧. قائدِ ملّت اسلامیہ علّامہ خادم حسین رضوی - حیات، خدمات اور سیاسی جدوجہد: مفتی عبدالرشید ہمایوں المدنی، محقَّق، ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء (آن لائن)۔

٤٨. تحقیقاتِ امام علم وفن: حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، محقَّق، الغنی پبلیشر ز ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء۔

٤٩. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۱۸ء) ۱۴۴۶ھ/۲۰۲۴ء، عدد صفحات: ۳۲۰، المکتبۃ النظامیہ پشاور۔

٥٠. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۱۹ء) ۱۴۴۶ھ/۲۰۲۴ء، عدد صفحات: ۴۶۸، المکتبۃ النظامیہ پشاور۔

٥١. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۰ء) (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۸۲۔ الغنی پبلیشر ز ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۲ء۔

٥٢. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۱ء) (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۸۷۲، المکتبۃ النظامیہ پشاور ۱۴۴۴ھ/۲۰۲۳ء۔

٥٣. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۲ء) ۱۴۴۴ھ/۲۰۲۳ء، (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۶۰ (آن لائن)۔

٥٤. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۳ء) ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء، (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۴۴ (آن لائن)۔

٥٥. امام احمد رضا کی اجتہادی آراء: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، ۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۴ء (آن لائن)۔

٥٦. شیخ عبد القادر جیلانی اور مقامِ غوثیتِ کُبریٰ: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، المکتبۃ النظامیہ پشاور ۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۴ء۔

۵۷. مختصر تاریخ ندوۃ العلماء: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، ۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۵ء (آن لائن)۔

انگریزی کتابیں

58. 20 FUNDAMENTAL PRINCIPLES TO IDENTIFY SHIRK & BID`AH: By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.
59. Tahsin al-Wusul – By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.
60. The Hereafter (On the Muslim belief of life after death), By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.

عنقریب شائع ہونے والی کتب

١. عقائدوکلام (اردو): للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ).

٢. تلخيص الفتاوى الرضوية (اردو): له، (٦ مجلّدات).

امام احمد رضا کی اجتہادی آراء

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

اسلامی عقائد و مسائل

تالیف و ترتیب

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

تقریظاتِ جلیلہ

علامہ محمد احمد مصباحی – علامہ عبد الستار سعیدی

علامہ جمیل احمد نعیمی – مفتی محمد الیاس رضوی

مفتی نظام الدین رضوی – علامہ عبد المبین نعمانی

صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

شیخ عبد القادر جیلانی

اور

مقامِ غوثیتِ کُبریٰ

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ